اسلامی تاریخی ناول

منگول

مصنف:
الماس ایم اے

مکتبہ القریش ۰ قذافی مارکیٹ اردو بازار ۰ لاہور

عرضِ ناشر

تموچن چنگیز خان جتنا عظیم فاتح تھا اتنی ہی خوفناک سفاک بھی تھا۔ کیا یہ بات تعجب خیز نہیں کہ آج سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال پہلے منگولیا کے شمال میں جھیل بیکال کے برف پوش علاقوں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے اس وقت کی معلوم دنیا کے تقریباً نصف حصہ کو فتح کر کے اس پر اپنی ایسی دھاک بٹھائی کہ جس کا اثر کئی نسلوں تک باقی رہا۔

اس خوفناک اور عظیم فاتح نے اپنی زندگی میں کئی نام پائے۔ کسی نے اسے قاتلِ اعظم اور کسی نے قہرِ خداوندی کہا۔ کسی نے جنگجوئے کامل اور کسی نے با جگیرِ تخت و تاج کے نام سے پکارا مگر عرفِ عام میں اسے چنگیز خان ہی کہا جاتا ہے۔

اس سفاک فاتح پر کئی کتابیں لکھی گئیں لیکن وہ تمام کی تمام تقریباً یک طرفہ ہیں۔ چنگیز خان ہو یا اس کا پوتا ہلاکو خان، ان کی تاریخ ہم تک یورپی مؤرخوں کے ذریعہ پہنچی ہیں اور یورپ والوں کو صلیبی جنگوں کی وجہ سے مسلمانوں سے جو دشمنی ہے اس سے کون واقف نہیں رچنانچہ چنگیز خان اور ہلاکو خان کے یورپی مؤرخوں نے ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو یکسر بزدل اور نااہل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا۔

زیرِ نظر "منگول" میں مغلوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی کوششوں کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ آپ "منگول" کو بھی وہی پذیرائی بخشیں گے جو آپ نے اپنے محبوب ناول نگار الماس ایم اے کے دوسرے ناولوں کو بخشی ہے۔

محمد علی قریشی

غریب شہر

قارئین کرام اس سے پہلے مغل فاتح اور حملہ آور ہلاکو خان کے مکمل حالات میرے ناول "بغداد جلتا رہا" میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ زیرِ نظر ناول "منگول" کا مرکزی کردار چنگیز خان دراصل مغلوں کی عسکری طاقت کا محور تھا اور ہلاکو خان اسی چنگیز خان کا پوتا تھا۔
چنگیز خان کو آپ لرزندۂ جہاں، قاتلِ اعظم یا سفاکی کی صفات کا حامل کوئی بھی نام دیدیں، وہ تمام ناموں اور خطابوں کا اہل معلوم ہوتا ہے۔

یورپ کے مورخوں کی آنکھوں سے تعصب اور جانبداری کی عینک کبھی نہیں اترتی ان کے خیال میں شہنشاہوں کی تاریخ مقدونیہ کے سکندرِ اعظم سے شروع ہو کر نپولین بونا پارٹ پر ختم ہو جاتی ہے لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو اس میدان میں چنگیز خان بہت بڑے پیمانے کا فاتح نظر آتا ہے۔

جنگ و جدل کے ساتھ ساتھ اس ناول میں آپ کو جنگجو مغلوں کی اصل زندگی کے حالات سے بھی آگاہی ہوگی۔

امید ہے کہ قارئین کرام منگولز کے مطالعے کے بعد اپنی رائے سے مجھے ضرور مطلع فرمائیں گے۔

احقر

الماس ایم اے

اکتوبر ۹۴ء

۲۶۱ خیبر بلاک۔ اقبال ٹاؤن۔ لاہور

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔
میں مغل بادشاہ بابر کی بیٹی، شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور تاجدارِ ہند شہنشاہ اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔
شہنشاہِ ہند کی طرف سے میرے نام فرمان جاری ہوا ہے کہ میں فردوس مکانی بابر بادشاہ اور جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے اسے احاطۂ تحریر میں لے آؤں۔
جب فردوس مکانی بابر بادشاہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ حقیر صرف آٹھ سال کی تھی اس لیے مجھے اس وقت کی باتیں اچھی طرح یاد نہیں ہیں تاہم شاہی فرمان کی تعمیل میں میرے حافظے میں جو کچھ ہے یا میں نے جو کچھ سنا ہے اسے ضبطِ تحریر میں لا رہی ہوں۔
شاہی فرمان میں اگرچہ صرف فردوس مکانی بابر بادشاہ سے اب تک کے حالات قلم بند کرنے کا حکم ہوا ہے لیکن میں اس داستان کو اپنی مغل (تاتار) قوم کی ابتدا سے شروع کر رہی ہوں تاکہ کہانی میں ربط پیدا ہو جائے اور مزید کسی وضاحت کی ضرورت پیش نہ آئے۔
ظاہر ہے کہ میں اس وقت پیدا بھی نہ ہوئی تھی اس لیے میں نے اپنی قوم کے بارے میں اپنے جدِ امجد اور ان جدِ امجد نے اپنے جدِ امجد سے جو کچھ سنا وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہوا مجھ تک پہنچا ہے وہ سب کچھ میں اس داستان میں سمو رہی ہوں۔
یہ سلسلہ ۱۲۰۰ عیسوی سے شروع ہوتا ہے، جبکہ مغل قوم کا روایتی اجداد بورجی گون تھا۔۔۔ وہ بورجی گون جس کا بہادر اور شہسوار بیٹا لیسو کائی تھا جسے ہم اپنا جدِ اعلیٰ کہتے ہیں۔

منگولوں کے اس جدِ اعلیٰ نے اپنی نوجوانی میں ایک ایسا حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین کارنامہ انجام دیا تھا جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا لیکن اس سے پہلے میں ان دور افتادہ علاقوں میں بسنے والے منگولوں کے شب و روز کا تذکرہ کروں گی جن کی زندگی، زندگی نہیں بلکہ زندگی اور موت کی ایک مسلسل کشمکش کا نام تھی۔

منگولوں کی اس ابتدائی دور کی زندگی اور اس کے معمولات کو جدید تمدن کے معیار سے نہیں ناپا جا سکتا بلکہ انہیں ان کی بنجر زمین کے ماحول میں دیکھنا ہوگا جس میں یہ خانہ بدوش قوم بستی تھی۔ شکار کھیلتی، شہسواری کرتی اور گاڑیاں چلاتی دکھائی دیتی تھی۔

وہاں کے انسان جانوروں کے سمور کے لباس پہنتے تھے اور گوشت اور دودھ کی خوراک پر بسر کرتے تھے۔

یہ لوگ اپنے جسموں پر چربی ملتے، تیل تھوپتے تاکہ سردی اور نمی سے محفوظ رہیں۔ کبھی کبھی وہ بھوک اور سردی سے مر جاتے یا دوسرے انسان اپنے ہتھیاروں سے ان کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔

فرا کاربینی وہ پہلا یورپین تھا جس نے اس سرزمین پر قدم رکھا۔ اس کا بیان ہے کہ:

"یہاں قصبے اور شہر نہیں، بس بنجر ریگستان ہیں۔ پوری زمین کا سواں حصہ بھی ایسا نہیں جو دریاؤں سے سیراب ہو سکے یا جس پر کاشت کی جا سکے۔ کیونکہ یہاں دریا بہت کم ہیں۔

اس سرزمین میں درخت نہیں اگتے حالانکہ مویشیوں کی چراگاہیں بہت ہیں۔ عام منگولوں سے لے کر ان کے بڑے بڑے سرداروں اور شہزادے اور بادشاہ تک، سب کے سب گوبر کے اپلوں کی آگ تاپتے ہیں اور ان ہی پر ان کا کھانا پکتا ہے۔

موسم بڑا سخت ہے۔ وسطِ گرما میں بھی آندھیوں اور کڑکتی بجلیوں کے طوفان اٹھتے ہیں اور بہت سے لوگ مر جاتے ہیں۔ گرمیوں میں بھی اکثر شدید برف باری ہوتی ہے اور ایسے طوفانی جھکڑ چلتے ہیں کہ گھوڑوں پر سوار ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ ہے صحرائے گوبی!"

اس صحرائے گوبی میں زندگی کی کوئی قیمت نہ تھی۔ اونچے ہموار ٹیلے جن کی بلندی بادلوں تک پہنچتی تھی،

جھیلیں جن کے گرد اونچی گھاس تھی جن میں شمالی ٹنڈرا سے ہجرت کر کے آنے والے پرندے بسیرا کرتے تھے۔ اوپر کی ہواؤں کے تمام عفریت وسیع جھیل بیکال پر جمع ہوتے۔ درمیانی جاڑوں کی شفاف راتوں میں افق پر قوسِ قزح جیسی شمالی روشنیاں طلوع اور غروب ہوتی تھیں۔

شمالی گوبی کے اس گوشے کے انسانوں کو تکلیفوں نے سخت جان بنا دیا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سخت جانی انہیں ورثے میں ملی تھی۔

جب ماں کا دودھ چھڑا کر گھوڑی کا دودھ شروع کیا جاتا تو اس وقت ہر بچے سے یہ توقع کی جاتی کہ وہ اپنی فکر آپ کرے۔

گھریلو خیموں میں آگ کے قریب جوان جنگجوؤں اور مہمانوں کو جگہ ملتی تھی۔ خواتین بائیں جانب اور ذرا دور ہٹ کے بیٹھتی تھیں اور بچے جسے جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے تھے۔

کھانے پینے کا حال بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ موسمِ بہار اچھا گزرتا اس لیے کہ اس زمانے میں گائیاں اور گھوڑیاں خوب دودھ دیتی تھیں۔ شکار بھی اچھا ملتا تھا۔ اس موسم میں قبیلے کے شکاری لومڑیاں یا سمور کے حامل دبلے پتلے جانوروں کا شکار نہ کرتے بلکہ ہرن یا ریچھ مار لاتے تھے۔ ہر چیز دیگ میں ڈال دی جاتی پھر کھائی جاتی۔

کھانا کھانے کا دستور بھی نرالا تھا۔

سب سے پہلے جوان اور طاقتور مرد جو چاہتے کھا لیتے۔ بوڑھے اور عورتیں ان کے بعد کھاتیں۔ پھر بچے ہڈیوں کے لیے لڑتے۔ کتوں کے لیے مشکل ہی سے کچھ بچتا تھا۔

سخت سردیوں میں جانور دبلے ہو جاتے۔ اس وقت بچوں کو کھانے کے لیے بہت کم ملتا۔ ایسے دنوں میں دودھ کی کومِش بنائی جاتی تھی۔ کومِش دودھ کو چمڑے کے تھیلوں میں بھر کے اور اسے خمیر دے کر پھر پھینٹ کر بنائی جاتی تھی۔ جب گوشت نہ ملتا تو ابلے ہوئے باجرے سے بھوک مٹائی جاتی۔

جاڑوں کے آخری ایام بچوں کے لیے بڑے سخت ہوتے تھے۔ اس زمانے میں جانوروں کو اس لیے نہ کاٹا جاتا کہ کہیں ان کی تعداد کم نہ ہو جائے۔ پس ان دنوں میں قبیلے کے جنگجو دوسرے (کمزور) قبیلوں پر حملہ کر کے سامانِ خورد و نوش حاصل کرتے اور ان کے جانور ہنکا لاتے۔ اس لیے کہ وہاں کا قانون طاقت اور صرف طاقت تھا۔

کمزور کو جینے کا حق نہ تھا۔ وہ صرف محکوم بن کر زندہ رہ سکتا تھا۔ دوسری کوئی صورت نہ تھی کہ وہ سانس لے سکتا!

بچے بچپن ہی سے شکار کھیلنا شروع کر دیتے تھے۔ وہ کند تیروں اور کلہاڑیوں سے کتوں اور چوہوں کا شکار کرتے۔ یہ بچے بھیڑوں پر سواری کرتے اور گرنے سے بچنے کے لیے ان کے بال مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔

میں مغل بادشاہ بابر کی بیٹی اور شہنشاہ ہمایوں کی (بہن) ہوں۔ میں نے آپ سے اپنے اجداد لورجی گون کے عظیم الشان بیٹے لیسوکائی کا وہ عظیم الشان معرکہ بیان کرنے کا ذکر کیا تھا جس نے لیسوکائی کو واقعی ایک عظیم الشان سردار بنا دیا تھا۔

میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ ہمارے اجداد کے قبیلے کا نام "یکا" یا "ایکہ" ہے اور اس نسل یا قبیلہ میں بعد میں عظیم گر سفاک چنگیز خاں، قبلائی خاں اور ہلاکو خاں جیسے مشہور فاتح اور بادشاہوں نے جنم لیا۔

ہمارے قبیلے یاکا کے شمال میں ایک بہت بڑا قبیلہ آباد تھا جس کا نام مرکیت یا مکریت تھا۔ یہ لوگ ٹنڈرا یعنی شمالی ایشیا کے برف میں منجمد دشت میں رہتے تھے۔ یہ لوگ غذا کی تلاش میں ٹنڈرا کے برف زار کے کنارے مارے مارے پھرا کرتے تھے لیکن ان بھولے بسرے انسانوں نے ایک عجیب کامیابی حاصل کر لی تھی یعنی ان لوگوں نے "گھوڑے" کو اپنا مطیع اور نوکر بنا لیا تھا۔

یہ دیرانہ نورد گروہ تمدن کے مرکزوں سے بہت دور تھا یعنی انہیں تہذیب کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ یہ جانوروں کے شکار سے پیٹ بھرتے اور کھالوں سے تن ڈھانپتے تھے۔ یہ لوگ چھوٹی بڑی مچھلیاں بھی پکڑتے تھے اور بڑی مچھلی کی کھال سے سردی سے بچاؤ کے لیے اپنا بدن چھپاتے تھے۔ ان لوگوں نے اس شمالی علاقہ کے جانوروں .... شمالی ہرن، بھیڑ اور جنگلی گھوڑے کو اپنا مطیع کر لیا تھا۔

سب سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے یہ لوگ جنہیں مغل یا تاتاری کوئی بھی نام دیا جا سکتا ہے، نرے وحشی کے وحشی ہی رہے۔ ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ایک قبیلہ مکریت تھا۔

میرا قبیلہ یاکا ہو یا قبیلہ مکریت، اگرچہ یہ قبائل تمدنی دنیا سے دور تھے مگر اپنے نفع اور نقصان کو سمجھنے کا انہیں پورا پورا شعور تھا۔ بے شمار قبائل پر مشتمل یہ وحشی علاقے آپس میں دوستیاں بھی کرتے اور دشمنیاں بھی۔

ان قبائل کی دشمنی بڑی خطرناک ہوتی تھی۔ دو قبائل کی دشمنی میں جب تک ایک قبیلہ ختم نہ ہو جاتا، اس وقت تک دشمنی برقرار رہتی خواہ اس میں صدیاں ہی گزر جائیں۔

پر ان کی دوستی ہمیشہ برابر کی طاقت والے قبیلے سے ہوتی۔ اس دوستی کے باوجود وہ ایک دوسرے سے ڈرتے۔ اس لیے کہ اگر ایک قبیلے کو یہ شبہ ہو جاتا کہ دوسرا قبیلہ کمزور ہو گیا ہے تو وہ اس سے اپنی

دوستی اس طرح نبھاتا کہ اس پر اچانک حملہ کر کے اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا۔

اسی طرح کی دوستی میرے قبیلے یاکا اور ٹنڈرا کے باسی قبیلے مکریت میں تھی۔ یہ قبائل شادی اور غمی میں باہم شریک ہوتے اور خوب تحفے تحائف دیتے تھے جو عام طور پر کھانے کی اشیا پر مشتمل ہوتے۔ قبائل کے نزدیک سونے چاندی یا ہیرے جواہرات کی کوئی قدر نہ تھی کیونکہ طاقت کا توازن محض آدمیوں کی تعداد پر رکھا جاتا تھا۔ یہ بات مشہور تھی کہ:

"جس خان کے قبیلے میں جس قدر زائد خیمے ہوں گے وہ اسی قدر طاقتور ہوگا۔"

ان علاقوں میں مکان بنانے کا کوئی تصور نہ تھا۔ یہ لوگ متحرک خیموں میں رہتے تھے جو کھال اور ہڈیوں سے تیار کیے جاتے تھے۔ سردی و گرمی سے بچنے کے لیے ان کے اندر چربی کی پالش کی جاتی۔ ان خیموں میں مغلوں (منگولوں) کی ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی تھی۔

جب کوئی قبیلہ ایک سے دوسری جگہ منتقل ہوتا تو یہ خیمے گاڑیوں پر لاد دیے جاتے جنہیں بیل یا رینڈ بیئر کھینچتے تھے۔ ان خیموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا جاتا تھا اور اس متحرک خیمہ بستی کو صرف ایک آدمی حرکت دینے پر مقرر ہوتا تھا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ہمارے قبیلے یاکا میں چالیس ہزار خیمے تھے۔ جہاں یہ خیمے ڈیرے ڈالتے وہاں پورا ایک خیمہ شہر آباد ہو جاتا۔ اس سے قبیلہ کے سردار لیسوکائی کی طاقت کا بھی اندازہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی سردار لیسوکائی کی دوستی طغرل خاں سے تھی جو قوم قرایت کا سردار تھا اور اسے گوبی کے خانہ بدوشوں میں سب سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا۔

مشہور تھا کہ طغرل خاں نے لیسوکائی سے نہ صرف دوستی کی تھی بلکہ اس نے لیسوکائی کو منہ بولا بھائی بنانے کی قسم کھائی تھی۔ اس طغرل خاں کے تعلق سے ایشیا کے پریسٹر جان کے قصے یورپ میں مشہور ہوئے۔

دوسری طرف میرے جد امجد یعنی لیسوکائی نے شمال کے برفانی قبیلے مکریت کے خان سے پکی دوستی کی تھی جس کی طاقت لیسوکائی سے زیادہ نہیں تو کسی طرح کم بھی نہ تھی۔

دونوں کی طاقت کا یہی توازن ان کی دوستی کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔ لیسوکائی اور مکریت کے خان کی پکی دوستی میں دراڑ اس وقت پڑی جب لیسوکائی، شمالی خان کا مہمان تھا۔

قصہ کچھ یوں ہوا کہ شمالی خان کی بیٹی اولون یا اولین کی شادی کی تقریب تھی۔ اولون کی شادی اسی قبیلے کے ایک جوان سے ہو رہی تھی۔

مکریت چونکہ ایک طاقتور قبیلہ تھا اس لیے اس کی دوستی لیسوکائی سے ہونے کے علاوہ پاس پڑوس

کے لور ڑے بڑے سرداروں سے بھی تھی اس لیے یسوکائی کے علاوہ بعض دوسرے سردار بھی اس تقریب میں مدعو تھے۔

یسوکائی بہادر بھی اس تقریب میں بڑی شان سے شریک ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک ہزار تیز رفتار گھڑسواروں کا دستہ لایا تھا۔

ایک بڑا سردار ہونے کی وجہ سے یسوکائی کو شادی کے بڑے خیمے میں نمایاں جگہ دی گئی تھی۔ مغلوں میں علم اور تہذیب و تمدن سے دور ہونے کے باوجود یہ لوگ شادی بیاہ کے طریقوں میں بڑے ترقی پسند تھے۔ لڑکا جس لڑکی کو پسند کرتا وہ بے دھڑک اس کا نام لے لیتا اور اگر لڑکی کا باپ لڑکے کو پسند کر لیتا تو وہ ہونے والے داماد کو شادی سے پہلے کچھ دنوں کے لیے دلہن کے گھر چھوڑ دیتا تاکہ وہ اپنی ہونے والی دلہن اور سسرال والوں سے اچھی طرح واقف ہو لے۔

اسلام میں بھی اگرچہ یہ شرعی حکم ہے کہ شادی کے لیے لڑکی اور لڑکے کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے لیکن انہیں شادی سے قبل ایک دوسرے سے ملنا اور گھومنے پھرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ لیکن صحرائے گوبی اور ٹنڈرا کے ان وحشی قبائل میں اس طرح کی کوئی پابندی نہ تھی اور شاید اسی ترقی پسندی نے اس واقعہ کو جنم دیا جو میں بیان کرنے جا رہی ہوں۔

حسبِ دستور دلہن کو بڑے خیمے میں لا کر دلہا کے ساتھ بٹھایا گیا۔ یسوکائی جو اس وقت بالکل جوان تھا اسے دلہا کے بالکل ساتھ جگہ دی گئی۔

دلہن کے آنے کے بعد لوگ ابھی اپنی جگہ سنبھل کے بیٹھ بھی نہ پائے تھے اور شامان[1] نے شادی کی رسومات شروع بھی نہ کی تھیں کہ جواں عمر یسوکائی نے کھڑے ہو کر اپنی تلوار ہوا میں بلند کی۔ اس کے ساتھ ہی یسوکائی کے ایک ہزار مسلح فوجی تلواریں سونتے ہوئے ایک دم شاہی خیمے میں داخل ہو گئے۔

مکریت سردار کے علاوہ خیمے میں اور بڑے بڑے سردار بھی موجود تھے لیکن کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

سب اسی الجھن میں گرفتار تھے کہ یسوکائی نے اس محفل کی دلہن اولون کا جھک کے ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا خیمے کے باہر لے گیا۔ اس کا گھوڑا تیار تھا۔ یسوکائی نے اولون کو گھوڑے پر آگے کی طرف بٹھایا۔ پھر جست کر کے خود گھوڑے پر بیٹھا۔

۱۔ مذہبی پیشوا

مشہور ہے کہ دلہن نے محفل سے اٹھائے جانے یا گھوڑے پر بٹھائے جانے پر ذرا بھی مزاحمت نہ کی اور وہ چپ چاپ یسوکائی کے اشاروں پر حرکت کرتی رہی۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ یسوکائی نے اپنے باپ بورجی گون کے ساتھ کچھ عرصہ قبل مکریت قبیلے کا دورہ کیا تھا۔ اس وقت اس نے اولون کو دیکھا تھا اور شاید اولون بھی اس کی وجاہت سے متاثر ہو گئی تھی۔ ممکن ہے ان دونوں میں کچھ گفتگو بھی ہوئی ہو کیونکہ قبائل میں لڑکوں اور لڑکیوں کا میل جول بالکل معیوب خیال نہ کیا جاتا تھا۔

یسوکائی نے گھوڑے پر بیٹھ کے باگیں جو اٹھائی ہیں تو چھ گھنٹے مسلسل گھوڑا بھگانے کے بعد صرف چند ثانیوں کے لیے دم لیا اور پھر اسی تیزی سے اپنے خیمہ شہر کی طرف گھوڑا بھگانے لگا۔ اس کے ایک ہزار سوار اس کے پیچھے گھوڑے اڑاتے آ رہے تھے۔

قبیلہ مکریت کا خان اس غیر معمولی واقعے سے ششدر رہ گیا۔ اس نے چاہا کہ اپنے سواروں کو ساتھ لے کر یسوکائی کا تعاقب کرے مگر دوسرے قبائل کے سرداروں نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے اس کا جواز یہ پیش کیا کہ اولون کو لے جانے والا کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ قبیلہ یاکا کا سردار یسوکائی ہے جس کی خیمہ گاہ میں ۸۰ ہزار خیمہ گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں۔

اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرے روایتی دادا یسوکائی کا اپنے دور میں اس قدر رعب اور دبدبہ تھا کہ برف زاروں اور سائبیریا کے جنگلات کے تمام سردار جو اس تقریب[1] میں مدعو تھے، وہ سب مل کر بھی یسوکائی کا پیچھا کرنے سے گریز کر رہے تھے بلکہ انہوں نے مکریت کے سردار کو بھی یسوکائی کے تعاقب سے روک دیا تھا۔

روایت ہے کہ شہزادی[2] اولون بہت خوبصورت تھی۔ جب وہ یسوکائی کی خیمہ گاہ میں پہنچی تو اسے تمام خواتین نے بے حد پسند کیا۔

ان خواتین میں اولون کی سوکنیں بھی تھیں جن سے یسوکائی نے پہلے شادیاں کر رکھی تھیں مگر جب ان سوکنوں کو معلوم ہوا کہ سردار یسوکائی شہزادی اولون کو تلوار کے زور پر شمالی علاقہ سے اٹھا کے لایا ہے تو انہوں نے اولون کی مخالفت کے بجائے اس کی دلداری شروع کر دی۔

۱۔ ایسی تقریب کو یوریت کہتے تھے۔
۲۔ سرداروں کی بیٹیاں اور بیٹے شہزادیاں اور شہزادے کہلاتے تھے۔

روایت ہے کہ شہزادی اولون جس قدر خوبصورت تھی اسی قدر عقلمند بھی تھی۔ اس نے دکھاوے کے طور پر ہلکا سا واویلا کیا مگر یسوکائی مسکراتا ہوا اس کے سامنے آیا تو اس نے بھی مسکرا کے اس کا استقبال کیا۔ پھر قبیلہ کے تمام معززین جمع ہوئے اور شامان نے دونوں کی شادی کر دی۔

شادی کے بعد دونوں میں اس قدر محبت ہوئی کہ تمام دوسری بیویاں اولون کے ماتحت ہو گئیں۔

اور پھر آپ جانتے ہیں کہ کیا ہوا؟

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔ میں مغل بادشاہ بابر کی بیٹی اور شہنشاہ ہمایوں کی بہن ہوں۔ آئیے میں آپ کو بتاتی ہوں کہ پھر کیا ہوا؟

O

O

ہوا یہ کہ مغل سردار یسوکائی کی نئی بیوی اولون نے جسے وہ قبیلہ مکریت کی بھری محفل سے اس وقت اٹھا لایا تھا جب وہ اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ شادی کی تیاری کر رہی تھی، ایک ایسے بچے کو جنم دیا کہ جس کا نام رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات میں اور انسانی زبانوں پر برقرار رہے گا۔

اس بچے کا نام تھا تموجن، چنگیز خان!

بلاشبہ میرا یہ جد امجد اپنی سفاکی اور بربریت کی وجہ سے قابل نفرت و ملامت سمجھا جاتا ہے لیکن انسانی سروں کے مینار بنانے والے اور بے کس و مجبور بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو اپنی خون آشام تلوار کا نشانہ بنانے والے میرے جد امجد چنگیز خان میں کچھ خوبیاں بھی تھیں جن کا ذکر میں کسی اور موقعہ پر کروں گی۔ اس وقت میں اس مشہور فاتح کی پیدائش کے بارے میں ان روایتوں کا ذکر کروں گی جو اس کے مستقبل پر اثر انداز ہوئیں۔

ان روایتوں میں بڑا اختلاف ہے۔

میں ابھی بیان کر چکی ہوں کہ اس دور میں اصل طاقت سونے چاندی یا جواہرات کے ڈھیروں میں نہیں تھی بلکہ طاقتور وہ سمجھا جاتا تھا جس کی خیمہ گاہ میں خیموں کی تعداد سب سے زیادہ ہو۔

میں یہ بھی کہہ چکی ہوں کہ جس وقت چنگیز کے باپ یسوکائی نے قبیلہ مکریت کی شادی کی محفل سے اولون کو زبردستی اٹھایا تھا اس وقت یسوکائی کی خیمہ گاہ ۴۰ ہزار خیموں پر مشتمل تھی۔ اس سے اس کی طاقت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

لیکن میرے کانوں تک ایک اور روایت پہنچی ہے جس میں کچھ اس طرح کہا گیا ہے:

"اس سال یعنی چنگیز کی پیدائش کے سال منگل ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے یہ لوگ جھیل بیکال کے شمال مشرق میں دریائے اونان اور کیرولان کے درمیان کی چراگاہوں میں مقامی سرداروں میں سے کسی نہ کسی سردار کی سرکردگی میں رہتے تھے۔

کن حکومت (چینی شہنشاہیت) کے سرحدی جنرل مغلوں کو اس طرح منتشر رکھتے تھے اور ایک قبیلہ یعنی تاتار قبیلہ کو جو جھیل بویار کی چراگاہوں میں رہتا تھا، اس کام کے لیے تنخواہ دیتے تھے کہ وہ ان مغل شہزادوں پر مسلسل حملے کرتے رہیں تاکہ وہ سلطنت کن کا رخ نہ کر سکیں۔

تاتاریوں کے ان لگاتار حملوں نے مغل شہزادوں کو اس حال میں پہنچا دیا تھا کہ وہ غلہ، کپڑے یا لوہے کے ہتھیاروں کی فراہمی کے لیے بھی چینی سوداگروں کے دست نگر رہتے تھے۔

اسی قسم کے ایک پست قبیلہ میں اس سال مغلوں میں خرگوش کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے، ایک لڑکا پیدا ہوا جس کی مٹھی میں جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا تھا۔

دنیا میں یہ بچہ آیا تو زندہ بچنے کی طاقت اور جبلت کے سوا اپنے ساتھ اور کچھ نہ لایا۔"

یہ روایت بھی ہے کہ:

"چنگیز کا قبیلہ، جو کیات، برادری سے خارج کر دیا گیا تھا۔"

جب چنگیز اتنا بڑا ہو گیا کہ خود شکار کھیل سکے تو اس کی ماں نے اسے سمجھایا:

"پرچھائیوں کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چیز ایسی نہیں جو ہمارا ساتھ دے سکے۔ کوئی ہمارا دوست نہیں۔ گھوڑے کی دم کے سوا ہمارے پاس کوڑا تک نہیں۔"

اس سے چنگیز خاں کے قبیلے کی غربت کا اظہار ہوتا ہے لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اسی روایت میں آگے کہا گیا ہے کہ:

"جس وقت یہ بچہ پیدا ہوا تو اس کے باپ نے اس کا نام توجین رکھا۔ اس نے بچے کو الٹ پلٹ کے دیکھا۔ پھر اسے جو چیز سب سے پہلے نظر آئی اس پر لڑکے کا نام رکھ دیا۔ یہ چیز لوہے کا ٹکڑا تھا یا پھر لوہار جو لوہے کی کوئی چیز بنا رہا تھا۔ پھر کئی سال بعد خانہ بدوشوں نے اسے چنگیز کہنا شروع کیا۔"

چنگیز خاں کی پیدائش کے سلسلے میں جو دوسری روایت میں نے سنی وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس روایت میں کہا گیا ہے کہ:

"جس وقت یہ بچہ پیدا ہوا، اس کا باپ یسوکائی ایک دشمن پر حملہ کرنے گیا ہوا تھا۔ اس دشمن کا نام تموچن تھا۔ یسوکائی نے تموچن کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ پھر اس نے واپس آ کر اپنے بیٹے کا نام اپنے دشمن کے نام پر تموچن رکھا (جبکہ پہلی روایت میں اس کا نام توجین کہا جاتا ہے۔ اسی طرح چنگیز کے قبیلے کا نام "یاکا" تھا، نہ کہ "کیات"۔

اس کے علاوہ چنگیز کو جو چیز ورثے میں ملی وہ اس کی قوتِ برداشت تھی اور اسی قوتِ برداشت نے اسے دنیا کا اتنا بڑا فاتح بنا دیا تھا۔"

چنگیز خاں کا گھر سمور کا خیمہ تھا جس کا ڈھانچہ بانسوں کا بنا ہوا تھا۔ اس میں اوپر کی طرف دھواں نکلنے کے لیے ذرا سا حصہ کھلا ہوا تھا۔ سمور کے اوپر چونے کی سفیدی پھری ہوئی تھی۔ آرائش کے لیے اندر کی طرف مختلف تصویریں بنی تھیں۔

یہ ایک عجیب قسم کا خیمہ یا گھر تھا۔ اس گھر کو "یورت" کا نام دیا گیا تھا۔ اس کا گنبد نما اوپری حصہ ہوا کے تھپیڑوں سے بچاتا تھا۔ یہ خیمہ گاڑی پر رکھا جاتا تھا جسے ایک درجن سے زیادہ بیل کھینچتے اور میدانوں میں ایک سے دوسری جگہ لیے پھرتے تھے۔ پھر جہاں قیام ہوتا وہاں یہ گھر گاڑی سے ضرورت کے وقت اتارا بھی جا سکتا تھا۔

یسوکائی اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ چونکہ اس کے تحت اور بھی بہت سے قبیلے تھے اس لیے ہر سردار کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ ایسے ہی آراستہ یورت یعنی خیمے میں رہتی تھی۔ لڑکیوں کا یہ کام تھا کہ وہ خیمے کے

درمیان اوپر کھلے ہوئے حصے کے نیچے ہر دم آگ جلائے رکھیں اور خیمہ کا تمام کام کریں۔

اس ایک خیمے میں خیمے کے مالک کی تمام دولت ہوتی تھی۔ لوٹ مار میں آئے ہوئے قالین، عرب سوداگروں سے خریدے ہوئے چاندی کے زیورات، خیمے کی دیواروں پر لٹکے ہوئے تیر کمان، نیمچے اور ڈھالیں۔

تموچن یعنی کمسن چنگیز خاں کو بچپن ہی سے بہت سے کام کرنے پڑے تھے۔ جب مغل قبیلے جاڑوں کے دنوں میں اپنا مسکن بدلتے اور ان کا گاڑیوں پر لدا ہوا شہر گرمیوں کی چراگاہوں کا رخ کرتا تو تموچن کو دوسرے بچوں کے ساتھ راستے میں آنے والے دریاؤں سے مچھلیاں پکڑنا پڑتیں۔

گھوڑوں کی دیکھ بھال بھی مغل بچوں ہی کے سپرد ہوتی تھی۔ اگر کوئی گھوڑا گم ہو جاتا تو اس کی تلاش میں انہیں دور دور تک بھاگ دوڑ کرنا پڑتی تھی۔

نئی چراگاہوں کی تلاش بھی انہی بچوں کے ذمے ہوتی۔

ہجرت کرنے والے یہ قبیلے ہجرت کے دوران بہت چوکنا رہتے۔ چنانچہ بچوں کا یہ فرض تھا کہ وہ دن اور رات کے وقت شمال کی طرف نظریں جمائے رکھیں تاکہ ان پر کوئی دشمن قبیلہ حملہ نہ کر دے۔ یہ حملے اکثر اوقات ہجرت کے دوران ہی ہوتے تھے۔ انہیں کئی کئی راتیں گھوڑوں کی زین پر ہی گزارنا پڑتیں۔ اس دوران انہیں کھانا بھی نہ ملتا اور کئی کئی دن فاقوں میں گزر جاتے۔

جس دن گھوڑے اور بکری کا گوشت افراط سے ملتا تو بچے اور جوان سب ہی فاقوں کے دنوں کی کسر نکالتے اور اس قدر کھاتے کہ حیرت ہوتی تھی۔

بچے کھیل کے طور پر کشتیاں لڑتے جس میں اکثر ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ یا پھر وہ بیس بیس میل کی گھڑ دوڑ میں حصہ لیتے تاکہ ان پر تھکن غلبہ نہ پا سکے اور وہ مسلسل گھوڑے کی پیٹھ پر سواری کے عادی ہو سکیں۔

چنگیز خاں کا جسم بڑا مضبوط تھا اور وہ نئی نئی ترکیبیں سوچنے کا ماہر تھا۔ وہ جلد ہی کشتی لڑنے والوں کا سردار بن گیا حالانکہ وہ زیادہ تنومند نہ تھا۔

تموچن بڑا اچھا تیر انداز تھا لیکن وہ کمان اپنے بھائی قسار کے برابر نہ کھینچ سکتا تھا۔ قسار کو کمان دار کہا جاتا تھا لیکن وہ تموچن سے بہت ڈرتا تھا۔

تموچن اور قسار نے اپنے سوتیلے بھائیوں کے خلاف محاذ بنا لیا تھا۔ اس محاذ آرائی کا پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا جب تموچن نے اپنے ایک سوتیلے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کے سوتیلے بھائی نے اس کی ایک مچھلی چرا لی تھی چنانچہ تموچن اور قسار نے چور بھائی کو ایک خیمے میں گھیر لیا۔ پھر ایک سامنے سے اور دوسرا پشت سے اس پر

حملہ کرنے کے لیے تیار ہوا۔

سوتیلے بھائی نے جب دیکھا کہ اسے گھیر لیا گیا ہے تو وہ ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد تموچن نے اسے تیر مار کر ختم کر دیا۔ رحم سے وہ نا آشنا مگر انتقام لینے کو فرض سمجھتے تھے۔

رات کو تموچن گوبر کی جلتی ہوئی آگ کے پاس بیٹھ کے گویّوں سے گیت سنتا۔ یہ گویّے جو ایک خیمے سے دوسرے خیمے تک گھومتے رہتے تھے، اپنے اکتارے پر سسکتی ہوئی آواز میں بزرگوں اور بہادروں کے گیت سناتے تھے۔

تموچن کو اپنی طاقت اور سرداری کا پورا احساس تھا اس لیے کہ وہ یسوکائی کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور ظاہر کرتا تھا کہ باپ کے بعد سرداری اسی کا حق ہے۔

گویّوں کے گیتوں سے تموچن کو معلوم ہوا کہ وہ بڑے اعلیٰ نسب قبیلہ کا فرد ہے اور بورجی گون والوں کی اولاد ہے جن کی آنکھیں بھوری ہوتی تھیں۔

انہی گیتوں سے اسے اپنے ایک جدِ امجد قبل خاں کے بارے میں معلوم ہوا جس نے ختا[1] کے شہنشاہ کی داڑھی نوچ لی تھی۔ قبل خاں کو اس حرکت با جرأت پر زہر دے کر مار دیا گیا تھا۔

اسی طرح تموچن کو یہ بھی معلوم ہوا کہ گوبی کے خانہ بدوشوں کا سردار طغرل خاں اس کے باپ یسوکائی کا بڑا گہرا دوست ہے۔ اتنا گہرا دوست کہ ایک محفل میں اس نے یسوکائی کا منہ بولا بھائی بننے کی قسم کھائی تھی۔ طغرل خاں کا قبیلہ قرایت تھا اور وہ گوبی کے خانہ بدوشوں کا سب سے طاقتور سردار تھا لیکن تموچن چنگیز خاں اس وقت اپنے قبیلے "یاکا" سے آگے کچھ نہ سوچ سکتا تھا۔

یاکا قبیلے کے ہر فرد کو یقین ہو گیا تھا کہ تموچن چنگیز خاں ہی یسوکائی کے بعد ان کا سردار بنے گا۔ چنانچہ یسوکائی کی عدم موجودگی میں قبیلے کے دانشور تموچن کو گھیر لیتے اور اسے عقل کی باتیں بتاتے۔

ایک دن ایک دانشور نے تموچن کو سمجھایا:

"ہم لوگ چین کی سلطنت کے سویں حصے سے بھی کم ہیں لیکن یہ ہماری جرأت ہے کہ ہم آئے دن چین پر

1۔ ان دنوں چین کو ختا کہا جاتا تھا

حملے کرتے رہتے ہیں اور ان کا مال لوٹتے رہتے ہیں۔

اس کی وجہ صرف ہماری بہادری نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارا سامانِ رسد ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر چینی کا لشکر ہمارے مقابلے پر آجائے تو ہم صحرا کی پہنائیوں میں گم ہو جاتے ہیں اور چینی لشکر ہمارے تعاقب سے قاصر رہتا ہے۔ پھر ہم جنگ بھی اپنی طرز سے لڑتے ہیں۔

اگر ہم بھی چینیوں کی طرح گھر بنانے لگیں، شہر آباد کریں اور اپنی عادتیں بدل ڈالیں تو ہم پھل پھول نہیں سکیں گے۔

پھر یہ بھی ہے کہ مندروں اور عبادت گاہوں میں انسان نرم دل ہو جاتا ہے جبکہ لوگوں پر حکومت کرنے والے کو جنگجو اور خوفناک ہونا چاہیے۔"

غالباً تموجن چنگیز خان نے اس دانشور کی یہ بات گرہ میں باندھ لی تھی کیونکہ اس نے اپنی آئندہ پوری زندگی اسی اصول کے تحت گزاری تھی۔

تموجن چنگیز خان اب تک قبیلے کے دوسرے بچوں کے ساتھ جانوروں کی گلہ بانی کرتا تھا۔ باپ کے سامنے اسے گھوڑے پر بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔

پھر جب اس کا گلہ بانی کا دور گزر گیا اور اسے یسوکائی کے ساتھ گھوڑ سواری کرنے کی اجازت ملی تو اس کے باپ نے محسوس کیا کہ اس کا پہلوٹی کا بیٹا (سب سے بڑا بیٹا) واقعی ایک وجیہہ جوان کی صورت میں ڈھل رہا ہے۔

تموجن کے ہاتھ پاؤں سڈول اور جسم متناسب تھا۔ قدرت نے اسے بڑی طاقت دی تھی۔ اگرچہ اس کے نقش و نگار کچھ خاص نہ تھے لیکن اسے خوبرو کہا جا سکتا تھا۔

چنگیز خان کا جو حلیہ مجھے بتایا گیا تھا وہ کچھ اس طرح ہے:

"دراز قامت۔ شانے ہموار۔ جلد گندم گوں سفیدی مائل۔ ڈھلی ہوئی پیشانی کے نیچے اس کی آنکھیں ایک دوسرے سے دور تھیں مگر ترچھی نہ تھیں۔ آنکھوں کے تِل سبز یا نیلے بھورے تھے جن کا حاشیہ سیاہ تھا۔

اس کے لمبے سرخی مائل بھورے بال چوٹیوں میں گندھے اس کی پیٹھ پر پڑے رہتے تھے۔ بالوں کی چمک نمایاں ہوتی تھی۔"

چنگیز کم گو تھا اور جو بات کہتا، پہلے اس پر غور کر لیتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسے اپنے غصے پر قابو نہ تھا اور اسے مغلوب الغضب کہا جاتا تھا مگر اسے دوست بنانے میں ملکہ حاصل تھا۔

تموجن چنگیز خان کے بہادر باپ یسوکائی نے تندرا کے کمریت خان کی بیٹی اولون سے عشق کیا تھا جس کے نتیجے میں وہ بھری محفل سے اپنی محبوبہ کو زبردستی گھوڑے پر بٹھا کر لے آیا تھا۔

یہی اولون خاتون، چنگیز خان کی ماں تھی اور قبیلہ میں سب سے محترم اور قبیلہ سردار کی محبوب ترین بیوی ہونے کا اعزاز رکھتی تھی۔

اسی طرح چنگیز خان نے بھی عشق کیا تھا!

یہ کہنا غلط ہے کہ چنگیز خان عشق و محبت کے جذبات سے عاری تھا اور سوائے سفاکی اور بربریت کے اسے اور کسی بات سے سروکار نہ تھا۔ میرے کانوں تک چنگیز خان کے عشق کی داستان بھی پہنچی۔ اگرچہ اس کا انداز "کچھ اور" ہے لیکن عشق تو بہرصورت عشق ہے اور وہ کسی انداز سے بھی ہو سکتا ہے!

روایت ہے کہ یہ دونوں باپ بیٹا یعنی یسوکائی بہادر اور تموجن چنگیز خان ایک دفعہ ایک اجنبی جنگجو سردار کے خیمے میں مہمان تھے۔ خیمے ان لوگوں کے گھر ہوا کرتے تھے جہاں چھوٹے بڑے اور مرد و زن حسبِ مراتب اپنی جگہ پر بیٹھتے تھے۔

یسوکائی اور میزبان سردار میں گفتگو ہو رہی تھی۔ اس دوران تموجن کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو کسی کام سے تموجن کے پاس سے کئی بار گزری تھی۔

تموجن کو اس لڑکی میں جاذبیت محسوس ہوئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسے اپنا دل اس لڑکی کی طرف کھنچتا ہوا محسوس ہوا۔

اس احساس کو بڑی آسانی سے "عشق بیک نظر" کا نام دیا جا سکتا ہے اور لطف یہ تھا کہ اس عشق میں کڑھنے، جلنے یا ہجر کی کلفتیں برداشت کرنے کے بجائے تموجن نے فوراً اپنے عشق کا اظہار برملا کر دیا اور اس بے تکلف جرأت کے قربان جائیے کہ اس نے اپنے باپ سے بیساختہ کہا:

"بابا جان! کیا میں اسے اپنی بیوی بنا سکتا ہوں؟"

یہ استفہامیہ اظہارِ عشق بڑا پُرلطف تھا مگر اس کے باپ یسوکائی کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس نے لڑکی سے نظریں ہٹا کر تموجن کو گھورا اور تند لہجے میں جواب دیا:

"وہ ابھی چھوٹی ہے۔"

یسوکائی کے لہجے میں ناگواری کے بجائے اعتراض تھا۔

تموچن نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا:

"جب وہ بڑی ہو جائے گی تو بہت اچھی نکلے گی۔"

اس کی طرف سے یہ پسندیدگی کا بھرپور اظہار تھا۔

یسوکائی نے لڑکی کو جانچنے کے انداز میں دیکھا۔ لڑکی نو سال سے زیادہ عمر کی نہ تھی لیکن وہ تھی بہت خوب صورت!

"اس کا نام؟" یسوکائی نے لڑکی کے باپ کو مخاطب کیا۔

"اس کا نام بورتائی ہے"۔ باپ نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"اچھی لڑکی کا اچھا نام ہے"۔ یسوکائی نے تعریف کی۔

"یہ نام میں نے اپنے جدِ امجد کے نام پر رکھا ہے"۔

بورتائی کے باپ نے وضاحت کی:

"ان کی آنکھیں بھوری بھوری تھیں"۔

"اس کی آنکھیں بھی تو بھوری ہیں"، تموچن نے ایکدم لقمہ دیا۔

بورتائی کا باپ اور خوش ہوا:

"ابھی چھوٹی ہے یہ"۔ اس نے مسکینی سے کہا۔

اسے اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ باپ بیٹے دونوں نے بورتائی کو پسند کیا تھا۔ یسوکائی اس وقت بڑا اور مشہور خان تھا۔

کچھ دیر تک سب خاموش رہے۔ بورتائی کا باپ گھبرایا کہ کہیں بات ختم نہ ہو جائے۔ اس نے خود ہی بات آگے بڑھائی:

"بورتائی ابھی چھوٹی ہے۔ پھر بھی تم چاہو تو اسے دیکھ بھال لو"۔

یسوکائی نے بیٹے کی طرف دیکھا۔

اسی وقت بورتائی کے باپ نے تموچن کا قصیدہ پڑھا:

"تیرے بیٹے کا چہرہ صاف ہے اور آنکھیں چمکدار ہیں"۔

یہ پسندیدگی کی انتہا تھی۔

دوسرے دن رشتہ طے ہو گیا۔ یسوکائی واپس جانے کے لیے تیار ہوا۔ اس نے بورتائی کے باپ کو

مخاطب کر کے کہا:

"میں جا رہا ہوں۔ تموچن یہیں رہے گا، جب تک اس کا جی چاہے"۔

"ٹھیک ہے"۔ اس نے بے تکلف انداز میں جواب دیا۔

مغل خان یسوکائی واپس چلا گیا۔ اس نے تموچن چنگیز خان کو وہیں چھوڑ دیا۔ ان کا دستور تھا کہ شادی طے ہونے کے بعد ہونے والا شوہر لڑکی کے خیمے میں قیام کرے تاکہ وہ خسر اور اپنی ہونے والی دلہن کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔

آج کی تہذیب میں یہ بات معیوب معلوم ہوتی ہے لیکن اَن پڑھ اور وحشی مغل شاید اس معاملہ میں فراخدل اور کافی ترقی پسند تھے۔

خانہ بدوش مغل قبائل میں پردے جیسی کسی شے کا تصور بھی نہ تھا۔ وہ خیمے اس لیے بناتے تھے کہ سردی اور ہوا کے تھپیڑوں سے محفوظ رہیں۔ ان کا خیمہ ہی ان کی کل کائنات ہوتا تھا۔ گھر کے تمام بچے، عورتیں، مرد سب کے سب ایک ساتھ رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مہمان آ جاتا تو اس کا قیام بھی اسی خیمے میں ہوتا اور خیمے کے واحد الاؤ کے گرد وہ دوسروں کے ساتھ بیٹھتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ تموچن اور بورتائی خیمے میں اس طرح رہتے تھے جیسے تموچن بھی اسی قبیلہ، خیمہ[1] اور اسی گھر کا کوئی فرد ہو۔

تموچن کی موجودگی کی وجہ سے بورتائی کو اپنے معمول کے کاموں سے چھٹی مل گئی تھی۔ وہ تمام دن اور رات کا بیشتر حصہ تموچن کے ساتھ ہی گزارتی تھی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں بورتائی اور تموچن کے مزاجوں میں ایسی ہم آہنگی پیدا ہو گئی جیسے وہ ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہوں۔

پھر ایک دن تموچن نے بورتائی سے کہا:

"تمہارا کیا خیال ہے بورتائی! میں تمہیں اپنے یورت[2] میں لے چلوں؟"

بورتائی کمسن تھی۔ الھڑ تھی۔ شرما کے بولی:

"نہیں تموچن! اگر تم اجازت دو تو میں کچھ دن اور اپنے بھائی بہنوں میں رہ لوں۔ ہاں اگر یہ تمہارا حکم ہے تو میں تیار ہوں"۔

۱۔ خیمہ

تموچن نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

مغل قوم میں یہ خاصیت تھی کہ وہ قہقہے بہت لگاتے تھے۔ وہ بات بات پر ہنستے اور ان کا ہنسنا ہی قہقہے لگانا ہوتا تھا۔ تموچن نے بھی ایک روایتی قہقہہ لگایا تھا۔ پھر وہ پہلے ہی کی طرح بورتائی کے خیمے میں رہنے لگا۔

اس بات کو دو چار ہی دن گزرے تھے کہ ایک تیز رفتار سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا بورتائی کے خیمے پر پہنچا۔ وہ گھوڑے سے اترا اور بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا۔

اس وقت تموچن خیمے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ جن میں اس کی منگیتر بورتائی بھی تھی، بیٹھا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔

بدحواس سوار کو خیمے کے اندر آتا دیکھ کر تموچن چنگیز خاں کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ وہ فوراً اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ حالانکہ اس وقت تک تموچن کا یہ محض ایک خیال تھا۔

مگر آنے والے سوار نے اس کی تصدیق کر دی۔

"شہزادے تموچن"۔ سوار نے اسے گھبرائی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔

"میں سن رہا ہوں سوار"۔

تموچن نے بڑے تحمل سے کہا:

"بیان کرو۔ کس مصیبت کی خبر لائے ہو؟"

تموچن کے لہجے میں اس قدر اعتماد تھا جیسے اسے نہ صرف مصیبت کا پہلے سے علم ہو گیا ہو بلکہ اس نے خود کو اس مصیبت کے برداشت کرنے کے لیے تیار بھی کر لیا ہو۔

"جلدی چلیے شہزادے"۔

سوار کی آواز کانپ رہی تھی:

"آپ کے بابا خان گھرڑی دو گھرڑی کے مہمان ہیں"۔

تیرہ سالہ تموچن چنگیز خاں بے انتہا قوت برداشت کا مالک تھا۔ وہ سوار کے اچانک آنے سے کھٹکا ضرور تھا لیکن اس نے جس تحمل سے سوار سے سوال کیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بڑی سے بڑی اور کڑی سے کڑی خبر برداشت کر جائے گا۔

لیکن جب سوار نے لرزتے لہجے میں کہا:

"بابا خان گھڑی دو گھڑی کے مہمان ہیں"۔

تو تموچن کے پیروں تلے سے جیسے زمین سرک گئی۔ اسے اپنی رگوں میں خون منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر وہ بالکل بے حس ہو گیا اور اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔

تموچن کو خاموش دیکھ کر بورتائی کے باپ نے سوار سے پوچھا:

"خان بابا کو کیا ہوا۔ انہیں کس قسم کی بیماری تھی؟"

"خان بابا کو کوئی بیماری نہ تھی"۔

سوار نے گلا صاف کر کے آواز سنبھالتے ہوئے کہا:

"انہیں ایک قبیلہ سردار نے اپنے خیمہ میں دعوت پر بلایا تھا۔ سب نے انہیں منع کیا کہ وہ دشمن قبیلہ ہے وہاں جانا مناسب نہیں مگر انہوں نے کسی کی بات نہ مانی اور چلے گئے۔

شاید وہاں رات کھانے میں انہیں زہر دیدیا گیا۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ شامان کہتا ہے کہ جاودانی نیلا آسمان ہی رحم کرے تو وہ شاید زندہ بچ سکیں"۔

اس وقت تموچن کے بدن میں جیسے جان آگئی۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ آخر اس کی نگاہ نوسالہ بورتائی پر آ کر جم گئی۔

بورتائی اشکبار آنکھوں سے تموچن کو دیکھ رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے تموچن بجلی کی سی تیزی سے خیمے سے نکلا۔ گھوڑے کے پاس پہنچا اور جست لگا کر اس پر سوار ہو گیا۔

قاصد سوار ابھی خیمے سے نکل ہی رہا تھا کہ تموچن کے گھوڑے نے حرکت کی اور وہ ہوا کے دوش پر اڑنے لگا۔ بورتائی اور اس کے خیمے کے تمام لوگ تموچن کے تیز رفتار گھوڑے کو دیکھ رہے تھے جو لمحہ بہ لمحہ ان کی نظروں سے

اوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

تموچن نے اس سے پہلے اس قدر تیز گھوڑا کبھی نہیں بھگایا تھا۔ پھر بھی جب وہ اپنے خیموں والے گاؤں میں پہنچا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔

"تمہارے بابا خان ہمیں دشمنوں میں چھوڑ کر چلے گئے"۔ اس کی ماں اولون نے اسے خبر دی اور اسے سینے سے لگا لیا۔

تموچن چنگیز خاں اب بھی خاموش تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ وہ دیر تک ماں کے سینے سے لگا رہا۔ پھر اچانک وہ چونک پڑا۔

ماں کے سینے سے ہٹ کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں:

"ماں! یہ لوگ کہاں چلے گئے۔ خیمے اتنے کم کیوں ہو گئے؟"

اولون کی آنکھوں سے دو موتی لڑھک کر اس کے رخسار پر آ کے اٹک گئے۔

"تموچن بیٹے!"

اولون نے ایک سسکی کے ساتھ کہا:

"تمہارے بہادر باپ کے ساتھ ان بزدلوں کے خیمے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے"۔

"تم نے انہیں روکا نہیں ماں"۔ تموچن کے لہجے میں بڑی کسک تھی۔

"روکا تھا بیٹے۔ بہت روکا تھا میں دور تک ان کی گاڑیوں کے پیچھے بھاگتی رہی"۔

اولون نے بڑے کرب سے جواب دیا:

"مگر بہت کم لوگوں نے میری بات پر توجہ دی"۔

"مگر انہوں نے ایسا کیوں کیا ماں!"

تموچن کی ذہانت اس کا ساتھ نہ دے رہی تھی:

"بابا خان تو سب کا خیال رکھتے تھے۔ وہ ہماری پناہ میں تھے"۔

"تمہاری سوچ غلط ہے تموچن"۔

اولون نے مدبرانہ انداز اختیار کیا:

"ہمیں چھوڑ کے جانے والے تمہارے بابا خان کی پناہ میں نہ تھے بلکہ تمہارے بابا خان کی عظیم طاقت کی چھتری ان کمزور دلے دغابازوں اور احسان فراموشوں کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ لیسوکائی کی موت سے یہ چھتری ٹوٹ گئی ہے اور یہ غلیظ کیڑے رینگتے ہوئے کسی اور چھتری کی تلاش میں نکل گئے ہیں"۔

"مگر ماں۔ یہ بکھرنے والے لوگ تو اپنی شناخت بھی کھو دیں گے"۔

تموجن کا ذہن ماؤف ہوا جا رہا تھا:

"انہیں اس انتشار سے کیا حاصل ہو گا؟"

"انہیں کیا حاصل ہو گا؟ اس کا جواب سننا چاہتے ہو"

"کیوں نہیں ماں! مجھے حالات سے آگاہ کرنا تمہارا فرض ہے اور مجھے امید ہے کہ زندگی کی اس گھنگھور اندھیری رات میں تم میری رہنمائی کرو گی"۔

"ٹھیک ہے تموجن۔ تم مجھے ماں سمجھو گے تو میں تمہیں قدم قدم پر ٹوکوں گی۔ سمجھاؤں گی۔ سیدھی اور فیض مند راہ دکھاؤں گی"۔

اولون نے بڑے استقلال سے کہا:

''سنو۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ جب تمہارے بابا خان کے مرنے کی خبر پھیلی اور خیمے والوں نے دس دس، بیس بیس اور سو سو کے گروہوں میں بر خیمہ گاؤں چھوڑنا شروع کیا تو میں بھاگ بھاگ کر ان کے پاس گئی۔ کتنے تو ایسے بے حس تھے کہ انہوں نے جواب دینا تو الگ رہا، پلٹ کر میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ بعض نے پلٹ کر دیکھا ضرور مگر پھر منہ گھما کر اپنے چھکڑے آگے بڑھا دیے۔

بعض ایسے نکلے جنہیں شاید میری بے بسی پر رحم آ گیا مگر انہوں نے بڑے بے رحمانہ انداز میں مجھ پر ایک ایسی حقیقت کا اظہار کیا جس سے میں واقف نہ تھی۔ انہوں نے کہا:

اولون۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو کہ گہرا پانی بہ گیا۔ کڑیل پتھر ٹوٹ گئے۔

ایک عورت اور اس کے بچوں سے ہمیں کیا سروکار؟

یہ قبائلی زندگی کے رویوں کی ایک اٹل حقیقت تھی۔ یہ خانہ بدوش قبائل چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر نئی چراگاہوں کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے تھے۔ بڑے اور مضبوط قبائل ان پر حملہ کر کے ان سے جانور اور ان کا سامان چھین لیتے تھے۔ مردوں کو غلام بنا لیا جاتا اور خوبصورت عورتوں کو قبیلہ سردار کے خیمے میں پہنچا دیا جاتا۔

انہی مصائب سے بچنے کے لیے یہ چھوٹے گروہ کسی بڑے گروہ کی اطاعت قبول کر لیتے اور اس کی پناہ میں آ جاتے۔

اس طرح وہ کسی بڑے خان کے قبیلے کا ایک حصہ بن جاتے اور بڑے خان کے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہوتے تھے۔

ان کا یہ اتحاد صرف اس وقت تک برقرار رہتا جب تک بڑے خان میں انہیں پناہ دینے کی طاقت رہتی۔ وہ اگر مر جاتا، مارا جاتا یا کسی دوسرے قبیلے سے شکست کھا کر کمزور ہو جاتا تو یہ گروہ فوراً اس کا ساتھ چھوڑ جاتے

اور کہتے:

گہرا پانی بہ گیا۔

کڑیل پتھر ٹوٹ گیا۔

ہمیں کمزور سے کیا کام؟

اولون بڑی عقلمند اور بہادر عورت تھی۔ یسوکائی کے مرنے پر جب چھوٹے قبائل اسے چھوڑ کے جا رہے تھے تو وہ دوڑ دھوپ کر کے چند گروہوں کو واپس لانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور یہی چھوٹا سا گروہ تموجن چنگیز خان کے ساتھ اب موجود تھا۔

تموجن چنگیز خان کے واپس آنے پر اولون نے یاک (پہاڑی بیل) کی نو دُموں والا پرچم بلند کیا اور تموجن کو گھوڑے کی سفید کھال پر "یاکا" مغلوں کا خان بنا کر بٹھا دیا کہ یہی ان کے قبیلے کا نام تھا۔

تیرہ سالہ تموجن گھوڑے کی سفید کھال پر قبیلہ سردار یعنی خان بن کر بیٹھ تو گیا مگر اس کے ارد گرد قبیلہ کا صرف ایک بچا کھچا شکر طارہ گیا تھا اور اس کا ذہن و دماغ یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ "یاکا" قبیلے کے تمام پرانے دشمن یسوکائی کی موت سے فائدہ اٹھا کر اس کے بیٹے سے اپنے بدلے چکائیں گے۔

یہی وہ وقت تھا جب کمسن تموجن زندگی کے شدید مصائب سے دوچار ہوا۔

○

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔ میں بابر بادشاہ کی بیٹی اور مغل شہنشاہ اکبر کی پھوپھی ہوں۔

میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ بہادر یسوکائی اور اس کے جدِ امجد قبل خاں کے زمانہ میں یاکا قبیلے کے مغل شمالی گوبی میں سردار تسلیم کیے جاتے تھے اور جھیل بیکال سے لے کر مشرق میں منچوریا کی پہاڑی سرحد تک جتنی بھی اچھی چراگاہیں تھیں ان سب پر انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔

ان کی شان کا یہ عالم تھا کہ ان کے خیمہ گاؤں میں، ہم ہزار خیمہ گھر یا خیمہ گاڑیاں تھیں جو بہت بڑی طاقت کا مظہر تھیں۔

یہ چراگاہیں بڑی پسندیدہ اور جاذبِ نظر تھیں لیکن ارد گرد کے قبائل بھی ان کو للچائی نظروں سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ کلوران اور اونان ندیوں کی زرخیز وادیوں میں واقع تھیں۔

یہاں شکار افراط سے ملتا تھا اور پانی کی بھی کمی نہ تھی اس لیے کہ برف دیر سے پہاڑیاں برچ اور صنوبر

کے درختوں سے بھری پڑی تھیں۔

تمام چراگاہوں پر قبیلوں کی نظریں تھیں لیکن بہادر یسوکائی کے وہ نہ صرف ماتحت تھے بلکہ اس سے ڈرتے بھی تھے۔ تاہم اب صورت حال تبدیل ہو چکی تھی۔

یسوکائی کے مرتے ہی ماتحت قبائل نے یسوکائی کے یاکا قبیلے کی سرداری سے منہ پھیر لیا تھا۔ اب قبیلہ سردار تیرہ سالہ تموجن چنگیز خان تھا جس کے خیمہ گاؤں میں ۴۰ ہزار کے بجائے اب صرف ۰۰ ۱ خیمے رہ گئے تھے اور وہ تموجن سے پچھلی دشمنیوں کا بدلہ لینے اور ان کار آمد چراگاہوں کو چھیننے کی تیاری کر رہے تھے۔

ان چراگاہوں کی ملکیت خانہ بدوشوں کے لیے بھی اسی لیے زیادہ اہمیت رکھتی تھی کہ یہاں جاڑوں کی سردی کچھ زیادہ ناگوار نہ ہوتی تھی پھر ان کے مویشیوں کے لیے یہاں چارے کی بھی کوئی کمی نہ تھی جن کے بالوں سے نمدا تیار ہوتا تھا اور خیمے باندھنے کی رسیاں بٹی جاتی تھیں۔ ان کی ہڈیوں سے تیروں کی نوکیں بناتے اور چمڑے سے گھوڑوں کی زینیں، کوٹھیں کے تھیلے اور دوسرا سامان تیار ہوتا تھا۔

کمسن تموجن اور اس کی جہاں دیدہ ماں اولون حالات پر غور کرتے تو انہیں ہر طرف اندھیرا دکھائی دیتا۔ کوئی اپنا ہمدرد اور غم گسار نظر نہ آتا تھا۔ محکوم قبیلے باغی ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے جانوروں کا خراج دینا بند کر دیا تھا جو وہ یسوکائی کی زندگی میں ہر گھڑی دینے پر آمادہ رہتے تھے۔

یہ قبائل جو دور دور تک پہاڑیوں پر پھیلے ہوئے تھے انہیں تموجن کا کوئی ڈر نہ تھا ہاں البتہ ان بھیڑیوں کا خوف ضرور تھا جو جانوروں کے گلوں پر حملے کرتے تھے۔ ان سے بچاؤ کے لیے یسوکائی نے تیر اندازوں کے دستے مقرر کر رکھے تھے مگر وہ تیر انداز اب تموجن کے قبیلے کو چھوڑ کر دوسرے طاقتور خانوں کی پناہ میں چلے گئے تھے۔

تموجن بے چارہ کیا کر سکتا تھا؟ وہ ماتحت قبائل کے مویشیوں کو کیسے بچاتا۔ اسے تو اپنے بچاؤ کی فکریں گھیرے ہوئے تھیں۔

موسم بہار ان چراگاہوں کے لیے ایک نئی مصیبت لے کر آتا تھا۔ اس موسم میں شمال کی طرف سے چھوٹے موٹے کئی حملے ہوتے تھے جنہیں یسوکائی کے سوار پسپا کر دیتے تھے لیکن اس سال ایسا کوئی انتظام نہ تھا اور ان چھوٹے قبیلوں کو خود اپنی حفاظت کرنا تھی اور اسی لیے وہ تموجن کو نظر انداز کر کے دوسری پناہ دینے والی طاقتوں سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش میں تھے۔

ہوش مند اولون اگر تموجن کو حوصلہ نہ دیتی تو شاید تموجن منہ چھپا کر کسی طرف نکل جاتا لیکن اولون نے اسے فرار نہ ہونے دیا۔

تموجن نے ماں کی باتوں پر کان دھرا اور خیمہ سے بھاگنے کا خیال ترک کر دیا مگر یہ ضرور ہوا کہ تموجن کئی روز تک

اپنے خیمے میں بند ہو کے رہ گیا۔ اور اس طرح شاید کلفتوں کا بوجھ اس کے سر سے اتر گیا پھر وہ ایک نئے عزم کے ساتھ سر کو جھٹک کے کھڑا ہوا اور بہن بھائیوں کی فکر میں لگ گیا۔

تموجن کا ایک سوتیلا بھائی بھی تھا جس نے تموجن کے ساتھ شامل ہو کر اپنے سگے بھائی کو محض اس وجہ سے قتل کرا دیا تھا کہ اس نے تموجن کی ایک مچھلی چرا لی تھی۔

تموجن کا یہ سوتیلا بھائی، تموجن سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور تموجن کو بھی اس سے والہانہ محبت تھی۔ اس کے خیمے میں بہنوں اور سوتیلے بھائی کے علاوہ اس کی ماں اولون رہتی تھی جس نے تموجن کو حوصلہ دے کر کھڑا کر دیا تھا۔

اولون کا دل اندر سے ڈر رہا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ تموجن کے باپ کے دشمن جلد یا بدیر تموجن سے بدلہ ضرور لیں گے۔

اسے معلوم تھا کہ تموجن پر مصیبت آنا لازمی ہے کیونکہ شمالی گوبی کی سرداری کا ایک اور دعوے دار پیدا ہو گیا تھا۔

اس دعوے دار کا نام ترغاتائی تھا اور وہ بھی بھوری آنکھوں والے بورجی گون کی نسل سے تھا۔ ترغاتائی کا تعلق تائیجوت قبیلے سے تھا اور یہ "یوکا" قبیلہ کا نسلی دشمن تھا۔

ترغاتائی نے تموجن کا ساتھ چھوڑنے والے قبیلوں میں سے بیشتر قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اب وہ اس فکر میں تھا کہ یاکا کے کمسن چنگیز خان کو ہمیشہ کے لیے اپنے راستے سے ہٹا دے۔ بالکل اسی طرح جیسے بڑا بھیڑیا اپنے دشمن بھیڑیے کے بچے کو بھی اس خیال سے مار ڈالتا ہے کہ ایسا نہ ہو یہ بچہ بڑا ہو کر اس کا مقابلہ کرے، بس تموجن کے بارے میں ترغاتائی کے بھی ایسے ہی خیالات تھے۔

تموجن کی ماں اولون کا خوف حقیقت کا روپ دھار گیا اور ترغاتائی کے سوار گرد و غبار اڑاتے تموجن کے اردو انمو کے گاؤں میں داخل ہوئے۔

انہوں نے منتشر مویشیوں کو یکجا کیا اور انہیں ہنکا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ان دشمنوں کی قطعی مزاحمت نہ ہوئی پھر ترغاتائی خود سواروں کو لے کر اس خیمے کی طرف بڑھا جس پر یاک کی نو دموں والا پرچم لہرا رہا تھا۔

ترغاتائی یاکا کے سردار کے خیمے تک پہنچ گیا اسے بھی کسی نے نہ روکا کیونکہ عقلمند اولون نے تموجن اور

اور اس کے بھائی بتول کو ان حملہ آوروں کے حملے سے پہلے ہی بھگا دیا تھا۔

تموجن کے صرف سوتیلے بھائی قسار نے صورت دکھائی۔ وہ بڑی قوت سے کمان کھینچ سکتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو لگام دے کر ترغاتائی سواروں پر خوب تیر برسائے پھر خود بھی تیر برساتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

خیمے میں صرف اولون موجود تھی۔

ترغاتائی نے اسے کوئی تکلیف نہ دی۔ وہ چاہتا تو اسے قتل بھی کر سکتا تھا لیکن اسے تو صرف تموجن کی تلاش تھی جو آگے آگے بھاگ رہا تھا اور تائیجوت سوار اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

ان سواروں کو کوئی جلدی نہ تھی۔ اس لیے کہ راستہ صاف تھا اور وہ تین تین روز تک گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر تعاقب کرنے کے عادی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر تموجن کو گھوڑا بدلنے کو نہ ملا تو وہ آج نہیں تو کل ضرور پکڑا جائے گا۔

تعاقب کرنے والوں نے سوچا کہ تموجن گھاٹیوں کا راستہ اختیار کرے گا۔ ان گھاٹیوں میں بڑے بڑے تناور درخت تھے جن میں چھپا جا سکتا تھا یا پھر درخت کاٹ کر راستے میں ڈالے جا سکتے تھے تاکہ انہیں ہٹانے میں دیر لگے اور بھاگنے والے بہت دور نکل جائیں۔

ادھر تموجن بھائی بہنوں کو ساتھ لیے بے تحاشہ بھاگتا جا رہا تھا۔ جب شام ہوئی تو وہ لوگ الگ الگ ہو گئے تاکہ اگر کچھ پکڑے جائیں تو کچھ بچ جائیں۔

تموجن نے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو ایک غار میں چھپا دیا۔ قسار کسی اور طرف نکل گیا اور تموجن ایک پہاڑ پر گھوڑا دوڑاتا چڑھ گیا جہاں اس کے چھپنے کی جگہ مل جانے کی امید تھی۔

تعاقب کرنے والوں کو شبہ تھا کہ تموجن اسی پہاڑ پر کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ پہاڑ کو گھیر کر اور گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

اسی طرح دو دن گزر گئے۔ پھر تیسرا دن آیا۔

تموجن کا بھوک سے برا حال تھا۔ اس کا دل چاہا کہ گھوڑے پر بیٹھ کر گھیرا ڈالنے والوں کے درمیان سے نکل جائے۔

ابھی وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچا تھا کہ تائیجوت سواروں نے اسے دیکھ لیا اور انہوں نے قریب پہنچ کے تموجن کو پکڑ لیا۔ پھر تموجن کو کنگ میں جکڑ دیا گیا۔

۱۔ ایک طرح کی لکڑی، جس سے کلائیاں، شانوں کے ساتھ جکڑ دی جاتی تھیں۔

اب تائیجوت سوار تموجن کو ہتھکڑی لگائے، اور اس کے قبیلے کے جانوروں کو ہنکاتے ہوئے اپنے خیمہ گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔

تموجن کو بڑی سخت ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اور اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی مگر اب موقع ایسا آیا کہ اسے وہاں سے بھاگنے کا موقع مل گیا۔

ہوا یوں کہ ایک جگہ پڑاؤ کے دوران تائیجوت سواروں کو ایک دعوت میں جانا پڑا اور پڑاؤ پر صرف تموجن اور اس کا محافظ رہ گیا۔

تموجن نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ جب ذرا اندھیرا ہوا تو تموجن نے موقع پا کر کنگ کا کونہ محافظ پر دے مارا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

تموجن باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ چاند نکل رہا ہے اور چاندنی چھن چھن کے آرہی ہے۔ جس جگہ پڑاؤ تھا وہاں ایک جنگل تھا۔ تموجن جنگل میں گھس کے اس ندی کی طرف چلا جسے اس نے کچھ دن پہلے ایک سلسلے میں پار کیا تھا۔

اس وقت تک محافظ کو ہوش آگیا اور وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شور کرتا اور غل مچاتا ہوا ادھر ہی کو آرہا تھا۔ تموجن فوراً ندی میں اتر گیا اور خود کو پانی میں ڈبو دیا۔ صرف اس کا سر باہر تھا۔

تائیجوت سوار اسے ڈھونڈتے ہوئے گھوڑوں پر سوار کنارے کنارے آرہے تھے۔ ایک سوار کنارے کے اس قدر قریب تھا کہ تموجن کا دیکھ لیا جانا اور پکڑا جانا لازمی تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وہ سوار بالکل تموجن کے سر پر پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کے ٹھٹکا بھی، مگر پھر اس نے فوراً گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ نہ معلوم اس نے کس جذبے کے تحت تموجن کو گرفتار کرانے سے گریز کیا۔

اس طرح تموجن دوبارہ پکڑا تو نہ گیا لیکن اس کی حالت اور بے بسی میں کوئی فرق نہ پڑا۔ وہ اب تک کنگ کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔

چند لمحے وہ سوچتا رہا۔ پھر اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا جس کی توقع کسی انتہائی عقلمند اور باحوصلہ انسان ہی سے کی جا سکتی تھی۔

تموجن پانی سے نکلا اور ان سواروں کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا جو اسے گرفتار کرنے کے لیے تلاش کر رہے تھے۔

اس کا فیصلہ بڑا حیرت ناک تھا۔

شاید اس نے کسی کے اس قول پر عمل کیا تھا کہ:

"تم خطرے کے جس قدر قریب ہو گے اسی قدر محفوظ رہو گے"۔

اسی قول پر عمل کرتے ہوئے تموجن ان کے پیچھے آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کی خیمہ گاہ تک پہنچ گیا۔ پھر جب سوار گھوڑے چھوڑ کے اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے تو وہ رینگتا ہوا اس سوار کے یورت میں داخل ہو گیا جس نے اسے ندی میں دیکھا مگر گرفتار کرانے سے گریز کیا تھا۔

یہ نیک دل سوار ایک اجنبی تھا اور اس قبیلے کے جنگجوؤں کے ساتھ عارضی طور پر ٹھہرا ہوا تھا۔ جب تموجن کنگ میں جکڑا اور پانی میں شرابور اس سوار کے سامنے اچانک نمودار ہوا تو وہ تموجن کو دیکھ کر حیران ہی نہیں، خوفزدہ بھی ہوا۔ تموجن سے بھی زیادہ خوفزدہ۔

اسے خوفزدہ تو ہونا ہی تھا۔ اگر یہ راز کھل جاتا کہ تائیجوت قبیلے کا وہ دشمن جسے وہ ڈھونڈ رہے تھے ان کے مہمان کے خیمے میں چھپا ہوا ہے تو تموجن کا جو حشر ہوتا وہ تو الگ بات ہے، خود اس مہمان کی بھی تکا بوٹی ہو جاتی۔ شاید اسی لیے مہمان اجنبی نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مظلوم بچے کو جس قدر جلد ہو سکے وہاں سے کسی طرف روانہ کر دیا جائے تاکہ خطرہ نہ رہے۔

اجنبی نے سب سے پہلے تموجن کو کنگ یعنی ہتھکڑی سے آزاد کیا اور کنگ کے ٹکڑے کر کے الاؤ میں ڈال دیے۔ پھر تموجن کو اون کی گانٹھوں میں چھپا دیا۔

تموجن کے لیے یہ جگہ بھی کچھ زیادہ مناسب نہ تھی۔ اس لیے کہ ایک تو اسے باہر کی سرد فضا سے ایک دم گرم گرم اون کی گانٹھوں میں دبا دیا گیا تھا، دوسرے یہ کہ اسے تلاش کرنے والے تائیجوت اس قدر محتاط تھے یا پھر انہیں کسی طرح اپنے مہمان پر شک ہو گیا تھا۔ اسی لیے خیمہ گاہ میں پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے مہمان کے خیمے کی تلاشی لینے پہنچ گئے۔

تائیجوت سواروں نے اس خیمے کی بڑی سخت تلاشی لی۔ مہمان کو یہ خیمہ انہی کا دیا ہوا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اس کی ایک ایک چیز کو اٹھا کر اس طرح دیکھا جیسے وہ سوئی تلاش کر رہے ہوں۔

اون کا وہ ڈھیر جس میں تموجن چھپا ہوا تھا، ان کا دیکھا بھالا تھا لیکن انہوں نے پھر بھی اس میں نیزے کی نوکیں چبھو چبھو کے دیکھا۔ اور اس طرح ایک نیزے کی نوک نے تموجن کا پیر زخمی کر دیا۔ اگر یہ نیزہ اس کے سینے میں چبھ جاتا تو اس کا انجام کچھ اور ہی ہوتا تھا۔

تلاشی لیے جانے کے بعد رحمدل مہمان نے تموجن کو اون میں سے نکالا اور غصہ سے کہا:

"اگر تو پکڑا جاتا تو میرے گھر کی آگ بجھ جاتی اور دھواں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔"[1]

رحمل حماں نے تموچن سے غصہ میں کہہ تو دیا لیکن فوراً اس کا دل پھر نرم ہو گیا۔ اس نے تموچن کو کھانا بھی دیا اور دودھ بھی پلایا۔

جب تموچن کھا پی چکا اس نے تموچن کو ایک کمان اور دو تیر دے کر کہا:

"اب تو اپنی ماں اور بھائی بہنوں کے پاس چلا جا۔"

تموچن پریشان تھا کہ اس مہربانی کے باوجود وہ پیدل جنگل کیسے پار کرے گا اور اپنے دور دراز گاؤں میں کس طرح پہنچے گا۔

رحمل حماں نے اس کی یہ پریشانی بھی بھانپ لی اور اسے ایک گھوڑا بھی پیش کیا اور کہا:

"بس اب دیر نہ کرو۔"

اس طرح کسی تموچن تیر کمان سنبھالے، گھوڑے پر سوار ہوا اور دشمنوں کی نظروں سے بچتا بچاتا کئی دن بعد اپنے خیمہ گاؤں میں پہنچا مگر جب اس نے اپنے بھرے پُرے گاؤں کی حالتِ زار پر نگاہ کی تو اسے رحمل حماں کی بیان کی ہوئی ضرب المثل یاد آ گئی کہ:

"اگر تو پکڑا جاتا تو میرے گھر کی آگ بجھ جاتی اور دھواں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔"

رحمل حماں کا گھر تو بچ گیا لیکن تموچن کا گھر ایک آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ جس جگہ اس نے سینکڑوں خیمے چھوڑے تھے وہاں اب جگہ جگہ خاک کے ڈھیروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے دشمنوں نے خیموں اور ان کی چیزوں کو بالکل خاکستر کر دیا تھا۔

تموچن نے خیمہ گاؤں پر ایک نظر ڈالی اور منہ گھما لیا۔ اس سے اس کے صبر اور تحمل کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب اس نے اپنی ماں اور بہن بھائیوں کی تلاش شروع کی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے سب مل گئے۔

اس کی ماں جو سختیاں برداشت کرنے میں اپنی مثال نہ رکھتی تھی۔

اس کا بھائی قسار[2] جو ایک کڑیل جوان تھا۔

اس کی بہنیں اور سوتیلا بھائی بلگوتی جو اس پر جان دیتا تھا۔

1۔ یہ جملہ یا ضرب المثل مغل اس وقت بولتے تھے جب کسی مقام یا گھر کی انتہائی تباہی اور بربادی کا منظر کھینچنا مقصود ہوتا تھا۔

2۔ تواریخ میں کئی جگہ قسار کو بھی تموچن کا سوتیلا بھائی لکھا گیا ہے۔

تموچن کا سفر ایک ہمدرد قبیلے کی طرف جاری تھا۔

اس کے پاس آٹھ گھوڑے تھے۔ دودھ کے بجائے یہ لوگ مچھلی پر گزارہ کرتے اور گلہریوں کا شکار کر رہے تھے۔

اس مشکل وقت نے اسے کئی سبق دیے اور اس کے تجربہ میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

تموچن نے سیکھا کہ کس طرح تعاقب کرنے والے دشمن سے بچ جا سکتا ہے اور پھر کس طرح اس کے قلب کو چیر کر نکلا جا سکتا ہے۔ یکسر تموچن میں پھرتی اور چالاکی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

ان کا سفر تکلیف دہ تھا مگر وہ اسے جاری رکھنے پر مجبور تھے۔

تموچن چاہتا تو اپنے آباؤ اجداد کی چراگاہیں چھوڑ کر کسی امن کی جگہ جا سکتا تھا مگر اسے اپنے وطن، اپنے علاقے اور اپنے خیموں والے گاؤں سے، جسے جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا، بے حد محبت تھی۔

سفر کرتے ہوئے وہ اپنے قبیلے کے بکھرے ہوئے گروہوں میں پہنچا۔ تموچن نے ان سے بطور خراج صرف چار جانور مانگے جن میں:

ایک اونٹ

ایک گھوڑا

ایک بیل

اور ایک بھیڑ شامل تھی۔

پہلے تین جانور اس کی ضرورت کے تھے اور بھیڑ اس نے ماں کی آسائش کے لیے لی تھی۔

تموچن نے دو باتوں سے سختی سے پرہیز کیا بلکہ ان سے جیسے اس نے منہ پھیر لیا۔

ایک تو بورتائی کا خیال۔ یہ بھوری آنکھوں والی اب بھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ تموچن اس سراسیمگی کے عالم میں بورتائی کے خیمے سے چلا تھا کہ وہ اس سے رخصتی گفتگو بھی نہ کر سکا تھا۔

اسے کسی وقت یہ خیال ضرور ستاتا کہ کاش وہ نوعمر بورتائی کو تسلی کے چند الفاظ کا تحفہ ہی دیتا جس کے سہارے وہ جدائی کی گھڑیاں کاٹ لیتی۔

تموچن وہاں جا سکتا تھا۔ بورتائی اس کی ہونے والی بیوی تھی۔ یہ رشتہ اس نے خود پسند کیا تھا اور اس کے اور بورتائی کے باپ نے اس کی تصدیق کی تھی۔ بورتائی کا باپ ایک طاقتور قبیلے کا سردار تھا۔ اس کے پاس نیزہ برداروں کا

بڑا دستہ تھا۔

تموچن اگر بورتائی کے باپ سے مدد مانگتا تو وہ انکار نہ کرتا مگر شاید تموچن کی انا نے گوارا نہ کیا کہ وہ ہونے والے خسر کے آگے دستِ سوال دراز کرے۔

دوسری بات اس شخص کے بارے میں تھی جو تموچن کے باپ یسوکائی کا گہرا دوست اور منہ بولا بھائی تھا۔ انہوں نے بھائی بننے کی قسم کھائی تھی۔ اس لحاظ سے بوڑھا سردار طغرل خاں، تموچن کا منہ بولا باپ ہوتا تھا۔

طغرل خاں بڑے کروفر والا انسان تھا۔ اس کا تعلق قرایت سے تھا جو فصیلوں سے گھرے شہر میں رہتا تھا۔ اس کے خزانے سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرے تھے۔ تموچن کو وہاں سب کچھ مل جاتا لیکن اس نے کچھ سوچ کر ادھر کا بھی رخ نہ کیا۔

تموچن نے اپنے دل سے پوچھا۔ دل نے جواب دیا:

"فقیروں کی طرح خالی ہاتھ طغرل خاں کے پاس جانے سے رفاقت تو ملنے سے رہی، البتہ حقارت تمہارے حصے میں ضرور آئے گی۔"

قوم قرایت کا بوڑھا سردار طغرل خاں جان پریسٹر کے نام سے مشہور تھا۔ وہ تموچن کو مدد دینے کا اس لیے بھی پابند تھا کہ اس دور میں کسی سردار کی دوستی کی قسم کھانے کا وزن اس کے کیے ہوئے وعدوں سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ دراصل تموچن نے بوڑھے سردار سے مدد نہ لینے کا جو تہیہ کیا تھا اس سے اس کی کمال خودداری کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ طغرل سے ملنا ضرور چاہتا تھا مگر اس وقت جب اس کے پاس ایک حلیف کی حیثیت سے جانے کے قابل ہو جائے نہ کہ اس گداگری اور بے بسی کے عالم میں۔

مثل مشہور ہے کہ مصیبت کبھی اکیلی نہیں آتی۔

تموچن کے نو گھوڑوں میں سے آٹھ چوری ہو گئے۔ نواں گھوڑا اس لیے بچ گیا کہ اس پر ملکوتی گلہریوں کا شکار کرنے گیا ہوا تھا۔

ملکوتی واپس آیا تو تموچن نے اسے تھکے ہوئے لہجے میں بتایا:

"تیرا گھوڑا بچ گیا۔ باقی آٹھوں گھوڑے چوری ہو گئے۔"

ملکوتی دھک سے رہ گیا۔

"یہ چوری کس نے کی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اور کون چوری کرے گا؟" تموچن نے جواب دیا:

"وہی تائیجوت قبیلے کے لٹیرے تھے۔"

چور یا لٹیرے۔ ان الفاظ کے اس دور میں کچھ اور معنی تھے۔ اس لیے کہ تب یہ ایک فن تھا یا دوسرے معنوں میں رزق حاصل کرنے کا ذریعہ تھے۔

اس زمانے میں ہر بڑا قبیلہ، چھوٹے قبیلے کو لوٹ لیتا تھا اور جو کچھ اس کے ہاتھ آتا، وہ لے اڑتا تھا۔ یہ اس زمانے میں کوئی برائی نہ تھی۔

ملکوتی نے تموچن سے کہا:

"میں ان کے تعاقب میں جا رہا ہوں۔ گھوڑے لے کر ہی لوٹوں گا۔"

"تو ان سے گھوڑے واپس نہیں لا سکتا۔"

قسار جو کمان کھینچنے میں سب سے ماہر تھا، نے دعویٰ کیا:

"گھوڑا مجھے دے۔ میں جاتا ہوں ان کے پیچھے۔"

"تم دونوں ان تک نہیں پہنچ سکتے۔"

تموچن نے دخل دیا:

"اگر پہنچ بھی گئے تو گھوڑے واپس نہ لا سکو گے۔ میں جاتا ہوں ان کے تعاقب میں۔"

قسار اور ملکوتی نے سر جھکا دیا۔

ملکوتی نے گھوڑی تموچن کے حوالے کر دی۔ تموچن اس پر سوار ہو گیا۔ یہ وہی سرخ گھوڑی تھی جس پر بیٹھ کر تموچن زرا غائی کے جنگل سے بھاگا تھا۔

اس نے گھوڑوں کے قدموں کے نشان دیکھ کر لٹیروں کا تعاقب شروع کیا لیکن اس کے لیے پریشانی یہ تھی کہ گھوڑی پہلے ہی تھکی ہوئی تھی اور ہر گھنٹے بعد دم لینے کو پھر جاتی تھی۔

دوسری طرف بھاگنے والوں کے پاس فالتو گھوڑے تھے اور وہ بار بار اپنے گھوڑے بدل لیتے تھے۔ اس طرح تموچن اور ان کے درمیان فاصلہ ویسے ہی برقرار رہا اور وہ لٹیروں تک نہ پہنچ سکا۔

تموچن کے پاس کھانے کا گوشت بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس نے تعاقب میں روانہ ہونے سے پہلے تھوڑا سا گوشت زین اور گھوڑے کی پیٹھ کے درمیان رکھ لیا تھا تاکہ وہ نرم بھی رہے اور گرم بھی مگر وہ کب تک چلتا۔ اسے تعاقب کرتے تین روز گزر چکے تھے اور اب اس پر بھوک کا غلبہ بھی ہو چلا تھا۔

آخر تیسرے دن تموچن کو راستے کے کنارے اس کا ایک ہم عمر جوان بیٹھا دکھائی دیا۔ وہ گھوڑی کا دودھ دوہ رہا تھا۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ مغل گھوڑی کا دودھ بطور غذا کے استعمال کرتے تھے اور خصوصاً سفید گھوڑی کے دودھ کی شراب سب سے زیادہ تیز اور ذائقہ دار سمجھی جاتی تھی۔

"جوان!"

تموچن نے گھوڑی روک کر اسے مخاطب کیا:

"تم نے کسی کو آٹھ گھوڑے بھگا کر لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا؟"

"ہاں۔ پچھلے پہر کچھ لوگ آٹھ فالتو گھوڑوں کو لے کر میرے پاس سے گزرے تھے۔"

جوان گھوڑی کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا:

"میں تمہیں وہ راستہ دکھا دوں گا جدھر وہ لوگ گئے ہیں۔"

تموچن سوچنے لگا کہ یقیناً یہ وہی لٹیرے اور اسی کے آٹھ گھوڑے تھے۔

"تم تھکے ہوئے اور فکر مند معلوم ہوتے ہو۔"

جوان نے اسے غور سے دیکھ کر کہا۔ پھر پیش کش کی:

"میں تمہارے ساتھ ان کے تعاقب میں چلوں گا۔"

اس غیر متوقع ہمدردی سے تموچن بہت خوش ہوا۔

"تمہارا نام کیا ہے جوان؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے بغورچی کہتے ہیں۔"

جوان نے جواب دیا: "تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔"

تموچن اس پر پہلے ہی اعتماد کر چکا تھا۔ اس کی پیش کش اس قدر مخلصانہ تھی کہ تموچن اسے دوستی کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

تموچن نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی خاموشی نے ظاہر کر دیا کہ اسے اپنے نئے دوست کی پیش کش قبول ہے۔

بغورچی نے ان گھوڑوں میں سے جنہیں وہ چرا رہا تھا، ایک سفید گھوڑے پر زین ڈال اور اسے تموچن کے حوالے کر دیا۔ تموچن کی تھکی ہوئی سرخ گھوڑی کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔

اب وہ دونوں بڑی تیزی سے گھوڑے چرانے والوں کے تعاقب میں گھوڑے بھگا رہے تھے۔ آگے جانوا

گھوڑوں کے نقشِ قدم انہیں ہر لمحہ ان کے قریب لیے جا رہے تھے۔

دوسرے دن صبح کو تموچن کو تائیجوت کی وہ خیمہ گاہ نظر آئی جہاں اس کے آٹھ گھوڑے آزادانہ چر رہے تھے۔ ان دونوں نے آپس میں گھات لگانے اور گھوڑوں کو واپس لے جانے کے بارے میں آہستہ آہستہ کوئی منصوبہ بنایا پھر دائیں بائیں سے اپنے گھوڑوں کے قریب پہنچے اور انہیں گھیر کر واپس دوڑانا شروع کر دیا۔

تموچن اور بغورچی نے یہ کام اس قدر پھرتی سے کیا کہ تائیجوت والوں کو اس وقت خبر ہوئی جب یہ دونوں ان گھوڑوں کو خیمہ گاہ سے کچھ دور تک بھگا لائے تھے۔ چنانچہ تائیجوت والوں نے ان دونوں کا فوری طور پر تعاقب شروع کر دیا۔

اب ایک زبردست گھوڑ دوڑ کا منظر پیشِ نظر تھا۔

تعاقب کرنے والوں میں ایک جنگجو، جس کے ہاتھ میں کمند تھی اور وہ بھی ایک سفید گھوڑے پر سوار تھا اپنے ساتھیوں سے بہت آگے نکل آیا تھا۔ اس کا گھوڑا اس قدر تیز رفتار تھا کہ وہ چند ہی ثانیوں میں تموچن اور بغورچی کے سر پر پہنچ گیا۔ اب یہ دونوں اس کی کمند کی زد میں تھے۔

"تموچن!"

بغورچی نے چیخ کر کہا:

"کمان مجھے دیدو۔ میں ذرا ٹھہر کر ان کا راستہ روکوں گا۔ تم اس دوران گھوڑوں کو ان کی پہنچ سے دور بھگا لے جاؤ۔"

تموچن نے بغورچی کی اس دوسری پیش کش کو جو پہلی سے کہیں بڑی تھی، پیار سے رد کر دیا۔

"نہیں بغورچی!"

اس نے جواباً چلا کر کہا:

"رکنے کی غلطی مت کرنا۔ گھوڑا بھگاتے رہو"

"تموچن!"

بغورچی نے فوراً جواب دیا:

"تمہارے لیے گھوڑے واپس لے جانا سب سے اہم بات ہے۔ یہ کمند والا سوار اس قدر قریب آ گیا ہے

کہ وہ کمند پھینک کر ہمیں گھوڑے سے کھینچ سکتا ہے"۔

"جو حکم بوغورچی"۔

تموچن نے صاف انکار کر دیا اور کہا:

"اگر تم میرے دوست ہو تو میرا مشورہ مانو اور گھوڑے کو اور تیز بھگاؤ"۔

"مجھے تمہاری بہادری پر فخر ہے تموچن"۔

اور بوغورچی کا گھوڑا پہلے سے بھی تیز ہو گیا۔ جب تعاقب کرنے والے بالکل قریب پہنچ گئے تو تموچن نے اپنے دوست سے کہا:

"ہوشیار بوغورچی۔ اب یہ لوگ تمہیں زخمی کر سکتے ہیں میں کمان کھینچتا ہوں"۔

اس کے ساتھ ہی تموچن نے خود کو گھوڑے پر جما یا۔ ترکش سے تیر نکال کے کمان میں جوڑا۔ پھر چلّہ چڑھایا اور سفید گھوڑے پر سوار سب سے آگے آنے والے تائیجوت جنگجو کو نشانہ بنا کے تیر چھوڑ دیا۔

تموچن کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا تھا۔

اس کا تیر موت کا پیغام بن کر تائیجوت جنگجو کی طرف لپکا اور سیدھا اس کے سینے میں اتر گیا اور وہ زین سے لٹک گیا۔

اس کے ساتھی جب قریب آئے اور انہوں نے اپنے بہادر جوان کو، جو ان سب سے زیادہ شہسوار اور بڑا جنگجو تھا، اس طرح زین سے لٹکے دیکھا تو ان کے حوصلے جواب دے گئے۔ انہوں نے مقابلہ کے بجائے اس میں خیر جانی کہ اپنے ساتھی کی لاش لے کر واپس چلے جائیں۔

تموچن اور بوغورچی نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر وہ دونوں رات بھر سفر کرنے کے بعد بوغورچی کے باپ کی خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔

"بابا خان!"

بوغورچی نے اپنے باپ کو بتایا:

"جب میں نے تموچن کو تھکا ماندہ اور پریشان دیکھا تو میں نے اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ہم دونوں مل کر تائیجوت جنگجوؤں سے تموچن کے آٹھ گھوڑے واپس لے آئے"۔

اس کے ساتھ ہی بوغورچی نے دودھ سے بھرا ہوا تھیلا باپ کو پیش کیا تاکہ اس کا غصہ ٹھنڈا رہے۔ بوغورچی کے باپ نے ناراض ہونے کے بجائے توجہ اور دلچسپی سے بیٹے کی باتیں سنیں۔

کمسن تموچن کے نام پر وہ چونکا ضرور تھا کیونکہ تموچن کے بچپن کے کارنامے ایک خیمہ بستی سے دوسری خیمہ بستی

اور ایک سے دوسرے قبیلے تک پھیل چکے تھے۔

پھر اس نے سر اٹھا کر کہا:

"تموچن کی ہمت اور استقلال قابلِ تعریف ہے"۔

اب اس نے بوغورچی کی طرف دیکھا اور بولا:

"بوغورچی۔ تم دونوں جوان ہو۔ میں چاہتا ہوں تم دونوں دوست بن جاؤ کیونکہ ایک سے دو بہر حال بھلے ہوتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے بابا خان"۔

بوغورچی نے جواب میں سعادت مندی سے کہا:

"تموچن کی بہادری کا میں خود قائل ہو چکا ہوں۔ میں تموچن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اسے اپنا استاد مانتا ہوں"۔

بوغورچی کا باپ بیٹے کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے تموچن کو کھانا کھلایا۔ اسے دودھ سے بھرا ہوا ایک تھیلا پیش کیا اور عزت سے رخصت کر دیا۔

بوغورچی جو تموچن سے گلے مل کر اس کا پکا دوست بن گیا تھا، اسے رخصت کرنے کے لیے تھوڑی دور تک اس کے ساتھ گیا۔

"استاد تموچن چنگیز خان!"

بوغورچی نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا:

"بہت جلد میں تمہارے پاس پہنچوں گا"۔

تموچن نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا اور اپنے راستے پر چل پڑا۔

بوغورچی نے اپنا کہا پورا کر دکھایا۔ وہ چند ہی دنوں بعد اپنے باپ کو چھوڑ کے تموچن چنگیز خان کے پاس آ گیا۔

تموچن نے اسے خوش آمدید کہتے ہوئے دریافت کیا:

"تو بڑی جلدی آ گیا بوغورچی"۔

بوغورچی ہنس کے بولا:

"میں اپنے دوست اور رفیق سے زیادہ دن کیسے دور رہ سکتا تھا؟"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن تمہیں میرے ساتھ وہ آرام نہ مل سکے گا جو تمہیں اپنی خیمہ گاہ میں اپنے

باپ کے پاس حاصل تھا۔

"رفاقت، آرام اور تکلیف کو نہیں دیکھتی۔"

بغورچی نے سنجیدگی سے کہا:

"میرے لیے یہ بہت ہے کہ تم جیسا جوان میرا دوست ہے۔"

بغورچی، تموچن کے لیے سیاہ مور لایا تھا۔ وہ اس نے تموچن کے حوالے کر دیا اور کہا:

"یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔"

"تحفے کبھی چھوٹے نہیں ہوتے بغورچی۔"

تموچن نے مسکرا کر کہا:

"ان کی قدر دل میں ہوتی ہے۔"

پھر اس نے بغورچی سے کہا:

"مجھے معلوم ہے بغورچی۔ اگر تم اس دن میرے ساتھ تائیچوت والوں کی خیمہ گاہ میں نہ جاتے تو میں اپنے گھوڑے واپس نہ لا سکتا تھا۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں بغورچی۔ یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔"

"استاد تموچن۔"

بغورچی نے بات ٹالنا چاہی:

"یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔"

"اکثر چھوٹی باتیں ہی یاد رکھنے کے قابل ہوتی ہیں بغورچی۔"

اس کے بعد تموچن نے اسے ایک اور پیش کش کی:

"یہ آٹھوں گھوڑے مجھے تمہاری مدد سے حاصل ہوئے ہیں بغورچی۔"

"تو پھر؟"

بغورچی نے اسے سر اٹھا کر دیکھا۔

"اس لیے ان میں چار پر تمہارا حق ہے۔ انہیں تم لے لو۔"

"نہیں استاد۔"

بغورچی نے صاف انکار کر دیا:

"اگر میں تم سے تمہاری کوئی چیز لے لوں تو پھر میں تمہارا دوست کیسے ہوا؟"

تموچن لاجواب ہو گیا۔

تموچن کنجوس نہیں تھا اور نہ اس کے جوان ساتھی۔ وہ احسان فراموش بھی نہیں تھا۔ اگر کوئی اس کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا یا اس کا ساتھ دیتا تو وہ ہمیشہ اسے یاد رکھتا۔

تموچن چنگیز خان میں دورِ جاہلیت کے عرب خانہ بدوشوں جیسی خوبیاں بھی تھیں اور سفاکی بھی۔ اس کے دوست کم اور دشمن زیادہ تھے۔

اس نے یہ گُر سیکھ لیا تھا کہ چالاکی کے ذریعے طاقت کو زیر کیا جا سکتا ہے۔ کمزور اس کے لیے بیکار تھا۔ وہ طاقتور جوانوں سے محبت کرتا تھا۔ وہ اپنے وعدے کا بڑا پکا تھا۔ اگر کسی سے کوئی وعدہ کر لیتا تو اسے ضرور پورا کرتا تھا۔

تموجن آہستہ آہستہ طاقت پکڑ رہا تھا۔

اس کے قبیلہ "یاکا" کے لوگ اس کے باپ یسوکائی کی موت کے بعد اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے مگر اب دھیرے دھیرے واپس آ رہے تھے۔ اور اس کی خیمہ گاہ کی گاڑیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

تموجن جانتا تھا کہ اسے قبیلے کی سرداری کا حق صرف اس وقت تک حاصل ہے جب تک وہ اپنے اور اپنے قبیلے والوں کے جانوروں کو دشمنوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

قبیلہ کے قانون کے مطابق اہل قبیلہ کے جانوروں کے گلے اور ان کے ہتھیاروں پر تموجن کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ ہر قبیلہ کی ملکیت تھی۔

اس نے یہ اعلان بھی کرا دیا تھا کہ اس کے قبیلہ "یاکا" کا ساتھ دینے والے اس وقت تک تموجن کو اپنا سردار تسلیم کریں جب تک تموجن انہیں پناہ دے سکے۔ ورنہ اس کی سرداری کو ختم کر کے کسی دوسرے کو سردار بنایا جا سکتا ہے۔

ہوشیاری اور چالاکی ہی تموجن کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔ عمر کے ساتھ ساتھ اس کی فراست اور عقلمندی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

اس کے دل بلکہ پورے تن بدن میں صرف ایک ہی آرزو اور امید شعلہ زن تھی کہ:

"کسی طرح وہ جلد سے جلد اپنی میراث کا مالک بن جائے"

یہ آرزو اور امید اب چنگاری سے شعلہ بنتی جا رہی تھی!

کلوران اور اونان کے درمیان کی سرسبز و شاداب چراگاہوں پر ایک طرح سے اسی کا قبضہ تھا اور شمال والے ان چراگاہوں سے بے دخل کرنے کے لیے اکثر بڑے بڑے حملے کیا کرتے تھے لیکن وہ تموجن کو ان چراگاہوں سے محروم نہ کر سکے۔

صرف یہ ہوا کہ تموجن ان کے حملوں کے دوران کچھ عرصے کے لیے جنوب کی طرف چلا جاتا اور ان کی واپسی کے بعد پھر ان چراگاہوں پر قبضہ جما لیتا۔

شجاعت

جسمانی طاقت

اور سمجھ بوجھ

ان تینوں اوصاف نے اسے آہستہ آہستہ ایک لیڈر کی صورت میں تبدیل کر دیا اور مغل اسے اپنی امیدوں کا مرکز سمجھنے پر مجبور ہو گئے۔

پھر لوگوں کی زبان پر یہ کلمہ چڑھ گیا:

"تموجن اور اس کے بھائیوں کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔"

تموجن کے پانچ سال اسی جدوجہد میں گزر گئے۔ پھر جب وہ وقت کی بھٹی سے نکلا تو کندن بن چکا تھا۔ اب لوگ اسے اور اس کے قبیلے والوں کو طرح طرح کی ناموں سے یاد کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے:

شمال کے وحشی تیر کمان والے لوگ

اونچے سفید پہاڑوں کے رہنے والے لوگ

ہنسنے، بولنے اور قہقہے لگانے والے لوگ

لمبے دنوں کے لوگ

لمبے دنوں کے لوگ انہیں اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ ان علاقوں میں خصوصاً ٹنڈرا میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی تھی۔ وہاں آدھے سال تک سورج چمکتا رہتا اور آدھے سال سورج نظر نہ آتا تھا لیکن اس کے باوجود وہاں ان دنوں ہر طرف روشنی پھیلی رہتی اور وہاں کے لوگ اپنے معمول کے تمام کام کرتے رہتے تھے۔

ان کی زندگی ان کے لیے ایک انتھک محنت تھی۔ ایک مسلسل جدوجہد۔ اور ایسے لوگوں کو جس وقت ذرا سی اطمینان حاصل ہوتا تو وہ خوب ہنستے اور قہقہے لگاتے تھے۔ ان کے بہ قہقہے بھی ان ہی کی طرح سناک بے رحم اور ظالم ہوتے تھے۔

اسی طرح ان کی تقریبات اور ضیافتیں بھی نہایت شدید ہوتی تھیں۔ عام طور پر ان کی زندگیوں میں وہ ایسے

مواقع آتے تھے جن پر منگولوں کے بیشتر قبائل جمع ہوتے تھے۔ اور یہ مواقع تھے:

۱۔ شادی

۲۔ موت

ان دونوں مواقع پر پُرخوری یعنی زیادہ کھانے کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ مغل خوب کھاتے اور خوب پیتے تھے حتیٰ کہ مدہوش ہو کر بے سدھ ہو جاتے تھے۔

ایسی ہی تقریبوں میں زہر خورانی کی وارداتیں ہوتی تھیں تموچن کا باپ یسوکائی ایسی ہی ایک ضیافت میں زہر خورانی کا شکار ہو کر مرا تھا۔

تموچن جب سترہ سال کا ہوا تو اس نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی کہ وہ سر اٹھا کر چل سکتا۔ اسے مغلوں میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور اس کے گرد بہت سے چھوٹے قبائل پناہ حاصل کرنے کو جمع ہو گئے تھے۔

طاقت کے اس حصول کے بعد لوگوں نے تموچن کو چنگیز خان کہنا شروع کیا۔ یہ دراصل اس کی مسلسل جدوجہد اور موجودہ طاقت کا صلہ تھا۔

اس وقت سترہ سالہ چنگیز کے دل میں دو نئے خیالوں نے جنم لیا۔

پہلا خیال تو یہ تھا کہ وہ اب اس قابل ہو گیا ہے کہ قبیلہ قرایت کے بوڑھے مغل سردار سے بحیثیت ایک حلیف کے ملاقات کو جائے جو اس کے باپ یسوکائی کا دوست تھا۔

دوسرا خیال جو چنگیز خان کے دماغ میں پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی شدید تر ہو گیا، وہ تھا اس کی منگیتر بورتائی کا، جسے نو سال کی عمر میں چھوڑ کر اسے بھاگنا پڑا تھا۔

○

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔

میں بابر بادشاہ کی بیٹی اور مغل شہنشاہ اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔

میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ چنگیز خان جسے اُس وقت تموچن کے نام سے پکارا جاتا تھا، کی تحریک پر اس کے باپ یسوکائی نے چنگیز اور بورتائی کی نسبت طے کر دی تھی۔

رسم کے مطابق چنگیز اپنی ہونے والی بیوی بورتائی کے خیمہ ہی میں مقیم تھا کہ اسے اپنے باپ کو زہر دیے جانے کی اطلاع ملی اور اسے شادی کی رسومات سے پہلے ہی واپس جانا پڑا۔

اس واقعہ کو اب چار سال گزر چکے تھے۔ نو سال کی بورتائی اب تیرہ سال کی بھرپور دوشیزہ تھی جو اپنے ہونے والے شوہر کے تصور سے اکثر جھوم اٹھتی تھی۔

یہی حال چنگیز خان کا تھا۔ اسے بورتائی کا خیال آیا تو بس آتا ہی چلا گیا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی دلہن کو باقاعدہ رسومات ادا کر کے اپنے قبیلہ میں لے آئے گا۔

مغل تقریبات کو "اغندور" کا نام دیتے تھے۔ ان کی زندگی مسلسل جنگ و جدل سے عبارت تھی اس لیے جب بھی کوئی تقریب منعقد ہوتی تو اس سے انہیں ایک خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوتا۔

شادی کے علاوہ "موت" کی تقریبات بھی تھیں جن میں بجائے رونے پیٹنے کے لوگ ایک دوسرے سے خوشدلی سے ملتے، ہنستے بولتے اور سیر ہو کر کھاتے پیتے تھے۔

پس!

جب چنگیز خان نے ہونے والی دلہن کے باپ کو اطلاع بھجوائی کہ:

"میں اپنی دلہن کو باقاعدہ بیاہ لینے کے لیے آ رہا ہوں"

تو بورتائی کے قبیلے والے بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ چنگیز (تموچن) کے ایک دم منظر سے غائب ہو جانے اور پانچ سال تک کوئی خیر خبر نہ لینے کے سبب انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ تموچن اپنی دلہن کو لینے کبھی نہ آئے گا۔ اس لیے اب اس کی طرف سے یہ خبر آنے پر ان میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے پورے زور شور سے بارات کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔

تموچن نے اپنے نئے نام بالقب "چنگیز خان" کو پسند کر لیا تھا اور وہ بڑی شان سے بورتائی کی خیمہ گاہ میں پہنچا۔ اس نے اپنے آنے کے دن کی پہلے ہی خبر کر دی تھی اس لیے دلہن کے قبیلے والوں نے خاص طور پر وہاں کے جوانوں نے بڑے ہی پُرجوش انداز میں اس کا استقبال کیا۔

چنگیز خان کے ساتھ کئی سو مسلح جوان تھے جو اپنے گھوڑے چمکاتے بورتائی کو بیاہنے آئے تھے۔ بورتائی کے قبیلے کے جوان بھی خوب سج دھج کے تقریب میں آئے تھے۔ ان کی شان بھی قابلِ دید تھی۔

اس قبیلے کے جوانوں کے لباس کچھ اس طرح تھے:

بھیڑ کی کھالوں کے لبادے

دباغت کیے ہوئے چمڑے کے شلوکے

سینہ پر بھیانک نقش و نگار سے آراستہ چرمی سفید پوش

گھوڑوں کی دمچیوں پر پانی کی کسی ہوئی مشکیں

کاندھوں پر نیزے

ان جوانوں کے چہروں کی ہڈیاں عام طور پر نکلی ہوئی تھیں۔ سخت سردی اور ہوا کے تھپیڑوں سے بچنے کے لیے چہروں پر چربی کی تہیں جمی تھیں اور اس چربی پہ خاک و گرد جمی ہوئی تھی۔

چنگیز خان ان جوانوں سے بڑی خوشدلی سے ملا اور وہ جوان، چنگیز خان کے مضبوط بدن اور غیر معمولی چہرے کے خطوط سے بہت متاثر ہوئے۔

بورتائی کے باپ نے سادگی سے کہا:

"جب میں نے سنا کہ تم بہت بڑے بڑے دشمنوں میں گھر گئے ہو تو مجھے یہ امید نہ رہی تھی کہ میں تمہیں زندہ و سلامت دیکھ سکوں گا۔"

اور پھر مغلوں کے روایتی بھدے قہقہے اور بے تحاشہ ہنسی مذاق شروع ہو گئے۔ ملازم ادھر سے ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے کہ موٹے تازے دنبوں اور بھیڑوں کو ذبح کریں۔ گوشت کے تکے بنائیں اور بارات کے لیے کھانے کا انتظام کریں۔

مغلوں کا دستور تھا کہ جب وہ کسی کے خیمے کے اندر داخل ہوتے تو اپنا اسلحہ اتار کر باہر ہی رکھ دیتے۔ پھر اندر جاکر بزرگوں کے دائیں جانب بیٹھنے کے بعد پینے اور تالیاں بجانے لگتے۔

نوکر جب ان کے لیے شراب لاتے تو پہلے خیمے کے چاروں کونوں میں چاروں سمت کی ہواؤں کی خوشنودی کے لیے ذرا ذرا شراب چھڑک دیتے۔ پھر دور شروع ہوتا اور اکتارے جھنجھنا اٹھتے۔

آج بورتائی کی امید بر آئی تھی۔ وہ چار سال سے اس دن کا انتظار کر رہی تھی۔ ان چار سالوں میں چنگیز خان نے نہ معلوم کتنے آگ کے دریا پار کیے تھے۔ کتنی بار موت کی جھنجھناہٹ سنی تھی مگر وہ مصائب میں ثابت قدم رہا تھا اور اس کے استقلال، پھرتی اور چالاکی نے اسے ہر مشکل میں سہارا دیا۔ اب وہ اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ بے خوف و خطر اپنی دلہن کو بیاہ کے لے جائے۔

بورتائی کے باپ نے دو تین دن بارات کی خوب خاطر مدارات کی۔ پھر تیسرے دن بورتائی کو دلہن بنا کر خیمے میں لایا گیا جہاں دونوں قبیلوں کے لوگ جمع تھے۔

بورتائی بائیں جانب سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اس کے جسم پر سفید سمور کا لباس تھا۔ چوٹیوں میں چاندی کے سکے اور ننھی منی مورتیاں پروئی گئی تھیں۔ سر پر صنوبر کی کھال کا مخروطی کلاہ تھا جس پر ریشم منڈھا ہوا تھا۔

بورتائی اس وقت تک خاموش بیٹھی رہی جب تک رخصتی کا لمحہ نہیں آ گیا حالانکہ پورے خیمے میں گہما گہمی تھی۔ ہر سو مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ اکتارے الگ شور کر رہے تھے۔

آخر رخصتی کا وقت آ گیا۔ بورتائی خادماؤں اور بہنوں کا اشارہ پا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور بے تحاشہ باہر کی طرف بھاگ نکلی۔ اس کے پیچھے اس کی خادمائیں اور بہنیں بھی دوڑ کے خیمے کے دروازے تک پہنچ گئیں اور جم کر کھڑی ہو گئیں۔

اب دولہا چنگیز خان کی باری تھی۔ اسے باہر نکل کر خیموں خیموں بھاگ کر اپنی دلہن کو پکڑنا تھا۔ دوسری طرف دلہن کی حفاظت پر مامور خادماؤں اور بہنوں کو اس کا راستہ روکنا تھا تاکہ دلہن، دولہا کے ہاتھ نہ آ سکے۔ یہی بیاہ کی اصل رسم تھی۔

چنگیز خان لپک کے خیمے کے دروازے پر پہنچا تو اس نے وہاں کنیزوں اور اپنی سالیوں کو سد راہ پایا۔ ان سب نے اسے گھیر لیا۔

"کہاں جا رہے ہو شہزادے؟" ایک شوخ چشم سالی اٹھلا کے بولی۔

"تم جانتی ہو میں کہاں جا رہا ہوں۔" چنگیز خان کی سفاک تیوریوں پہ اچانک ایک خوشگوار تبدیلی آ گئی۔

"نہیں۔"

اس نے اسی لہجے میں کہا:

"جانتی تو تم سے کیوں پوچھتی!"

پھر سب کی سب کھلکھلا کے ہنس پڑیں۔ جیسے گلستاں کھل گیا۔ بہاریں ٹوٹ پڑیں۔

"سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ۔ . . ." چنگیز کے چہرے پر مصنوعی غصے کی شکنیں ابھریں۔

"ہاں ہاں نکالو تلوار۔"

یہ ایک اور دیدہ دلیر سالی کی آواز تھی جو اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی تھی:

"ہم سب کو قتل کر دو پھر پہنچ سکو گے ہماری بہن تک!"

"ہٹ جاؤ ورنہ مجھے غصہ آ جائے گا۔"

چنگیز خان اپنے لہجے میں سختی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ارد گرد بکھری ہوئی نکہت و نور کی لہریں اس کی زبان پر پہرے لگا رہی تھیں۔

"نہیں ہٹیں گے. . . . نہیں ہٹیں گے۔"

وہ بڑی تیز طرار تھی:

"اگر تم نے ہمیں ہٹا کے آگے بڑھنا چاہا تو میں تمہارے گلے میں لٹک جاؤں گی۔"

وہ ایک خود رفتگی کے عالم میں کہہ تو گئی مگر فوراً ہی شرما گئی۔ اس کی خادمائیں اور دوسری بہنیں مسکرائے بغیر نہیں

بلکہ زور سے ہنس پڑیں۔

"ہائے رجاودانی آسمان کی قسم۔۔۔۔۔" اور وہ جلدی سے چنگیز کے سامنے سے ہٹ گئی۔

چنگیز خان نے راستہ صاف دیکھا تو انہیں ہنستا قہقہے لگاتا چھوڑ کر تیزی سے ان کے درمیان سے نکلا اور سامنے کے خیمے کی طرف دوڑ پڑا۔

تمام سالیاں اور خادمائیں بھی اس کے تعاقب میں دوڑیں۔ چنگیز خان نے خیمے میں داخل ہو کر ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔

وہ ناکام باہر آنے لگا تو ایک اور سالی سے ٹکرا گیا۔ ٹکر ایسی زوردار تھی کہ وہ دوشیزہ چکرا کر زمین پہ گرنے لگی۔ مجبوراً چنگیز خان کو اسے اپنے ہاتھوں پر سنبھالنا پڑا۔

"شہزادے یہ کیا غضب کر رہے ہو۔"

ایک جوان عمر خادمہ نے فوراً طنز کیا:

"یہ بورتائی کی بہن ہے۔ اسے کیوں گود میں لے لیا؟"

چنگیز خان اس طنز پر بری طرح گھبرا گیا۔ اس نے فوراً اپنے ہاتھ کھول دیے جن پہ وہ سالی کو اٹھائے ہوئے تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی دھم سے زمین پہ آ رہی۔

پھر ایک قہقہہ اور مسلسل قہقہے بلند ہونے لگے۔

چنگیز خان خجل سا ہو کر دوسرے خیمے کی طرف دوڑا۔ حسن کا پورا سمندر اس کے تعاقب میں لہریں ملتا ہوا آ رہا تھا۔

چنگیز خان دوسرے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ بھی خالی تھا۔ پھر تیسرا۔ چوتھا، پانچواں خیمہ۔ اس نے دس خیمے دیکھ ڈالے مگر اس کا گوہرِ مراد نہ ملا۔ کنیزیں اور لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں۔

"بورتائی تمہیں نہیں ملے گی شہزادے"۔ ایک بولی۔

"ہماری خوشامد کرو"۔ یہ دوسری آواز تھی۔

چنگیز کی تیوریوں پہ بل پڑ گئے:

"ہم نے خوشامد کرنا نہیں سیکھا"۔

ایک سالی نے آگے بڑھ کے اس کا چرمی سینہ پوش پکڑ لیا:

"یہ میدانِ جنگ نہیں ہے شہزادے۔ ہمیں آنکھیں نہ دکھاؤ"۔

چنگیز کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس کے دل نے بھی ملامت کی۔ یہ تو ہنسی مذاق کا موقع ہے۔ اس وقت

غصہ کیوں آ رہا ہے؟

"معاف کرنا، غلطی ہو گئی"۔

وہ فوراً ہی نرم پڑ گیا:

"میں بھول گیا تھا کہ یہ شادی کی اخودرزہ ہے"۔

چنچل سالی مسکرائی:

"پھر اب کیا ارادے ہیں؟"

"انعام دینے کو تیار ہوں"۔

"کیا دو گے انعام میں؟"

"دو سفید گھوڑیاں"۔

"یہ انعام ہمارے وقار سے کم تر ہے"۔

"اچھا۔ ہم اپنے تمام گھوڑے اور گھوڑیاں تمہیں دے دیں گے"۔

"پھر تم کیسے جاؤ گے؟"

اسی وقت ایک خادمہ نے ایک خیمے کی طرف اشارہ کیا اور چنگیز خان اس غولِ پرستانی کو وہیں چھوڑ کر اس خیمہ کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

لڑکیوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا۔ پھر سب کی سب بھاگ کر آگے بڑھیں اور چنگیز خان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہو گئیں۔

ایک سالی اکڑ کے بولی:

"تمہیں کس نے بتایا کہ بورتائی اس خیمے میں چھپی ہوئی ہے؟"

"ہواؤں نے"۔

چنگیز خان مسکرا رہا تھا:

"مجھے بورتائی کی خبر ہواؤں نے دی ہے"۔

سالی چڑ کر مگر ناز سے بولی:

"ہوائیں بھی کبھی باتیں کرتی ہیں؟"

"کیوں نہیں۔۔۔۔" وہ زور دے کر بولا:

"یہ ہوائیں ہی ہیں جو ہمارے پاس جاودانی آسمان کے حکم لے کے آتی ہیں۔ اب مجھے مت روکو۔ میں

جانتا ہوں میری بورتائی اسی خیمے میں ہے"۔

"اچھا"۔

سالی نے مجبور ہو کر کہا:

"پہلے انعام کا وعدہ کرو۔ پھر جانے دیں گے"۔

لڑکیوں نے چنگیز خان کو چاروں طرف سے اس طرح گھیر لیا کہ جیسے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہوں۔ اس نے بھی محسوس کر لیا کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا:

"مجھے جانے دو' ورنہ. . . ."

چنگیز خان نے انہیں تنبیہ کی تو دہی سالی بولی:

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ میں زبردستی تمہارے درمیان سے نکل جاؤں گا"۔

"ہم بھی مغل زادیاں ہیں۔ نکل کے دکھاؤ"۔

لڑکیاں بھی لڑائی پر آمادہ ہو گئیں۔

چنگیز خان نے قدم بڑھایا۔ پانچ لڑکیاں فوراً اس کی کمر سے لپٹ گئیں۔ پانچ پانچ لڑکیاں اس کے ہاتھوں سے چمٹ گئیں۔ کچھ خادمائیں اس کے پیروں کے گرد ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئیں۔

چنگیز خان کی زبردست طاقت اور شہزوری بچپن ہی سے مشہور تھی۔ اب تو وہ سترہ سال کا جوان تھا اور بھی ایسا کہ اگر شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال دے تو یقین ہے کہ اس کے جبڑے بھی چیر ڈالے۔

اس نے سیدھے ہاتھ کو اوپر جھٹکا دیا۔ اس ہاتھ سے لپٹی ہوئی لڑکیاں دور جا کے گریں اور اپنے ناز سہلانے لگیں۔

اسی طرح چنگیز نے اپنا دوسرا ہاتھ اور پھر پیر جھٹک کر لڑکیوں اور خادماؤں کو دور پھینکا اور پھر قدم بڑھاتا اس طرح آگے بڑھا کہ اس کی کمر سے لپٹی ہوئی لڑکیاں اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھیں۔

آخر وہ ان لڑکیوں سمیت خیمے میں داخل ہوا۔

بورتائی پر جیسے نور کی بارش ہو رہی تھی۔ وہ فرش پر بیٹھی تھی۔ چنگیز خان کو داخل ہوتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔

دونوں کی نظریں ملیں۔

بورتائی زیادہ دیر تک آنکھیں نہ ملا سکی اور اس کی نظریں نیچی ہو گئیں۔

خیمے کے اندر داخل ہوتے ہی لڑکیوں اور خادماؤں نے چنگیز خان کو چھوڑ دیا اور ایک طرف ہو کے کھڑی ہو گئیں۔ انہیں بس اتنی ہی اجازت تھی۔ ان کا کام ختم ہو چکا تھا۔

چنگیز نے پیار بھری نظروں سے اپنی دلہن کو دیکھا:

"میرے ساتھ چلوگی بورتائی؟"

"ہاں' چلوں گی. . . ."

بورتائی نے واضح آواز میں جواب دیا:

"تم تو میرے بادشاہ ہو"۔

چنگیز اور بورتائی کی یہ چار سال بعد پہلی ملاقات اور گفتگو تھی۔ بورتائی کی رضامندی حاصل کرتے ہی چنگیز نے خادمہ سے کہا:

"بھاگ کے جاؤ۔ ہم دونوں کے گھوڑے یہاں بھیج دو"۔

خادمہ باہر کو چلی۔

چنگیز خان نے اسے روک کر دوسرا حکم دیا:

"ہمارے جنگجوؤں سے کہنا کہ تیار رہیں۔ ہم ابھی واپس جا رہے ہیں"۔

چنگیز خان دلہن کو لے جانے کے لیے ایک سجا سجایا ٹٹو اپنے ساتھ لایا تھا۔ بورتائی کو اس پر سوار کیا گیا پھر چنگیز خان اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔

دلہا' دلہن نوعمر لڑکیوں اور خادماؤں کے جلو میں سردار کے بڑے سے خیمے میں پہنچے جہاں تمام باراتی جمع تھے۔ بورتائی ٹٹو سے اتر آئی۔

ماں باپ اور بہن بھائیوں سے مل کے وہ دوبارہ سوار ہوئی۔ قبیلے والوں نے جادوانی نیلے آسمان کو دیکھ کر اپنی دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ مہمان دلہا دلہن اور چنگیز خان کے ساتھ آنے والے مسلح جوانوں کو جاتے ہوئے دور تک دیکھتے رہے۔

بورتائی کا ٹٹو اور چنگیز خان کا گھوڑا ساتھ ساتھ چل رہے تھے[1]۔ بورتائی کا ٹٹو ٹھمک ٹھمک چل رہا تھا۔ اس کے سینے اور کمر پر نیلے پٹکے بندھے ہوئے تھے۔

چنگیز خان نے بورتائی کی کنیزوں میں سے صرف اس کنیز کو ساتھ لیا تھا جس نے اسے اشارے سے بتایا تھا کہ بورتائی

۱۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ چنگیز خان بورتائی کو اپنے آگے گھوڑے پر بٹھا کر لے گیا تھا۔

کس خیمے میں چھپی ہوئی ہے۔

بورتائی کے باپ نے اپنی دلہن بیٹی کے ساتھ ایک خادم بھی کیا تھا جو سموری لبادہ لیے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ سموری لبادہ بورتائی کے باپ نے اپنی سمدھن یعنی چنگیز کی ماں کو تحفے کے طور پر بھیجا تھا۔

بورتائی کا چنگیز خان کے خیمہ گاؤں میں پُرجوش استقبال کیا گیا۔ ایک وہ وقت تھا کہ چنگیز اپنی جان بچاتا پھرتا تھا اور اب اس کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک ہزار سواروں کے ساتھ اپنی دلہن کو لینے گیا مگر کسی دشمن کی ہمت نہ ہوئی کہ اس پر یورش کر سکے۔

چنگیز خان کے قبیلہ یاکا کے لوگ سرحد پر ان کے منتظر تھے۔ انہوں نے دلہا اور دلہن کو خوش آمدید کہا اور ان کو جلوس کی شکل میں چنگیز کے خیمہ پر لے گئے۔

سرحد سے اس خیمہ تک گویّے اکتارا سنبھالے آباؤاجداد کی بہادری کے گیت گاتے رہے۔ خیمہ کے دروازے پر چنگیز کی ماں اولون نے بہو کو گھوڑے سے اتارا اور اندر لے گئی۔

اب بورتائی خان کی بیوی تھی۔

چنگیز خان کی بیوی!

جو یاکا قبیلے کا بڑا خان تھا اور دور دور تک اس کی شہ زوری اور ذکاوت کے چرچے تھے۔ یورت (خیمہ) کی نگرانی اس کا اولین فرض تھا۔ اب تک یہ فرض اولون ادا کر رہی تھی لیکن بورتائی کے آنے سے اب یہ ذمہ داری اسے منتقل ہو گئی تھی۔

ضرورت پڑنے پر بورتائی مویشیوں کا دودھ بھی دوہ دیتی تھی۔ مردوں کی عدم موجودگی میں وہ جانوروں کے ریوڑوں کی گلہ بانی بھی کرتی تھی۔

خیموں کے لیے نمدا تیار کرنا، ریشوں کی تانت سے کپڑا بننا، مردوں کے لیے موزے اور چپل تیار کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

بے شک بورتائی کا مرتبہ دوسری تمام عورتوں سے بلند تھا۔ اسے بورتائی فوجین کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ صرف یاکا قبیلے ہی میں عزت سے نہ دیکھی جاتی تھی بلکہ چنگیز خان کے تمام چھوٹے چھوٹے حلیف قبائل بھی اس کا سچے دل سے احترام کرتے تھے۔

مغلوں کے یہ قبیلے جو ہزاروں کی تعداد میں دور دور تک منتشر تھے، اپنے رہن سہن، رکھ رکھاؤ اور عادات و اطوار میں متمدن دنیا سے بالکل مختلف تھے۔

مغلوں کے اوپر کے دھڑ لانبے ہوتے تھے اور چھوٹے چھوٹے بیر گھوڑوں کی رکابوں میں پڑے پڑے خمیدہ

ہو جاتے تھے۔

ان کے خورس جانوروں کی طرح بے انتہا تیز تھے۔ اندھیرے میں بھی وہ دور تک دیکھ سکتے تھے۔ اس وقت کا چپہ چپہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندا جا چکا تھا۔ وہ گھاس اور کائی کو دیکھ کر بتا سکتے تھے کہ اس وقت وہ دشت کے کس مقام پر ہیں۔

مغل جب اپنے گھوڑوں کی چھوٹی چھوٹی رکابوں میں پیر ڈال کر سفر کرتے تو ان کی نظریں بار بار افق کا جائزہ لیتیں۔ اس لیے کہ افق پار ان کے دشمن رہتے تھے جو اکثر یورش کر کے ان کے گلوں کو اغوا کر کے لے جاتے تھے۔ ان تمام محنت کوششوں کے باوجود وہ زندگی سے محبت کرتے اور بہر صورت خود کو زندہ رکھنے کی فکر میں رہتے تھے۔

مغل بڑے اچھے شکاری تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ شکار میں ماہر تھے۔ جنگلی گھوڑوں اور بارہ سنگھوں[1] کو ہنکا کر وہ کسی قدرتی روک کے پاس لے جاتے۔ پھر ان سب کا خاتمہ کر دیتے۔ گوشت اور کھال ان کی ضرورت تھی۔ وہ جانوروں کا خون پی لیتے اور آنتیں تک کھا جاتے۔

اونچے اڑنے والے پرندوں کے شکار کے لیے مغل باز پالتے تھے کیونکہ ان کے تیر پرندوں کی اڑان تک نہ پہنچ سکتے تھے۔

مغل کھانے پینے کے بے حد شوقین تھے۔ جب انہیں کھانے کو ملتا تو اس قدر کھاتے کہ ان کا دم گھٹنے لگتا۔ مگر یہ حلق تک ٹھونس کر رہتے۔

مغل تحریر کے فن سے بالکل ناآشنا تھے بلکہ وہ ہر اس فن کو بیکار سمجھتے تھے جس کا تعلق غذا کی فراہمی یا گوشت کی نگہداشت سے نہ ہو۔

یہ لوگ رات کو دیر تک چاند کی طرف نہ دیکھتے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ آسمان پر ایک آسمان نورد ہے جس کے ایک ہاتھ میں پھندا ہوتا ہے۔ یہ آسمان نورد جب کسی کو چاند کی طرف زیادہ دیر تک دیکھتا محسوس کرتا ہے تو پھندا اس کی گردن میں ڈال کر ختم کر دیتا ہے۔

دن میں وہ سورج کو آسمان نورد کہتے جو آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک رینڈ یئر اور کتوں کو

1۔ رینڈیئر

بھگاتا پھرتا ہے۔

یہ لوگ شامان کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ان کے خیال میں شامان آسمان سے باتیں کر سکتے تھے اور یہ کہ انہیں روحوں کے طور طریقے بھی معلوم تھے۔

شامان مذہبی پیشوا ہونے کے علاوہ طبیب بھی تھے اور دانشور بھی۔ کوئی بھی انہیں ناراض کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا کیونکہ ان کی ناراضگی جاودانی آسمان کی ناراضگی تصور کی جاتی تھی۔

جب کوئی بیمار ہوتا تو فوراً شامان کو بلایا جاتا کہ وہ آئے اور ڈھول بجا بجا کر بیماری کی بلا کو بھگا دے۔ یہی شامان کی طبابت تھی۔

مغلوں کی توہم پرستی اور وہم کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی خیمہ کے دروازے پر ٹھوکر کھاتا تو فوراً کہا جاتا کہ اس خیمہ پر مصیبت ٹوٹنے والی ہے۔

اگر کوئی بھیگے جوتوں کے ساتھ خیمے کے اندر آجاتا تو وہ ڈر جاتے کہ اب اس خیمہ پر بجلی گرے گی۔ اور تباہی پھیلے گی۔

یہ لوگ چھوٹی چھوٹی پتلیاں بناتے تھے اور ان کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ کھانے سے پہلے ان پتلیوں کے منہ پر نوالے لگاتے تھے۔

شمال کی ان آندھیوں سے مغل بہت خوفزدہ رہتے تھے۔ یہ دراصل برف پوش ٹنڈرا کی تیز ہوائیں تھیں جو چلتیں تو ہر چیز کو برباد کر ڈالتی تھیں۔ ان آندھیوں کا نام بوران رکھا گیا تھا۔

ان آندھیوں کے دوران مغل اپنے جسم پر بھیڑ اور ہرن کی کھالیں لپیٹ کر خیمے کے الاؤ کے گرد لیٹ جاتے تھے۔ یہ آندھیاں اکثر مغل مردوں اور عورتوں کو ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا کر دیتی تھیں۔

مغل مرد تو ہسٹیریا کی جنونی کیفیت کو کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیتے تھے لیکن اگر یہ مرض کسی مغل عورت کو لگ جاتا تو اس کا برا حال ہو جاتا۔

وہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتی اور جسم کو لوہے کے نکیلے ٹکڑوں (چاقو) سے لہولہان کر ڈالتی۔ اس کا یہ مرض شامان بھی دور نہ کر پاتے اور پھر جب بہار کا موسم آتا تو یہ دورہ خود بخود ختم ہو جاتا۔

موسم بہار میں مغل اپنی چوڑی گاڑیوں کو جنہیں کبت کہا جاتا تھا، جنوب میں نچلی زمینوں کی طرف لے جاتے۔ ان گاڑیوں کو بیل کھینچتے تھے۔

ایک فرانسیسی راہب جس کا نام ولیم آف روبروک تھا، اس کا بیان ہے کہ:

"جب میں مغلوں کے درمیان پہنچا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی اور دنیا

میں آگیا ہوں"۔

ولیم نے سب سے پہلے ان مغلوں کو "تاتاری" کا نام دیا تھا۔ راہب کہتا ہے:

"تاتاریوں کا اپنا کوئی شہر نہیں۔ وہ اپنے مستقبل سے آگاہ نہیں لیکن یہ ضرور جانتے ہیں کہ ان کی چراگاہوں کی حدیں کہاں سے شروع ہو کے کہاں پر جا کے ختم ہو جاتی ہیں۔

ان کی گرمیوں اور جاڑوں کی چراگاہیں الگ الگ تھیں۔ گرمیوں میں یہ مغل جنوب کی طرف چلے جاتے ہیں کیونکہ جاڑوں میں شمالی علاقوں میں پانی نہیں ملتا اور زمین پر برف جم جاتی ہے۔

مغلوں کی چوڑی گاڑیاں جن پر وہ اپنے خیمے نصب کرتے ہیں ان کے دو پہیوں کا درمیانی فاصلہ عام طور پر بیس فٹ ہوتا تھا اور ان کے خیموں کے اندر ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی تھی۔

ایک ایک گاڑی میں بیس بیس، بائیس بائیس بیل جوتے جاتے تھے۔ شادی شدہ عورتیں اپنے لیے خوبصورت گاڑیاں بنواتی تھیں۔

جب ان گاڑیوں سے اتار کر خیمے نصب کیے جاتے تو ان کے دروازوں کا رخ ہمیشہ جنوب کی طرف ہوتا تھا اس لیے کہ شمال کی جانب سے سرد ہوا کے جھکڑ آتے تھے۔ ایک ایک مغل امیر کے پاس سو سو، دو دو سو گاڑیاں ہوتی تھیں۔

ان خیموں کے نصب کرنے کے بعد بھی انہوں نے کچھ اصول بنا رکھے تھے۔ ان کا پہلا اصول یہ تھا کہ ان کی پہلی بیوی کا خیمہ ان کے خیمے کے مغرب میں نصب کیا جاتا اور باقی بیویوں اور دوسرے عزیز واقارب کے خیمے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے مشرقی جانب نصب کیے جاتے تھے۔"

راہب ولیم مزید کہتا ہے کہ:

"جب میں نے خیموں کے ایک کارواں کو سفر کرتے دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے پورا شہر سفر میں ہے۔ گاڑیوں کے ساتھ ساتھ بیلوں، گھوڑوں اور بھیڑوں کے گلے بھی چلتے تھے۔ ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ انہیں گننا مشکل تھا۔"

"سفر ختم ہونے کے بعد جب خیمے گاڑیوں سے اتار کے نصب کیے جاتے ہیں تو

صاحب خیمہ کا بستر دروازے کے مقابل لگایا جاتا ہے اور اس کے سرہانے اون کی بنی ہوئی ایک پتلی لٹکا دی جاتی ہے۔ اس پتلی کو خیمے کے مالک کا بھائی کہا جاتا ہے۔

جب مغل شراب پینے کے لیے خیمے میں اکٹھے ہوتے ہیں تو پہلے شراب یا دودھ کے چھینٹے اس پتلی کو مارتے ہیں یعنی اس پتلی کو شراب پہلے پیش کی جاتی ہے۔

اس کے بعد نوکر شراب لے کر باہر جاتا ہے اور جنوب کی طرف تین بار شراب کے چھینٹے دیتا ہے۔ یہ لوگ اسے آگ کو "نذر" دینا کہتے ہیں۔

اسی طرح نوکر مشرق میں شراب چھڑک کر "ہوا" کو نذر دیتا ہے۔ پھر شمال میں مُردوں پر نذر چڑھاتا ہے۔

نذریں چڑھانے کے بعد نوکر خیمے میں آتا ہے اور شراب کا پیالہ مالک اور اس کی بیوی کے سامنے رکھتا ہے جو بستر پر بیٹھے ہوتے ہیں۔

جب مالک شراب پیتا ہے تو نوکر آواز لگاتا ہے:

"آئی!"

اور مغنی اسی وقت گیت گانا شروع کر دیتا ہے۔ بڑی بڑی اخود ور (دعوت) میں مہمان تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ مہمان مرد مالک کے سامنے اور مہمان عورتیں مالکہ کے سامنے ناچتے ہیں۔ جب جشن فتح کی اخود ور منعقد ہوتی ہے تو اس میں مغل شراب پی کر مدہوش ہو جاتے ہیں۔

اگر مغل کسی شخص کی عزت افزائی کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جام بھرا جاتا ہے۔ اسے ایک شخص اٹھا لیتا ہے۔ پھر دو آدمی اور اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور یہ تینوں ناچتے گاتے اس شخص کی طرف جاتے ہیں اور وہ جام اسے پیش کرتے ہیں۔"

راہب ولیم کا بیان ہے کہ:

"مغل عورتیں بھی مردوں کی طرح زین کے دونوں طرف پیر پھیلا کے گھوڑے پر سوار ہوتی ہیں[1]۔ مغل خواتین لبادے پر گہرے نیلے کمربند باندھتی ہیں اور سینے پر ایک

1۔ پتہ نہیں راہب کو یہ بات عجیب کیوں معلوم ہوئی جبکہ یورپین عورتیں آج بھی گھوڑے پر دونوں طرف ٹانگیں لٹکا کر بیٹھتی ہیں۔

اور رومال باندھتی ہیں۔"

ولیم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ:

"وہاں بیوی کو خریدنا پڑتا ہے۔ اگر کسی عورت کو نہ خریدا جائے تو وہ تمام عمر یونہی بیٹھی رہتی ہے۔"

راہب کے اس بیان سے اختلاف کی گنجائش ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے قبیلے میں پہنچا ہو جہاں بیوی خریدی جاتی ہو، ورنہ عام طور سے مغل شادیاں کرتے تھے جیسا کہ چنگیز خان کی شادی کی تفصیل سے ظاہر ہے۔

مغلوں میں یہ بھی دستور تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹے کو ورثہ میں املاک کے علاوہ مرنے والے کی تمام بیویاں بھی مل جاتی تھیں۔ بیٹا سوائے اپنی سگی ماں کے باقی تمام سوتیلی ماؤں کے ساتھ رشتۂ ازدواج جوڑ سکتا تھا۔

اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کے خیمے پر ایک نشان لگا دیا جاتا تاکہ کوئی بیمار کے پاس نہ جائے۔ امیروں کی بیماری کی صورت میں جگہ جگہ پہرے دار مقرر کر دیے جاتے تاکہ کوئی بیمار کے پاس نہ جا سکے۔

ان کا اعتقاد تھا کہ اجنبیوں کے ساتھ گندی بلائیں اور بری ہوائیں بیمار کے پاس چلی جاتی ہیں جس سے اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ جادوگروں اور نجومیوں کو عام طور پر پجاری سمجھتے تھے جنہیں شامان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔ میں بابر بادشاہ کی بیٹی اور شہنشاہ ہمایوں کی بہن ہوں۔

میں بورتائی اور تموجن چنگیز خان کی شادی کے سلسلے میں یہ بات بیان کر چکی ہوں کہ بورتائی کے باپ نے بیٹی کی رخصتی کے وقت سمور کا ایک لبادہ چنگیز خان کی والدہ کے لیے بطور تحفہ روانہ کیا تھا۔ اسے ایک ملازم بطور خاص اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

سمور کا یہ لبادہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس لیے جب چنگیز خان نے قرایت قبیلے کے بوڑھے ترک سردار طغرل خان کے یہاں جانے کا ارادہ کیا تو وہ ماں کے لیے تحفہ میں آئے ہوئے سمور کے اس لبادے کو اپنے ساتھ لیتا گیا تاکہ اسے طغرل خان کو تحفہ میں پیش کرے۔

میں طغرل خان کا ذکر ایک سے زیادہ بار کر چکی ہوں۔ یہ وہی طغرل خان تھا جو چنگیز خان کے باپ یسوکائی کا گہرا دوست تھا اور ان دونوں نے منہ بولے بھائی بننے کی قسم کھائی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس رشتے سے چنگیز خان بوڑھے سردار کا بھتیجا

ہوتا تھا لہٰذا اگر وہ کسی موقع پر اس سے مدد طلب کرتا تو طغرل انکار نہ کر سکتا تھا۔

مگر چنگیز خان کی فطرت عجیب تھی۔ اس کے باپ یسوکائی کے مرنے کے بعد شملک کے تائی جوت جنگجوؤں نے اس کے قبیلے پر حملہ کر کے اسے تہس نہس کر ڈالا تھا اور چنگیز خان اور اس کی ماں، بہن بھائی سب کے سب دربدر ہو گئے تھے لیکن ان ٹوٹے ہوئے حالات میں بھی چنگیز خان صرف اپنے دست و بازو پر بھروسہ کرتا رہا اور اس نے کسی سے بھی مدد لینے کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

اس خانماں بربادی اور دربدری کے زمانے میں اگر چنگیز خان خواہش کرتا تو اسے اپنے دو حلیفوں سے مدد مل سکتی تھی ان میں سے ایک تو بورتائی کا باپ تھا۔ اس وقت چنگیز اور بورتائی کی شادی طے ہو چکی تھی اور چنگیز ایک طرح سے اس کا داماد تھا۔

بورتائی کا باپ کوئی معمولی آدمی نہ تھا بلکہ وہ ایک بڑا مغل سردار تھا لیکن چنگیز خان اس وقت تک اس کے پاس نہ گیا جب تک اس نے اپنی سرداری کی حیثیت بحال نہ کر لی۔

دوسرا حلیف، اس کے باپ کا دوست اور منہ بولا بھائی قرایت قبیلے کا سردار بوڑھا طغرل خان تھا جو باپ کے حوالے سے چنگیز خان کو مدد دینے پر اخلاقی طور پر پابند تھا لیکن چنگیز خان نے اس کی طرف بھی نظر نہ اٹھائی اور آپ ہی اپنی مصیبت جھیلتا رہا۔

ایک روایت ہے کہ مشکل کے دنوں میں جب چنگیز خان در بدر بھٹکتا پھر رہا تھا تو اس کے ایک ساتھی نے کہا:

"خان! تم قرایت قبیلہ کے سردار طغرل سے مدد کیوں حاصل نہیں کرتے۔ وہ تمہارے باپ کا منہ بولا بھائی ہے اور ان دونوں نے یہ قسم بھی کھائی تھی!"

اس مشورہ کا چنگیز خان نے جواب دیا:

"خالی ہاتھ بھکاریوں کی طرح طغرل خان کے پاس جانے سے اس کی رفاقت تو حاصل ہو گی نہیں۔ الٹا میں اس کی نظر میں اور حقیر ہو جاؤں گا۔"

مگر آج ——

آج وہ خوشی خوشی طغرل خان سے ملنے جا رہا تھا۔ اس لیے کہ اب اس کے حالات درست تھے۔ اس نے ایک بڑے سردار کی چھوٹی سی ناک والی حسین بیٹی بورتائی کے ساتھ شادی بھی کر لی تھی اور اب وہ تحفے میں طغرل خان کو سمور کا لبادہ بھی دے سکتا تھا۔

طغرل خان ایک صلح پسند اور صاحبِ کردار سردار تھا۔ وہ خود تو عیسائی نہ تھا مگر اس کے قبیلے والے عام طور پر نسطوری عیسائی تھے۔ طغرل خان کا قرایت قبیلہ ان دریائی زمینوں کا مالک تھا جہاں پر اب درجہ کا کا شہر آباد ہے۔ وہ تجارت کر پسند

کرتا تھا اس لیے تاجرانہ عیش و عشرت کا دلدادہ بھی تھا۔

O

طغرل خان نے مسند سے کھڑے ہو کر چنگیز خان کو گلے لگایا۔ چنگیز خان نے اسے سمور کے لبادے کا تحفہ پیش کیا۔
طغرل خان کو وہ لبادہ بے حد پسند آیا۔ اس نے شکریہ ادا کیا اور کہا:
"تموچن! تم پانچ سال پہلے کتنے چھوٹے سے تھے۔ اب تم ایک بھرپور جوان ہو۔ میں تمہاری ترقی کے لیے دعا بھی کروں گا اور کوشش بھی!"
"میں سردار کی مشفقانہ اور پُرخلوص باتوں کے لیے شکر گزار ہوں"۔ چنگیز خان نے بھی بڑے خلوص سے سردار طغرل خان کا شکریہ ادا کیا۔
سردار نے اسے تموچن کے نام سے مخاطب کیا تھا حالانکہ اب وہ چنگیز خان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کی بھی وضاحت کر دی۔
"سردار محترم نے مجھے تموچن کے نام سے مخاطب کیا تو مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا۔ میرا اصل نام تموچن ہی ہے لیکن اب لوگوں نے مجھے چنگیز خان کا نام دے دیا ہے۔"
"اچھا اچھا...."
طغرل خان کچھ سوچتے ہوئے بولا:
"اب معلوم ہوا کہ چنگیز خان ہی میرے یار یسوکائی کا بیٹا ہے۔ تمہاری بہادری کے تو میں نے بہت چرچے سنے ہیں۔"
پھر ذرا رک کر اس نے مزید کہا:
"یہ تو بتاؤ کہ تم پر اتنی مصیبتیں پڑیں مگر تم نے مجھے یاد کیوں نہیں کیا۔ کیا میں تمہارے باپ کا دوست نہیں یا پھر تم نہیں جانتے کہ میں نے تمہارے باپ کی مدد کرنے کی قسم کھائی تھی؟"
"مجھے ہر بات کا علم ہے بڑے خان!"
چنگیز خان نے جواب دیا:
"میں نے آپ کو اس لیے تکلیف نہیں دی کہ ان مشکلات پر میں خود قابو پا سکتا تھا۔ میں نے سوچا، ان معمولی باتوں کے لیے آپ کو کیوں زحمت دوں۔ ہاں اگر کوئی ایسا موقع آیا تو میں آپ کو اور آپ کے قبیلے کو اپنی مدد کے لیے ضرور آواز دوں گا۔"

"میں تمہاری ہمت اور شجاعت کی داد دیتا ہوں تموچن چنگیز خان!"
سردار طغرل خان، جو نسلاً ترک تھا، نے چنگیز خان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:
"مجھے تعجب ہے کہ تم نے سولہ سترہ سال کی عمر میں دشمنوں کا مقابلہ کس طرح کیا ہو گا۔ بہر حال چنگیز خان! ایک بات کا ضرور خیال رکھنا کہ اب اگر تم کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے تو مجھے ضرور اطلاع بھیجنا ورنہ میں جو تمہارے باپ کی مانند ہوں، تم سے خفا ہو جاؤں گا۔"
"سردار طغرل خان!"
چنگیز خان نے فرطِ جذبات سے اپنے سر پر رکھا ہوا اس کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگا کر کہا:
"آپ اطمینان رکھیے۔ میں آپ کو اپنا باپ یسوکائی سمجھتا ہوں اور آج سے آپ کو طغرل خان کے بجائے "بابا خان" کہا کروں گا جو میں اپنے باپ کو کہتا تھا۔"
چنگیز خان کئی روز طغرل خان کا مہمان رہا اور اس نے بھی اسے اپنے بیٹے کی طرح عزت و حرمت سے مہمان بنا کر رکھا پھر جب چنگیز واپس جانے لگا تو اس نے اس کے ساتھ کئی قیمتی تحائف کر دیے۔
چنگیز خان جس شان سے طغرل خان کے پاس گیا تھا اسی شان سے واپس آیا۔ اس نے بڑے خان سے کسی قسم کی مدد کی التجا نہ کی، صرف تحائف کا تبادلہ کیا۔

O

اس دنیا کی ہر چیز غیر اختیاری ہے۔ موت و زندگی، اچھے برے دن، ہر شے دھوپ چھاؤں کی طرح ہے۔ چنگیز خان نے بورتائی کے باپ اور قرایت کے خان طغرل پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ بغیر کسی کی مدد کے اپنا وقار قائم رکھ سکتا ہے بلکہ اس میں اضافہ بھی کر سکتا ہے۔

لیکن۔۔۔

حالات پر کسی کا قابو نہیں ہوتا اور نہ حالات بدلتے دیر لگتی ہے۔ چنانچہ چنگیز خان کے حالات نے بھی ایک بار پھر پلٹا کھایا اور اس کے وقار و عزت کی بازی لگ گئی۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے اور میں بابر بادشاہ کی بیٹی ہوں۔

میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ چنگیز خان کا باپ یسوکائی شادی کی ایک اخودورے میں اس وقت دلہن کو اٹھا لایا تھا جب وہ اپنے دولہا کے ساتھ رخصت ہونے والی تھی۔

یہ دلہن اولون تھی، جو اب چنگیز خان کی ماں تھی۔

اولون کا تعلق قبیلہ مکریت سے تھا جو شمال کے یخ بستہ علاقے ٹنڈرا میں بستا تھا اور اس کے باسیوں کو برفپوش سرزمین کی نسبت سے "سفید نام نہاد لوگ" کہا جاتا تھا۔

مکریت کھرے وحشی تھے۔ ٹنڈرا کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھے اور سترہ سال گزر جانے کے باوجود اس زخم کو نہ بھول سکے تھے جو یسوکائی نے انہیں دیا تھا۔

پس صحرائے گوبی کے برف پوش علاقوں کے جنگجو ایک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ٹنڈرا کے اس علاقہ میں

جنوبی علاقوں کی طرح بیل گاڑیاں نہ چلتی تھیں بلکہ وہاں بے پہیہ گاڑیوں سلیج کا رواج تھا جنہیں برفانی کتا اور ہرن یعنی رینڈیئر کھینچتے تھے۔

چنانچہ مکریت قبیلے نے چنگیز خان کے قبیلہ "باکا" پر زبردست یورش کی۔ ہزاروں کی تعداد میں مکریت سوار جلتی ہوئی مشعلیں پھینکتے ہوئے چنگیز خان کے اردو میں داخل ہوئے اور انہوں نے تباہی مچا دی۔

یہ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ چنگیز خان کچھ بھی نہ کر سکا۔ مغل جوان شراب کے نشے میں دھت بے سدھ پڑے سو رہے تھے۔ کسی نیر قبیلہ کا حملہ ان کے تصور میں بھی نہ تھا۔ شب بیدار پہرے داروں نے بھی ضرور غفلت برتی ہوگی اور انہیں بھی اس یورش کا اس وقت علم ہوا ہوگا جب حملہ آور خیمہ گاؤں میں داخل ہو چکے ہوں گے اس لیے اس افراتفری میں کوئی بھی کچھ نہ کر سکا۔

چنگیز خان یقیناً بہادر تھا مگر بہادری تو اس وقت دکھائی جاتی ہے جب اس کا موقعہ ملے۔ یہ کئی ہزار شمالی جنگجوؤں کا اچانک حملہ تھا جو بہادری میں مغلوں سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ انتقامی جذبے نے انہیں اور زیادہ پُرجوش بنا دیا تھا۔ اور وہ وحشی ہوئے جا رہے تھے۔

چنگیز خان اور مغلوں کی یہ خصلت تھی کہ اگر وہ اچانک گھیرے میں آ جاتے تو اس وقت وہ اپنی اور صرف اپنی جان بچانے کی فکر کرتے۔

چنگیز خان نے بھی اسی خصلت کا سہارا لیا۔

وہ بھول گیا کہ خیمہ گاہ میں اس کی محبت کرنے والی ماں اولون ہے۔

نئی نئی دلہن بورتائی ہے۔

اس کے چھوٹے بھائی اور بھتیجے ہیں۔

سب کو بھول کے اسے صرف یہ یاد تھا کہ کسی طرح بچ کے خود اس قیامت سے نکل جائے۔ سو اس نے اپنی تمام تر توانائیاں اپنے آپ کو بچانے اور فرار ہونے میں صرف کر دیں۔

شمز ورا اور پھرتیلے چنگیز خان نے ترکش اور کمان سنبھالا۔ اچک کے گھوڑے پر سوار ہوا اور اب اس کے ہاتھ میں کمان تھی جس میں تیزی سے تیر جڑتے اور نکلتے تھے۔

اس طرح وہ تیر پھینکتا دشمن کے نرغے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی جان بچاتے ہوئے جلتے ہوئے خیموں سے بہت دور نکل گیا۔

مکریت قبیلے کا مقصد تو صرف انتقام لینا، یسوکائی کے قبیلے باکا کو تباہ کرنا تھا۔ سو انہوں نے اپنا یہ کام پورا کیا۔ تمام خیمے جلا دیے۔ جو مقابلے پر آیا مار ڈالا۔ صرف وہ جو چنگیز خان کی طرح جان بچا کر نکل سکتے تھے، وہی ان کے

ہاتھ سے پکڑ پائے۔

یاکا قبیلے کے تمام عورتوں کو حملہ آور سردار کے سامنے پیش کیا گیا۔

سردار نے پوچھا:

"یاکا کے سردار کی بیوی کون ہے؟"

تمام عورتیں خاموش کھڑی رہیں۔ ان میں اولون اور بورتائی بھی تھیں۔ حملہ آور سردار پھر بولا:

"اگر یاکا سردار کی بیوی سامنے نہ آئی تو تمام عورتوں کو قتل کر دیا جائے گا۔"

اس وقت بورتائی نے سینکڑوں جلتی ہوئی مشعلوں کی روشنی میں اولون کی طرف دیکھا جو اس کے بالکل ساتھ ہی کھڑی تھی۔

دونوں نے نظروں ہی نظروں میں کچھ باتیں کیں۔ پھر بورتائی نے اپنی قربانی پیش کی۔ اس نے اپنی جگہ سے دو قدم آگے بڑھ کے کہا:

"میں قبیلہ سردار چنگیز خان کی بیوی بورتائی خاتون ہوں۔ تم مجھے قتل کر دو مگر باقی تمام عورتوں کو چھوڑ دو۔"

"بورتائی...!"

حملہ آور سردار نے کئی بار یہ نام دہرایا۔ پھر بولا:

"گھبراؤ نہیں بورتائی۔ ہم کسی عورت کو قتل نہیں کریں گے صرف تم ہمارے ساتھ چلو گی۔"

پھر سردار نے ایک دوسرے سوار سے کہا:

"میں بورتائی تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ اسے سنبھالو۔"

مکریت سوار گھوڑا بڑھا کر بورتائی کے پاس پہنچا اور بولا:

"چپ چاپ سوار ہو جاؤ۔ ورنہ...."

جملہ ادھورا چھوڑ کے اس نے اپنا بایاں ہاتھ بورتائی کی طرف بڑھا دیا۔

بورتائی نے تمام عورتوں کی اشک آلود آنکھوں کو دیکھا۔ پھر سوار کے ہاتھ کے سہارے اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

"ہمارا انتقام پورا ہو گیا۔"

یہ آواز مکریت کے حملہ آور سردار کی تھی۔

اس کے ساتھ ہی اس نے گھوڑا موڑا اور تمام حملہ آور دم کے دم میں نظروں سے اوجھل ہو کر شمال میں ڈوب گئے۔ یاکا کے تمام خیمے جل چکے تھے اور عورتیں سوگوار کھڑی تھیں۔

مشہور ہے کہ بہادر لوگ شکست سے دلبرداشتہ نہیں ہوتے بلکہ پہلے سے زیادہ پرعزم ہو جاتے ہیں اور حوصلہ مند بن کر ابھرتے ہیں۔

یہی چنگیز خان کے ساتھ ہوا۔

خطرہ ٹل جانے کے بعد وہ اپنی خاکستر خیمہ بستی میں آیا۔ وہ بچے کچھے لوگ جو اس کی طرح جان بچا کر بھاگ گئے تھے، وہ سب بھی ایک ایک کر کے لوٹ آئے۔

"تموجن!"

اولون نے بڑے دکھ کے ساتھ چنگیز خان کو بتایا:

"جانتے ہو یہ حملہ آور کون تھے؟"

"نہیں ماں!"

چنگیز خان نے جواب دیا:

"میں نہیں جان سکا۔"

"یہ تیری ننھیال والے تھے۔" اولون نے انکشاف کیا۔

"ننھیال والے؟" اس نے حیران نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں!"

اولون خاتون نے آہ بھر کر کہا:

"یہ مکریت قبیلے کے منیدو نیا والے لوگ تھے۔"

اس نے یادوں کے اوراق الٹنا شروع کیے:

"یہ سب میرے گھر والے تھے۔ سترہ سال پہلے جب میری شادی ہو رہی تھی اور میرا ہونے والا شوہر مجھے لے کر جانے والا تھا کہ تیرا باپ یسوکائی مجھے بھری محفل سے کھینچ کے اپنے گھوڑے پر ڈال کر اپنے قبیلے میں لے آیا۔ پھر میں اس کی بیوی بن گئی اور تم لوگ پیدا ہوئے۔

مکریت والے اس بات کو نہ بھولے اور انتقام کی آگ ان کے دل میں سلگتی رہی۔ آج سترہ سال بعد انہوں نے تمہاری بیوی کا اغوا کر کے بدلہ لے لیا۔"

"میں نے یہ باتیں کچھ کچھ سنی ہیں ماں"۔

چنگیز خان افسردگی سے بولا:

"مگر یہ بتا ماں۔ کیا تجھے بورتائی کے اس طرح اٹھائے جانے کا افسوس نہیں ہوا؟"

"بہت افسوس ہوا تموجن!"

اولون نے بڑے استقلال سے کہا،

"ایک تو اس بات کا افسوس ہوا کہ وہ لوگ میری بہو اور تیری بیوی کو اٹھا کر لے گئے۔ دوسرے اس بات کا اور زیادہ افسوس ہوا کہ سفید دنیا والوں نے دن دہاڑے نہیں بلکہ رات کے اندھیرے میں حملہ کیا جبکہ قبیلے والے بے خبر سو رہے تھے۔ یہ ان کی بزدلی ہے۔ کیونکہ تیرے باپ نے مجھے سب کے سامنے محفل سے اٹھایا تھا اور بھری محفل میں کسی میں یسوکائی کو روکنے کی ہمت نہ پیدا ہوئی تھی۔"

"ہاں۔ تیری باتوں نے مجھے بہت سہارا دیا ہے۔"

چنگیز خان نے شمال کی طرف دیکھ کر کہا:

"اے سفید دنیا کے لوگو! ہوشیار ہو جاؤ۔ تم نے بدلہ لینے میں سترہ سال لگا دیے مگر میں ایک سال بھی پورا نہیں ہونے دوں گا اور اپنی پیاری بورتائی کو تمہارے چنگل سے آزاد کرا لاؤں گا۔"

O

دو تین ہفتوں میں چنگیز خان نے خیمے اور گاڑیاں از سر نو تیار کرا لیں اور اس کا خیمہ گاؤں ایک بار پھر سے آباد ہو گیا۔

اب یاکا اور اس کے حلیف قبائل کے ہر جوان کا سینہ جوشِ انتقام سے بھڑک رہا تھا۔ ان کے کان چنگیز خان کے اس حکم کے منتظر تھے:

"چلو سفید دنیا کے لوگوں پر حملہ کر دو۔"

چنگیز خان کو یہ حکم دینے سے پہلے بہت سی تیاریاں کرنا تھیں۔ اسلحہ جمع کرنا تھا۔ گھوڑے تیار کرنے تھے اور دوسرے قبائل کی مدد حاصل کرنا تھی۔

اتنے انتظامات کرتے کرتے اسے کئی ماہ لگ گئے۔ ان انتظامات کے بعد وہ اپنے باپ کے دوست قرایت قبیلہ

"بابا خان!"

چنگیز خان دکھ بھرے لہجے میں کہا:

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"چنگیز خان!"

طغرل خان نے اسے کھینچ کے اپنے برابر بٹھا لیا:

"کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں صحرائے گوبی، منگولیا، منچوریا اور شمالی برفستان کے حالات سے بے خبر ہوں۔ تیرے اوپر جو ظلم ہوا ہے میں اس سے واقف ہو چکا ہوں۔

اور سن! میں نے اپنے جنگجوؤں سے کہہ دیا ہے کہ اگر چنگیز خان، شمال کے مکریت قبیلہ کی طاقت سے گھبرا گیا ہے تو اس سوگند کی قسم جو میں نے تیرے باپ یسوکائی سے کھائی تھی کہ میں مکریت قبیلہ سے اپنے دوست کے بیٹے کا بدلہ لینے کیلئے بھی جاؤں گا۔"

"بابا خان! آپ کو اپنی قسم کا کس قدر خیال ہے!"

چنگیز خان جذباتی ہو گیا:

"میں آپ کو بابا خان کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔ سفید دنیا کے لوگوں نے میرے قبیلے پر حملہ کیا ہے میں آپ کی مدد سے ان سے بھرپور انتقام لوں گا۔"

"شاباش چنگیز خان!"

طغرل خان نے اسے شاباشی دی:

"دراصل بہادر لوگ وہی ہوتے ہیں جو شکست سے بددل ہونے کے بجائے دشمن سے بدلہ لینے کا عزم رکھتے ہیں۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ قرایت قبیلے کے تمام جنگجو تمہاری سرداری میں، اس یلغار پہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے!"

چنگیز خان، قرایت کے سردار طغرل خان سے مدد کا وعدہ لے کر اپنے خیمہ گاؤں واپس آ گیا۔ اس نے اپنے سواروں کو کیل کانٹے سے لیس کیا۔ پھر حملہ کی مقررہ تاریخ سے دو راتیں پہلے اس نے طغرل خان کے جنگجوؤں کو اپنے خیمہ گاؤں میں بلوا لیا۔

اس سے اگلی رات کو قرایت اور یاکا قبیلے کے جنگجو سوار گھوڑوں سے گھوڑے ملائے شمال کی سفید دنیا کے لوگوں سے انتقام لینے چلے جا رہے تھے۔

شمال کے برف سے منجمد علاقوں میں کھلے میدان اور گرتی برف کے نیچے ان لوگوں کے خیمے ایستادہ ہوتے

تھے۔ یہ خیمے چمڑے کے ہوتے تھے۔

ان خیموں کے علاوہ بعض لوگ برف کھود کر اس کے اندر بھی خیمے لگاتے تھے۔ اس طرح ان کے گھروں میں اوپر نیچے اور دائیں بائیں، ہر طرف برف ہی برف ہوتی تھی۔

شمال کے مکریت قبیلے نے جب چنگیز خان پر یورش کی تھی تو وہ رات اندھیری تھی لیکن چنگیز خان جب اپنے حلیف قرایت سواروں کے ساتھ مکریت پر حملہ آور ہوا تو وہ رات چاندنی تھی۔

سفید دنیا کے لوگوں کے خیمے دور سے دکھائی دے رہے تھے۔ چنگیز خان نے بھی انہیں غفلت میں جا دبوچا۔ وہ سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ چنگیز نے ان کی خیمہ بستی پر حملہ کر دیا۔

حملے کے دوران چنگیز خان کی عجب کیفیت تھی۔ وہ درہم برہم خیموں کے درمیان تیزی سے گھوڑا بھگاتا پھر رک کر پوری آواز سے پکارتا:

"بورتائی! تم کہاں ہو؟"

ہر طرف اس کی آواز گونج رہی تھی اور اس کی گونج ہر خیمہ میں خواہ وہ سلامت ہو یا برباد ہو گیا ہو' برابر پہنچ رہی تھی۔

پھر اس گونج میں ایک باریک گونج بھی شامل ہو گئی:

"تموچن! تمہاری بورتائی یہاں ہے"۔

اس آواز نے تموچن چنگیز خان کے جسم میں جیسے بجلیاں بھر دیں۔ وہ خیمے پھلانگتا آواز کی طرف چلا۔ پھر کسی طرف سے بورتائی دوڑتی آئی:

"تموچن! تموچن!"

"بورتائی! بورتائی!"

دونوں آوازیں یکجا ہو گئیں۔

بورتائی نے قریب پہنچ کے چنگیز خان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ وہ گھوڑے سے کود پڑا۔ پھر اس نے بورتائی کو سینے سے لگا کر گھوڑے پر سوار کرایا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

اس نے اپنے جانبازوں اور جنگجوؤں کو مخاطب کیا:

"اے قبیلہ قرایت اور یاکا کے بہادرو! میرا انتقام پورا ہوا اور میں جسے ڈھونڈ رہا تھا وہ مجھے مل گئی"۔

اس کے بعد اس نے اور اس کے ساتھیوں نے گھوڑے موڑ کے لگامیں جو اٹھائیں تو اپنے خیمہ گاؤں میں جا کر ہی دم لیا۔ ان کے پیچھے سفید دنیا والوں کے خیمے ماتم کناں تھے۔

پھر جب چنگیز خان کا پہلوٹھی کا لڑکا پیدا ہوا تو وہ اپنے آپ کو یقین دلانے میں ناکام رہا کہ وہ لڑکا واقعی اسی کا ہے۔

اس کے بعد چنگیز خان اور بورتائی کے کئی اور بیٹے ہوئے مگر اس نے بورتائی کے ان بیٹوں کے درمیان کوئی فرق نہ کیا اور یہ کہ وہ بورتائی سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور بورتائی کو بھی اس سے بے حد محبت تھی۔

○

لوگ کہتے ہیں کہ بورتائی کی جبلت میں یہ بات داخل تھی کہ وہ آنے والے خطرے کو فوراً جان جاتی تھی جیسے اسے کوئی چپکے سے بتا دیتا ہو۔

کئی بار ایسا ہوا کہ دشمنوں نے سوتے میں چنگیز خان کو قتل کرنے کی سازش کی مگر بورتائی کو ہر مرتبہ خطرے کی بو مل گئی۔ اس نے پہرے داروں کو ہوشیار کر دیا اور چنگیز خان صبح تک بے خبر سوتا رہا۔

صبح کو جب چنگیز خان بیدار ہوا تو بورتائی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کر کے کہا:

"اگر تیرے دشمن تیرے بہادروں کو جو دیوار کی طرح سر بلند ہیں، قتل کر ڈالیں تو تیرے چھوٹے چھوٹے بچوں کا کیا ہو گا؟"

بورتائی کے علاوہ چنگیز خان کی اور بیویاں بھی تھیں اور ان کے بچے بھی ہوئے لیکن انہوں نے کوئی ایسا کارنامہ انجام نہ دیا جس سے ان کا نام تاریخ میں آتا۔

صحرائی قبیلوں کے وہ خانہ بدوش جو دیوارِ چین کے اس طرف گھومتے رہتے تھے، ان کی خانہ جنگیوں میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس وقت چنگیز خان کا قبیلہ ہی ایسا کمزور تھا جس پر مشرق اور مغرب سے یلغار ہوتی تھی۔ مغرب کے تاتاری اور مشرق کے تائیجوت قبائل اسے برابر پریشان کرتے رہتے تھے۔

مغرب کے تاتاری اسی قبیلے کے افراد تھے جنہیں شہنشاہ چین اس بات کی رشوت دیتا تھا کہ وہ شمال کے ان خانہ بدوشوں کو ایسی لڑائیوں میں الجھائے رکھیں کہ وہ جنوب کا رخ نہ کر سکیں۔

قرایت کے سردار طغرل خان کی دوستی اور مدد نے اسے بڑا سہارا دیا اور اس پر دشمنوں کی یلغاروں میں خاصی کمی آ گئی تھی۔

چنگیز خان کی بے انتہا جسمانی طاقت اور بورتائی کی خطرہ محسوس کر لینے کی جبلت اس کی جان بچاتی چلی آ رہی تھی۔

ایک مرتبہ دشمنوں سے لڑائی میں ایک تیر اس کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ وہ زخمی حالت میں برف پر گر پڑا۔ دشمن کے آدمیوں نے اسے ٹٹولا اور اس کے مرنے کا اعلان کر دیا۔

ان کے جانے کے بعد چنگیز خان کے دو آدمیوں نے اسے اٹھایا اور خیمہ گاہ میں لے گئے۔ حلق سے تیر نکالا اور وہ پھر پہلے جیسا تندرست اور شہ زور ہو گیا۔

چنگیز خان کے رفیق واقعی اس کے سچے رفیق تھے۔ جب وہ زخمی ہوتا تو وہ اس کے زخموں سے خون چوستے اور برف پگھلا کر اس کے زخم دھوتے۔

ایک بار چنگیز خان ایک مہم کے دوران زیادہ ہی بیمار ہو گیا۔ اس کے رفیقوں نے اس کے لیے دشمن کے خیموں میں چوری کی اور اسے غذا مہیا کی اور برفانی ہواؤں سے بچانے کے لیے اس پر چمڑے کے بادبانی کا سایہ کیے رہے اور وہ آرام سے سوتا رہا۔

ایک دفعہ چنگیز خان کسی دوست قبیلے کی دعوت میں گیا۔ مغلوں کو معلوم تھا کہ دوستوں کی دعوت میں بھی زہر دے کر مارنے اور دوسرے حیلے بہانوں سے قتل کرنے کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ خود چنگیز خان کے باپ کو ایک دوست قبیلے میں زہر دے کر مارا گیا تھا۔ اس کے باوجود مغل کسی دعوت کو رد نہ کرتے تھے۔

چنگیز خان دعوت میں گیا۔ بڑے خیمے کے اندر قالین کا فرش بچھا تھا۔ چنگیز خان کے لیے نمدے کی ایک مسند لگا دی گئی تھی۔

میزبان نے چنگیز کو مسند کے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت چنگیز خان کی چھٹی حس پھڑکی اور اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

وہ مسند کی طرف بڑھنے کے بجائے تیزی سے پلٹا اور باہر نکل گیا۔ اس کا گھوڑا باہر کھڑا تھا۔ وہ جست لگا کر سوار ہوا اور یہ جا وہ جا۔

اسے بعد میں اطلاع ملی کہ مسند کے پاس قالین کے نیچے ایک گہری خندق کھدی تھی جس میں گرنے کے بعد زندگی کا کوئی تصور ہی ممکن نہ تھا۔

اس جگہ تاتاری اور مغل کا فرق واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یورپ کے لوگ عام طور پر مغلوں کو تاتار اور مغل خاندان کی حکومت کو تاتار کہتے ہیں۔

* تاتار کا لفظ دراصل چینی ہے۔ تاتا یا تاتی کے معنی ہیں دور کے لوگ۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ تاتار یا نے اپنے پڑوسی ہمراز تاتوش کے نام پر اپنے لیے "تاتاری" کا لفظ تجویز کیا ہو۔

چنگیز خان کے بارے میں جو واقعات بیان ہوتے ہیں وہ اگرچہ اپنی جگہ اہم ہیں لیکن اب جس واقعہ کا

کیا جا رہا ہے وہ ایک ایسا معرکہ تھا جس میں مغل قوم کی زندگی داؤ پر لگ گئی اور اس کی فتح و شکست مغل قوم کی زندگی اور موت کا سبب بن گئی تھی۔

چنگیز خان کے مغل جنگجوؤں کی تعداد اب تیرہ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ یہی وقت تھا جب چنگیز خان اپنے "کنبے" کے ساتھ موسم گرما کی چراگاہوں سے موسم سرما کی چراگاہوں کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔

ہزاروں کی تعداد میں خیمہ بردار چھکڑے[1] ایک لمبی وادی میں کھڑکھڑاتے ہوئے رواں دواں تھے۔ ان کی رفتار بے حد سست تھی اور چیونٹیوں کی طرح رینگتے معلوم ہوتے تھے۔

اس سست رو سفر کے دوران ایک پہریدار گھوڑا بھگاتا ہوا چنگیز خان کے پاس پہنچا۔ چنگیز نے فوراً اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں۔ وہ پہریدار کے اس طرح آنے سے چوکنا ہو گیا تھا۔

مغلوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ کسی دور کے سفر پر روانہ ہوتے تو چھکڑوں کے چاروں طرف یعنی شمال، جنوب، اور مشرق، مغرب پر تیز رفتار سوار مقرر کرتے تھے۔

یہ پہریدار اپنی اپنی سمت میں دور دور تک نظریں دوڑاتے چلتے تھے تاکہ کسی طرف سے اچانک دشمن کا حملہ نہ ہو جائے۔

"بڑے خان!"

پہرے دار نے پریشان کن انداز میں کہا:

"افق پر دشمن کا لشکر نظر آیا ہے۔ وہ بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔"

"ان کی تعداد کا اندازہ؟" چنگیز خان نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہم سے تعداد میں دوگنے معلوم ہوتے ہیں۔"

پہریدار تخمینہ لگانے میں بہت ماہر ہوتے تھے۔ اس پہریدار نے انہیں سرسری نظر سے دیکھا تھا مگر اس کا اندازہ تقریباً ٹھیک تھا۔

چنگیز خان نے آنکھیں بند کر کے ایک لمحہ کو سوچا۔ پھر آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت اسے ایک انتہائی اہم فیصلہ کرنا تھا۔

اگر وہ جنگ کا فیصلہ کرتا ہے تو اس میں یہ خطرہ موجود ہے کہ دشمن تعداد میں زیادہ ہے۔ وہ مغلوں کو گھیر کے گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالے گا یا منتشر کر دے گا۔

1۔ خیمہ بردار چھکڑے

دوسری صورت جو ایسے موقعوں پر کامیاب سمجھی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ چنگیز خان اپنی جان بچا کر بھاگ جائے۔ مگر اس کا یہ مطلب تھا کہ اس کے تمام مویشی، عورتیں اور قبیلے کی تمام اشیاء دشمن کے حوالے ہو جائیں گی اور جن کی تباہی یقینی تھی۔

یہ دونوں صورتیں اس کے پیش نظر تھیں۔ تب اس نے فوراً فیصلہ کیا:

"دشمن سے جنگ!"

یہ فیصلہ بڑا مشکل تھا اگر چنگیز خان نے آخری گھڑی تک مقابلہ کا فیصلہ اس وقت سے کیا تھا کہ اس میں امید کی ایک کرن موجود تھی۔ بھاگنے کی صورت میں مکمل تباہی تھی۔ اس وقت پہلے پہر سردار کا دوسرا ساتھی تیزی سے گھوڑا دوڑاتا آیا:

"بڑے خان!"

اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا:

"دشمن کی تعداد ہمارے سواروں سے ڈھائی تین گنا زیادہ ہے۔ تائیجوت کا خان ترغائی لشکر کا سردار ہے"۔

ترغائی خان وہی سردار تھا جس نے چنگیز خان کی باپ لیسوکائی کو زہر دیے جانے کی خبر پا کر چنگیز خان پر جس کی عمر اس وقت ۱۲ سال تھی حملہ کر دیا تھا۔ اور چنگیز خان کو بھاگ کے بڑی مشکل سے جان بچانا پڑی تھی۔

ترغائی خان کو یہ دعویٰ بھی تھا کہ وہ بھوری آنکھوں والے بورجیگون کی نسل سے ہے اور چنگیز خان کی چراگاہ پر اس کا حق ہے۔

اپنے پرانے دشمن کا نام سن کر چنگیز خان نے ایک نئے عزم سے اپنا سر بلند کیا اور فوراً جنگی اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ صفیں باندھ لی جائیں۔

اشارے کی دیر تھی کہ تمام جنگجو گھوڑوں پر سوار ہو کے اپنے اپنے جھنڈوں تلے جمع ہو گئے۔ چنگیز خان نے فوجی دستوں کی ایک صف اس طرح بنائی جس کا ایک پہلو ایک جنگل کی وجہ سے محفوظ تھا۔

اس صف کے دوسرے پہلو پر چنگیز خان نے کبت کے (چھکڑے) کا ایک دائرہ سا بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ دائرہ اندر سے خالی تھا۔

چنگیز خان نے اس خالی جگہ میں قبیلے کے تمام مویشیوں کو بھر دیا اور خالی چھکڑوں میں عورتوں اور بچوں کو بٹھا دیا۔ یہ بچے اگرچہ میدان جنگ میں نہ لڑ سکتے تھے مگر تیر اندازی کر سکتے تھے۔ ہر بچے کو تیر کمان سے مسلح کر دیا گیا۔

اب چنگیز خان اپنے تیرہ ہزار جانثاروں سے تیس ہزار تائیجوت جنگجوؤں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا جو فاصلہ طے کر کے چلے آ رہے تھے۔

تائیجوت پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم تھے اور ہر دستے میں آگے پیچھے سو سو سواروں کی صفیں تھیں ——— اس طرح گہرائی میں ان کی پانچ پانچ صفیں تھیں۔

تائیجوت لشکر کی پہلی دو قطاروں کے سواروں کے جسم میں آہنی کڑی دار اور کانٹے دار زرہیں تھیں اور سروں پر بھی آہنی خود تھے۔ ان کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی گول ڈھالیں تھیں اور نیزے تھے۔ نیزے کی انی کے نیچے گھوڑے کے بالوں کے گچھے تھے۔

تائیجوت دستے چلتے چلتے ایک دم رک گئے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے درمیان ایک راستہ بن گیا۔ اس راستے سے پیچھے کے سوار گھوڑے بھگاتے ہوئے آگے آ گئے اور ان دستوں کے آگے دیوار سی بن گئی۔

آنے والے ان سواروں کے جسم پر دباغت کیے ہوئے چمڑے کے جیکٹ سے تھے اور ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور کمانیں تھیں۔

ان نئے آنے والوں نے آتے ہی چنگیز خان کی صفوں پر حملہ کر دیا۔ وہ تیر پھینکتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ چنگیز خان کے سوار بھی تیر کمان سے مسلح تھے۔ انہوں نے تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ یہ تیر ایسی طاقت ور کمانوں سے نکلتے تھے جنہیں سینگوں کے ذریعے مضبوط کیا گیا تھا۔

تھوڑی دیر تیر اندازی کے بعد تائیجوت تیر انداز جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے پچھلی صفوں میں چلے گئے اور ان کے آگے کے جمے ہوئے دستوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑا کر پیش قدمی کی۔

اب چنگیز خان نے بھی اپنے مغل دستوں کو آگے بڑھایا۔ اس نے تائیجوت کی پانچ پانچ سو کی سات صفوں کے مقابلہ میں ہزار ہزار سواروں کی تیرہ صفیں قائم کی تھیں۔

چونکہ دونوں لشکروں کا سامنا ایک وادی میں ہوا تھا جہاں جگہ تنگ تھی اس لیے چنگیز خان کے لشکر کے لمبے حجم کی وجہ سے تائیجوت سواروں کی پیش قدمی رک گئی۔ اور ان کے اگلے دستے منتشر ہو گئے۔

تائیجوتوں کی پیش قدمی رکتے ہی چنگیز خان نے اپنے مسلح دستوں کو دشمن کے سامنے والے ہلکے دستوں کی طرف بڑھایا۔ چنگیز خان بلکہ مغلوں کے تمام جھنڈے نو یاکوں (پہاڑی بیل) کی دموں سے آراستہ ہوتے تھے۔ انہی جھنڈوں کے پیچھے مغل سوار دستے دشمن کی طرف بڑھنا شروع ہوتے۔

اب یہ چنگیز خان کے دستوں کی پیش قدمی تھی اور اس کا انداز یہ تھا کہ مغل دستے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ پھیلتے بھی جاتے تھے اور گول چکر بھی لگاتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کی کمانوں سے تیزی سے تیر نکل رہے تھے جن کا رخ کبھی دشمن کے دستوں کے دائیں جانب ہوتا اور کبھی بائیں جانب!

میدانِ جنگ گرم ہو چکا تھا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں، تیروں کی سنسناہٹ اور خود سواروں کے شور سے کان پڑی

آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

صحرا کا سخت معرکہ شروع ہو چکا تھا۔ دونوں طرف کے سوار تیر برساتے، نیزے چلاتے، نیزوں میں بندھے ہوئے کانٹوں سے مخالف سوار کو زمین پر کھینچتے اور کمندیں پھینکتے ایک دوسرے پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

ہر دستہ کا الگ الگ سوار تھا۔ یہاں سے وہاں تک پوری وادی میں جنگ ہو رہی تھی۔ حملہ آور مخالف صفوں میں دور تک گھس جاتے، پھر تیزی سے واپس آتے اور دوسری بار حملہ کرتے تھے۔

یہ انسانوں کی نہیں بھیڑیوں کی جنگ تھی۔ حملہ آور کبھی منتشر ہو کے لڑتے تو کبھی جمع ہو کے۔ غرضیکہ اس جنگ میں ہر حربہ استعمال کیا گیا۔

جنگ تمام دن جاری رہی۔

پھر دن ڈھلنے کے ساتھ ہی چنگیزی دستوں کو غلبہ حاصل ہوتا گیا اور ترغاتائی کے دستے پسپا ہوتے گئے۔ پھر جب دن کی روشنی معدوم ہوئی تو تایچوت لشکر نے اسے غنیمت جانا اور اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر میدان چھوڑ دیا۔

چنگیز خان کو اس جنگ میں ایسی زبردست کامیابی حاصل ہوئی کہ اس کی دہشت اور جبروت دور و نزدیک کے تمام قبائل پر طاری ہو گئی۔

اس خوفناک جنگ میں چنگیز خان کے سواروں کا بہت کم نقصان ہوا۔ جبکہ تایچوت قبیلے کے چھ ہزار سوار میدان میں کھیت رہے۔

ان کے علاوہ بے شمار سوار زخمی ہوئے یا گرفتار کیے گئے۔ ان گرفتار شدگان میں تایچوت قبیلے کے بڑے بڑے ستر سردار شامل تھے۔ ان سرداروں نے چنگیزی لشکر کے سامنے ہتھیار ڈال کر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کیا تھا۔ ایسے لوگ جب سردار یا بادشاہ کے سامنے پیش کیے جاتے تو وہ اپنی گردن میں تلوار یا ترکش لٹکا لیتے تھے جو اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے اور وہ فریق مخالف کی عظمت، برتری اور فتح کو قبول کرتے ہیں۔

بعض روایتوں کے مطابق ان سرداروں کو چنگیز خان نے کڑھائیوں میں ڈال کے زندہ ابلوا دیا تھا لیکن ظلم کی یہ کہانی درست معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ چنگیز خان کی سفاکی اپنی جگہ مسلم ہے لیکن وہ جوان اور طاقتور لوگوں کو قتل نہیں کراتا تھا بلکہ انہیں مختلف کاموں میں لگاتا تھا جو اس کے لشکر کی تقویت کا باعث ہوتے تھے۔ گرفتار ہونے والے تمام سردار مضبوط تن و توش کے مالک تھے اور چنگیز ایسے لوگوں کو ضائع نہیں کرتا تھا۔

ترغاتائی کو شکست دینا تموجن چنگیز خان کا ایک عظیم کارنامہ تھا اور اس فتح کا اتنا ہی عظیم الشان جشن بھی منایا گیا۔

اس جشن میں چنگیز خان نے شمالی سطح مرتفع پر مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے دوسرے قبائل کو بھی دعوت دی اور اس کی دعوت پر بہت سے قبائل شریک بھی ہوئے۔ مگر جشن میں شریک ہونے والے یہ قبائل دراصل چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے جو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لیے بڑے قبائل کی مدد کے خواہاں رہتے تھے۔

ترغاتائی پر فتح کے بعد چنگیز خان کا جشن منانے کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ کمزور اور چھوٹے قبیلے اس کے گرد جمع ہو جائیں اور اس کے خیمہ گاڑیوں میں کچھ اور اضافہ ہو جائے۔

اس بات کو اگر یوں کہا جائے کہ ایک طرف چنگیز خان کو اپنے خیموں میں اضافے کی ضرورت تھی تو دوسری طرف کمزور قبائل کو ایک ایسے طاقتور قبیلہ سردار کی ضرورت تھی جو انہیں دوسرے قبائل سے محفوظ رکھ سکے۔

اس جنگ کے نتیجے میں جب چھوٹے قبائل کو یہ معلوم ہوا کہ چنگیز خان نے اپنے سے ڈھائی گنا طاقتور تائجوت قبیلے کو مار بھگایا ہے تو ان کمزور قبائل کی نظریں چنگیز خان کی طرف اٹھنے لگیں اور جب اس نے ان کو جشن میں شرکت کی دعوت دی تو وہ جوق در جوق آ پہنچے۔

اس جشن کے دوران چنگیز خان نے قبیلے کے چھوٹے سرداروں کے کہنے پر ہاتھی دانت سے مرصع جریب اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔

جریب اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے زمین کی پیمائش کی جاتی ہے مگر مغلوں میں یہ دستور تھا کہ کوئی مغل ہاتھ میں ہاتھی دانت یا سینگ سے مرصع جریب عصا کے طور پر پکڑتا تو یہ اس بات کا اعلان ہوتا کہ وہ صرف اپنے قبیلے کا سردار ہی نہیں بلکہ اس کی پناہ میں بہت سے قبیلے ہیں جن کا وہ سپہ سالار ہے۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔ میں شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور تاجدار ہند اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔

میں آپ کو اس جشن کا حال اس لیے سنا رہی ہوں کہ آپ کو یہ معلوم ہو سکے کہ میرے جد امجد چنگیز خان نے اپنے سے ڈھائی گنا طاقت سے ٹکرانے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ بالکل درست تھا۔

یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اس زمانے میں خانہ بدوش قبائل میں چھوٹی چھوٹی جنگیں تو بہت سی ہوتی رہتی تھیں مگر ان جنگوں کے نتیجے میں کوئی قبیلوں کا سپہ سالار ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تھا جس طرح چنگیز خان نے سینگوں سے مرصع عصا پکڑ کر اپنے سپہ سالار یعنی "بڑے خان" ہونے کا اعلان کیا۔

چنگیز خان کے "بڑا خان" ہونے کی خبر نے صحرائے گوبی میں موجود قبائل میں ایک تہلکہ سا مچا دیا۔ باکا قبیلہ

جیسے بعض تواریخ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کوئی ایسا مشہور قبیلہ نہ تھا جس میں پہلے کوئی بڑا خان ہوا ہو۔ چنگیز خان کا باپ یسوکائی بھی کوئی مشہور سردار نہ تھا۔ اگر اس نے شادی کی بھری محفل سے اولون خاتون (چنگیز کی ماں) کو نہ اٹھایا ہوتا تو شاید لوگ اسے چند دن بھی یاد نہ رکھتے۔

پھر اسے اس جرأت رندانہ کی یہ سزا ملی کہ اس کے دشمنوں نے اسے شادی ہی کی محفل میں بلا کے زہر دے دیا اور اس کا یہ کچھ نام ہوا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

یسوکائی سے پہلے "باکا" قبیلے کا اور کوئی قابلِ ذکر نام نظر نہیں آتا یہ ضرور ہے کہ چنگیز خان کا جد امجد بورجی گون ان خانہ بدوش قبائل کا سب سے عظیم، طاقتور اور مشہور سپہ سالار تھا جس کی شہرت پر گردشِ زمانہ کی پرچھائیاں نہ پڑ سکیں۔ وہ نام اب تک زندہ ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا مگر عظیم بورجی گون صرف چنگیز خان ہی کا جدِ امجد نہ تھا بلکہ بعض دوسرے قبائل بھی اس کی نسل سے ہونے کے دعویدار تھے مثلاً تائجوت قبیلہ کا سپہ سالار ترغاتائی جسے کچھ ہی دنوں پہلے چنگیز خان نے شکست سے دوچار کیا تھا۔

ترغاتائی کا کہنا تھا کہ وہ بورجی گون کا اصل جانشین ہے اور جن چراگاہوں پہ چنگیز خان نے قبضہ کر رکھا ہے وہ دراصل اس کے قبیلے کی ملکیت ہیں اور اسی لیے اس نے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ چنگیز خان پر حملہ کیا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ اس کے اس حملہ میں چنگیز خان کا قبیلہ باکا اس طرح تباہ ہو جائے گا کہ پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے گا مگر خیال تو خیال ہی ہوتا ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ ترغاتائی اپنے دشمن کو مٹاتے مٹاتے خود ہی مٹ گیا۔

چنگیز خان کے بڑا خان بننے کی خبر بلا کسی تشہیر کے دور و نزدیک کے تمام قبائل میں پھیل گئی۔ خبر کو پھیلانے والے دراصل وہ بدیسی تاجر تھے جو جنوب کے علاقوں سے اپنا سامان فروخت کرنے ان وحشی قبائل کے "خیمہ گاؤں" میں آیا کرتے تھے۔

یہ عجیب بات تھی کہ ایک ایسی وحشی قوم جو مروجہ تمدن سے واقف نہ تھی اور قتل و غارت جن کا پیشہ تھا وہ قبائل اپنے گاؤں میں آنے والے تاجروں سے کوئی تعرض نہ کرتے۔

تاریخیں بتاتی ہیں کہ یہ وحشی تاجروں کی نہ صرف عزت کرتے بلکہ ان کی حفاظت کے ذمہ دار بھی تھے۔ اگر خدانخواستہ کسی تاجر پر کوئی حملہ ہو جاتا یا اس کا سامان چھین لیا جاتا تو جس علاقہ میں یہ واقعہ پیش آتا اس قبیلے کا سردار اس نقصان کو پورا کرتا پھر ان لٹیروں کو پکڑ کر قتل کر دیتا جن کی یہ حرکت ہوتی تھی۔

چنانچہ یہ تاجر جب تک ان وحشیوں میں رہتے وہ اپنے آپ کو متمدن دنیا کے شہروں سے زیادہ محفوظ سمجھتے تھے

ان قبائل میں سامان لے آنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ تاجروں کو اپنے مال کی منہ مانگی قیمت ملتی تھی۔ یہ لین دین سکوں یا نوٹوں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ "مال کے بدلے مال" کا طریقہ رائج تھا جس میں تاجر صرف فائدہ نہ اٹھاتے بلکہ ایک طرح سے ان وحشیوں کو لوٹ لے جاتے تھے۔

تاجروں کے سامان کی اصل گاہک قبائلی عورتیں ہوتی تھیں جو ان سے چمکیلے زیورات خریدتی تھیں لیکن ان کا صحیح استعمال نہ جاننے کے باعث اکثر عورتوں کے ساتھ یہ واقعہ ہوتا تھا کہ وہ پیروں کے زیورات گلے میں اور گلے کے زیور ہاتھوں یا پیروں میں پہنتی تھیں۔

چنگیز خان کو تجربے نے یہ سکھایا تھا کہ بچاؤ کی واحد صورت یہ ہے کہ دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بچپن سے جوانی تک اس کی جب بھی جان بچی تو اسے بچانے والی دو ہی ہستیاں تھیں۔

ا۔ اس کی ماں اولون

۲۔ اس کی وفادار بیوی بورتائی جس کی قوتِ احساس اپنے شوہر چنگیز خان کی طرح تیز اور غیر معمولی تھی

اپنوں سے ہٹ کر اگر غیروں نے کبھی اسے بچانے کو خود کو خطرات میں ڈالا تھا تو وہ اس کی ابتدائی آوارہ گردی اور قزاقی کے وہ ساتھی تھے جنہوں نے اس کے ساتھ کیرولان کے چشمے کا پانی پیا تھا۔

ان میں سے ایک نے اس کی گردن کے زخم سے خون کی پپڑی چوس کر اس کی جان بچائی تھی اور دوسرے اس وقت چوکیداری کی تھی جب وہ تھک کر برف پر گر گیا تھا اور اسے نیند نے آ لیا تھا۔

یہی لوگ چنگیز خان کے قابلِ اعتماد ساتھی تھے۔

یہ منتخب ساتھی "انڈا" یعنی برادرانِ جنگ کہلاتے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی رگ سے خون پی کر باہمی اخوت کا مقام حاصل کیا تھا۔

ان دونوں نے منگولوں کے سرخ بالوں والے خان کو، جس کی آنکھیں بلی کی طرح چمکیلی اور تیز تھیں، اپنا سردار بلکہ پروردگار تسلیم کیا تھا۔ تموچن چنگیز خان کے انڈا ساتھی صرف یہی دو نہیں تھے بلکہ اب ان کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔

تموچن چنگیز خان کی سپہ سالار بننے اور سینگوں سے مزین جریب پکڑنے کے بعد سے ہر وقت یہ آرزو رہتی کہ اس کے نوکروں میں اضافہ ہو اور اس کے خیمہ گاؤں میں نت نئے خیموں کا اضافہ ہو۔

اس کی یہ خواہش دراصل بچپن اور جوانی کے ان تکلیف دہ ایام کا ردِعمل تھا جب بغورچی نے اس پر رحم کھایا اور موٹی عقل والے بھائی قصار نے اپنی کڑی کمان سے بے شمار تیر برسا کر اس کی جان بچائی تھی۔

چنگیز خان کے نزدیک قوت کا پیمانہ "سیاسی طاقت" نہ تھا۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سیاست کے بارے میں اس نے اب تک کچھ سوچا ہی نہ تھا۔ اس کے خیال میں "دولت" بھی طاقت نہ تھی اس لیے کہ اس سے بہت کم کام نکلتا تھا۔ چونکہ وہ مغل (منگول) تھا اس لیے وہ وہی چاہتا تھا جس کی اسے ضرورت تھی یعنی:

"آدمیوں کی تعداد میں اضافہ"۔

چنگیز خان روز صبح کو اپنا تمغہ میں جریب یعنی سپہ سالاری کا نشان پکڑ کر خیمہ گاؤں میں پھیلے ہوئے خیموں کی تعداد کو گنواتا اور دریافت کرتا:

"گزشتہ رات اور دن میں ان خیموں کی تعداد میں کتنا اضافہ ہوا"۔

ہر روز یہ بتایا جاتا کہ پچھلے ایک دن اور رات میں اس کے نوکر بننے والوں میں چالیس اور پچاس خیموں کا اضافہ ہو گیا ہے جن میں رہنے والوں کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان ہوتی تھی۔

ان نئے آنے والوں میں ہفتہ عشرہ میں ایک آدھ ایسا منچلا بھی آ جاتا جسے چنگیز اپنے گروہ "انڈا" میں شامل کر لیتا تھا۔

چنگیز جب کبھی انڈا کی تعریف کرتا تو یوں کہتا:

"انہوں نے سخت پتھروں کو کچل کر ریت بنا دیا ہے۔ چٹانوں کو الٹ دیا ہے اور گہرے پانی کے تموج کو ٹھہرا دیا ہے"۔

وہ سب سے زیادہ وفاداری کا متلاشی تھا، کیونکہ دغابازی وہاں ایک ناقابلِ معافی گناہ تھا۔ اس لیے کہ صرف ایک دغاباز پوری خیمہ بستی کو تباہ و برباد کروا سکتا تھا یا پھر پورے گروہ یا قبیلہ کو دشمن کے جال میں پھنسوا سکتا تھا۔ اس کے برعکس سب سے زیادہ پسندیدہ وصفت قبیلہ (یا یوں کہیے کہ بڑے خان) یا سپہ سالار سے وفاداری تھی۔ بھلا ایسے آدمی کا کیا بھروسہ جو صبح کو وعدہ کرے اور شام کو توڑ دے۔

جب کسی نئے قبیلہ میں تموچن چنگیز خان کا ذکر پہلی بار ہوتا تو اس کا انداز اس طرح کا ہوتا:

"تم نے سنا، تموچن چنگیز خان نے بڑا خان ہونے کا دعویٰ کیا ہے"۔

"یہ کون پاگل ہے؟ بڑا خان ہونا کوئی معمولی بات ہے!"

پھر بیان کرنے والا اس کی تفصیل بتاتا:

"تموچن چنگیز خان، لیسوکائی کا بیٹا ہے اور خود کو بورجی گون کا جانشین بتاتا ہے!"

پھر اعتراض ہوتا:

"یورچی گون کا جانشین ترتابجوت کا "خان" ترغاتائی ہے"۔

"ترغاتائی کو شکست دینے کے بعد ہی تو تموجن چنگیز خان نے بڑا خان ہونے کا دعویٰ کیا ہے"۔

تفصیل بیان کرنے والا انکشاف کرتا:

"اب تو وہ اپنے ہاتھ میں سینگوں والا جریب پکڑے رہتا ہے"۔

اور بس!

چھوٹے اور کمزور قبیلے یہ سنتے ہی اپنے خیمہ بردار چھکڑوں کو چنگیز خان کی خیمہ بستی کی طرف ہانکنا شروع کر دیتے۔ یوں چنگیز خان کی خیمہ بستی میں نئے نئے خیمے ایستادہ ہو رہے تھے۔

اب اسے عام آدمیوں کے علاوہ اپنے خاص گروہ "اندا" کے لیے بھی جوان مل رہے تھے مگر ان سب کے لیے چنگیز کو تگ و دو کے علاوہ اپنے آسمانی دیوتاؤں سے دعائیں کرنی پڑتی تھی۔

چنگیز خان کی خیمہ بستی کے قریب ایک پہاڑ کی اونچی چوٹی تھی۔ اس پہاڑ پر سبزہ نام کو نہ تھا یہاں تک کہ اس پر خاردار جھاڑیاں بھی نہ اگتی تھیں۔

چنگیز خان کا اعتقاد تھا کہ اس بے آب و گیاہ پہاڑ کی چوٹی پر "تنگری"[1] کا بسیرا ہے۔ وہ اس کھری چوٹی پر چڑھ جاتا اور اپنی پیٹی کمر سے اتار کر کندھے پر ڈال لیتا۔

(مغلوں میں تین چیزیں احترام اور اطاعت کی علامت تھیں:

۱۔ کمر کی پیٹی کو کاندھے پر ڈالنا۔

۲۔ تلوار کو گلے میں لٹکانا۔

۳۔ ترکش اور کمان کو گردن میں ڈال لینا)

احترام کے اس اظہار کے بعد چنگیز خان ان آسمانی روحوں سے بڑے عجز کے ساتھ دعا مانگتا:

"اے لامتناہی نیلے آسمان!

مجھ پر رحم کر۔ مجھ پر مہربانی کر۔

اوپر کی ہواؤں کی روحوں کو میرا دوست بنا کر بھیج لیکن زمین پر میرے پاس

۱۔ مغلوں کے یقین کے مطابق تنگری وہ آسمانی روحیں تھیں جو برق و باد اور دوسرے خوفناک آسمانی مظاہر کو حرکت میں لاتی تھیں۔

آدمیوں کو بھیج تاکہ وہ میری مدد کر سکیں"۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ عالم الغیب اور بے نیاز ہے۔ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ چاہے ہماری دعا قبول کرے یا نہ کرے، ہم اسے مجبور نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے اجداد کو صنم پرست ہونے کی وجہ سے گمان تھا کہ ان کی دعا فوراً سنی جاتی ہے۔ خاص کر تموجن چنگیز خان کو تو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اس پہاڑ پر چڑھ کر اس نے جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی!

پس اس کے بقول آسمانی دیوتاؤں نے اس کی دعا قبول کی اور اس کی خیمہ بستی میں روزانہ خیموں میں اضافہ ہوتا چلا گیا، نہ صرف یہ بلکہ بہت سے ایسے لوگ بھی ملے جو اس نے اپنے گروہ "اندا" میں شامل کر لیے۔

آیئے! اب آپ کی ملاقات "اندا" میں نئے شامل ہونے والے جنگجو نوجوانوں سے کراتی ہوں!

○

بغورچی اور قسار کو تو آپ جانتے ہیں نا! یہ دونوں چنگیز خان کے پہلے ساتھی ہیں۔ اس گروہ میں نئے شامل ہونے والوں میں ایک کا نام ارغون ہے۔ یہ بہت اچھا ستار بجاتا ہے۔

جبی نویان اور مغول بھی نئے شامل ہونے والوں میں ہیں۔ یہ دونوں بے حد چالاک جنگجو ہیں اور ان کے جسم پر تلواروں کے بے شمار نشانات ہیں۔

ایک اور بڑے معرکے کا تیر انداز ہے جس کا نام سبدائی بہادر ہے اور یہ اپنے فن میں ایسا بے نظیر ہے کہ کچھ نہ پوچھیے۔

ارغون اگرچہ مغنی نہیں مگر بڑا ہی خوش مزاج ہے۔ ایک بار ارغون نے چنگیز خان سے ایک طلائی ستار عاریتاً مانگا مگر اسے گم کر بیٹھا۔

چنگیز خان کو جلال آ گیا۔ اس نے دو آدمیوں کو ارغون کے قتل پر مامور کر دیا۔ ان دونوں نے ارغون کو جا پکڑا مگر اسے قتل کرنے کے بجائے اسے منگولوں کی شراب پلا کر مدہوش کر دیا۔

جب صبح ہوئی تو وہ دونوں اسے لے کر چنگیز خان کے خیمہ کے دروازے پہ گئے اور آواز لگائی:

"اے خان! تیرے لشکر میں روشنی پھیلنے لگی ہے۔ دروازہ کھول اور اپنے رحم کا کرشمہ دکھا۔"

ارغون شراب کے نشہ سے پوری طرح ہوشیار ہو چکا تھا اس نے فوراً دھیمے سروں اور بڑی اچھی لے میں گانا شروع کر دیا:

"طائر گاتا ہے تنگ تانگ!

آخری نوالے سے پہلے اس پہ شہباز جھپٹتا ہے
اس طرح میرے آقا کا غضب مجھ پہ نازل ہوا
افسوس! مجھے ساز کی گردش سے محبت ہے
لیکن ـــ میں چور نہیں۔"

چوری کی سزا موت تھی لیکن چنگیز خان نے ارغون کا نغمہ سن کر اسے معاف کر دیا تاہم ستار کی چوری کا پتہ قطعی نہ چل سکا۔

چنگیز خان کے یہ بہادر جوان اپنے قبیلے میں تو گروہ "امداد" کے بہادر کہلاتے لیکن صحرائے گوبی کے اس علاقے بھر میں یہ "قیات" یعنی اڑتے ہوئے دھارے کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

ان قیاتوں میں سے دو قیات جو ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہوئے تھے انہوں نے طول البلد کے نوے درجوں میں بڑی تباہی مچائی اور بربادی پھیلا رکھی تھی۔ ان کے نام تھے:

۱۔ جبی نویان (تیر انداز شہزادہ)

۲۔ سوبدائی بہادر

جبی نویان ایک دشمن قبیلہ کا جوان تھا۔ جب چنگیز خان نے اس کے تعاقب کا حکم دیا تو بہت سے افراد گرفتار ہوئے جن میں جبی نویان بھی تھا۔ اس کے پاس گھوڑا نہ تھا اور شاید اسی لیے وہ گرفتار ہو گیا تھا ورنہ ہاتھ نہ آتا۔

جب جبی نویان کو چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی مردم شناس نظروں نے جبی نویان کے اندر چھپا ہوا ایک بہادر انسان دیکھا:

چنگیز خان نے اس سے دریافت کیا:

"تیرے پاس کس چیز کی کمی ہے اور تو کیا چاہتا ہے؟"

"میرے پاس ایک اچھے گھوڑے کی کمی ہے"۔

جبی نویان نے لاپرواہی سے جواب دیا:

"جب گھوڑا مل جائے گا تب بتاؤں گا کہ میں کیا چاہتا ہوں"۔

چنگیز خان نے اس کی درخواست منظور کر لی اور حکم دیا:

"اسے ایک تیز رفتار سفید ناک والا گھوڑا دیا جائے"۔

جبی نویان کو گھوڑا مل گیا۔ وہ اس پر سوار ہوا اور بولا:

"اب مجھے جو پکڑے گا میں اس کا غلام ہو جاؤں گا۔"

چنگیز خان کے اشارے پر کئی شہسوار اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کے جبمی نویان کی طرف بڑھے۔ جبمی نویان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دے کر لگامیں کھینچیں۔ گھوڑا چمک کے پچھلے دو پیروں پر الف ہو گیا۔ پھر جبمی نے لگامیں ذرا ڈھیلی کیں۔ گھوڑے نے اگلے پیر زمین پر جمائے اور پھر جو وہ جبمی نویان کو لے کر ہوا ہوا ہے تو چنگیز خان اور اس کا لشکر منہ دیکھتے رہ گئے۔

گھوڑے پر بیٹھ کر جبمی نویان چھلاوہ بن گیا تھا۔ وہ ایک شعلے کی طرح لپکا۔ پھر لشکر کی صفوں کے سامنے سے کاوہ کاٹتا ہوا آندھی کے تیز جھونکے کی طرح زن سے نکل گیا۔

اسے پکڑنے والے جس طرح گھوڑوں پر بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہ گئے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کدھر سے آیا اور کدھر گیا؟

جبمی نویان کو کوئی نہ پکڑ سکا۔ بھلا چھلاوے کو بھی کوئی پکڑ سکا ہے۔ مگر — ذرا دیر بعد وہ خود ہی واپس آ گیا اور بولا:

"میں یاکا کے بڑے خان تموچن چنگیز کی چاکری کی درخواست کرتا ہوں۔"

"ہم نے تجھے پسند کیا۔"

چنگیز خان نے مسرت بھرے لہجے میں کہا،

"اور تجھے اپنے گروہ انڈا میں شامل کیا۔"

جبمی نویان نے گھوڑے سے اتر کر چنگیز خان کی رکاب کو بوسہ دیا۔

چنگیز خان نے اس سے پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"جبمی نویان!"

اس نے بتایا۔ پھر کہا:

"میں نے سوچا تھا کہ جب مجھے طاقت حاصل ہو گی تو میں چنگیز خان کی خیمہ بستی اجاڑ دوں گا مگر یہ نہ معلوم تھا کہ نیلے آسمان کی روحوں کے بعد دنیا میں اگر کوئی طاقت ہے تو وہ یاکا کے بڑے خان چنگیز خان کی ہے جسے صرف نیلا آسمان ہی شکست دے سکتا ہے۔"

ایک آوارہ گرد قبیلے کا سردار جو چنگیز خان کے قبیلہ کا ماضی میں دشمن رہ چکا تھا، وہ تموچن چنگیز خان کے خصائل اس طرح بیان کرتا ہے:

"تموچن اپنے شکاریوں کو اجازت دیتا ہے کہ بڑے بڑے شکاروں میں جتنا شکار کوئی شکاری کرے وہ خود اپنے پاس رکھے۔

جنگ کے بعد ہر آدمی لوٹ کا وہ حصہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو قاعدے سے اس کا ہو جائے۔

تموچن اکثر اپنے کاندھے سے ملبوس اتار کر تحفے کے طور پر دے دیتا تھا اور اکثر ایسا بھی ہوا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور گھوڑا کسی ضرورت مند کو دے دیا۔"

بعض لوگوں کو نوادرات جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے اور وہ دن رات اس شوق میں منہمک رہتے ہیں مگر تموچن کو آوارہ گرد قبائل اپنے ساتھ ملانے کا جس قدر شوق تھا وہ نوادر جمع کرنے والے کے شوق سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اس لیے نو یاکوں کی دُموں والے جھنڈے کے نیچے لوگ بڑی تعداد میں جمع ہوتے رہے۔ گھرانہ گھرانہ یا دو دو میں نہیں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں قبائل آتے اور اس جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے۔

ابھی میں جبمی نویان کا ذکر کر رہی تھی۔ اس کے بارے میں یہ بات بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ تند مزاج نوجوان کسی کا احسان نہیں بھولتا تھا۔

تموچن چنگیز خان نے اسے قتل کرانے کے بجائے اسے اپنی اہلیت ثابت کرنے کا موقع دیا تھا اور اس کی درخواست پر ایک سفید ناک والا گھوڑا بھی دیا تھا۔

چنگیز کے اس احسان کا بدلہ اس نے اس طرح دیا کہ اپنی فوجی نوکری کے دوران جب تموچن چنگیز خان کے حکم سے جبمی نویان طیان شان کے پہاڑوں میں گشت لگاتا ہوا افراختانی کے غلوک قبیلہ تک پہنچا تو اسے وہاں سفید ناک والے گھوڑے دکھائی دیے۔

چنانچہ اس نے سفید ناک والے سو گھوڑوں کا ایک گلہ بنایا اور اسے خاص طور پر تموچن چنگیز خان کی خدمت میں تحفے کے طور پر بھیجا۔

شاید اس سے وہ اپنے آقا چنگیز خان پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس کے احسان کو نہیں بھولا جو اس نے جبمی نویان کی جان بخشی کر کے اور اسے سفید ناک والا گھوڑا دے کر اس پر کیا تھا۔

جبمی نویان کے اس واقعے سے ایک مورخ نے یہ بات نکالی کہ چنگیز خان نے اسے کوئی عام گھوڑا نہیں دیا تھا'

ا۔ واضح رہے کہ یاکا قبیلہ کے جھنڈے پر نو عدد یاک کی دُمیں باندھی جاتی تھیں یہی وہ جھنڈا تھا جو جھیل بیکال سے اٹھا اور جنوب میں دریائے سندھ کے دوسرے کنارے کو مس کرتا ہوا یورپ میں ہنگری تک پہنچا تھا۔

بلکہ اس نے اسے سفید ناک والا گھوڑا دیا تھا۔

چونکہ اس دور میں سفید ناک والے گھوڑے بے حد نایاب اصیل اور بہترین تصور کیے جاتے تھے اور ایسے گھوڑے پہ سواری کرنے والے کو گرفتار کرنا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔

پس اس میں نکتہ یہ تھا کہ چنگیز خان نے جبی نویان کو سفید ناک والا گھوڑا دے کر دراصل اس کا امتحان لیا تھا اور یہ امتحان بھی دو باتوں کا تھا:

اوّل یہ کہ جبی نویان واقعی بہترین سوار ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ جبی نویان تموچن کے اس احسان کا کیا بدلہ دیتا ہے؟

جبی نویان اس امتحان میں پورا اترا تھا۔

ایک تو یہ کہ جبی نویان سفید ناک والے گھوڑے پہ سوار ہو کر وہاں سے بھاگ نکلا اور اسے گرفتار کرنے والے سوار اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔

دوسرے یہ کہ جبی نویان اپنی شہسواری ثابت کرنے کے بعد پھر چنگیز خان کے پاس واپس آیا اور اس کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ پھر اس نے چنگیز خان کے اس احسان کا بدلہ ایک سو سفید ناک والے گھوڑوں کا تحفہ بھیج کر اتار دیا۔

تموچن چنگیز خان کے جنگجو ساتھیوں کی یہ تفصیل میں اس لیے بیان نہیں کر رہی کہ میں خود اس کے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں اور اس کی سفاکی اور غارت گری پر پردہ ڈالنا چاہتی ہوں۔

ایسی بات ہرگز نہیں ہے بلکہ میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ چنگیز خان جو قہرِ خداوندی سے کم نہ تھا اور اس نے سفاکی اور غارت گری کے جو نمونے چھوڑے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

تاہم ان تمام باتوں کے باوجود میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ خود چنگیز خان جس طرح جسمانی طاقت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح فراست اور مردم شناسی کی مثال ملنا بھی مشکل ہے۔

لرزندہ جلال[1] چنگیز خان نے انسانی سروں کے مینار صرف اپنی دہشت و بربریت سے تعمیر نہیں کیے بلکہ اس نے پہلے طاقت حاصل کرنے اور بڑھانے کا منصوبہ تیار کیا۔ پھر اپنے گرد ایسے بہادروں کو جمع کیا جو صرف تھکن ہی نہیں کو شکن بھی تھے اور اپنے خان چنگیز خان کے اشارے پہ آگ کے سمندر میں کودنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

تموچن کے گروہ "اندا" میں ایک اور جنگجو بھی قابلِ ذکر ہے۔

اس کا نام سوبدائی تھا۔ اس کا تعلق شمالی آبیوڈن والے قبیلے الوس اربانجی سے تھا۔ اس کے مزاج میں جبی

۱۔ ہیرلڈ سینڈ پیٹر

نویان جیسی سختی تو نہ تھی لیکن فراست میں وہ جبی سے بہت آگے تھا۔ اس میں حصولِ مقصد کے لیے چنگیز خان جیسی سختی اور کچھ سنگدلی بھی پائی جاتی تھی۔

ایک بار چنگیز خان تاتاریوں کے ایک ایسے لشکر کی طرف بڑھ رہا تھا جس کے متعلق اسے خبر ملی تھی کہ اسے شکست دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

تموچن کا حملہ بڑا طوفانی اور اچانک ہوتا تھا مگر وہ حملہ کرنے سے پہلے اس پر اچھی طرح سوچ بچار کرتا تھا پھر کوئی قدم اٹھاتا تھا۔

جب چنگیز خان تاتاری لشکر سے تقریباً دو منزل دور رہ گیا تو اس نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کیا۔

"یہاں سے دو منزل دور ایک تاتاری لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔"

چنگیز خان نے اپنے سرداروں کو بتایا:

"میں چاہتا ہوں کہ تاتاریوں پہ پہلے کوئی ایسا بہادر سردار حملہ کرے کہ ان کے حواس غائب ہو جائیں اور انہیں سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔ بتاؤ تم میں سے کون تاتاریوں پر پہلا حملہ کرے گا؟"

"خانِ اعظم[1]!"

اس وقت سوبدائی بہادر نے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کیں:

"مجھے تاتاریوں پہ پہلا حملہ کرنے کا اعزاز بخشا جائے۔"

چنگیز خان نے چند لمحے سوچا۔ پھر بولا:

"ٹھیک ہے۔ پہلا حملہ سوبدائی کرے گا۔"

پھر اس نے سوبدائی کو اجازت دی:

"تم اپنے ساتھ حفاظت کے لیے ایک سو منتخب سوار لے جا سکتے ہو۔"

"خانِ اعظم"۔ سوبدائی نے لاپروائی سے جواب دیا:

"مجھے اپنے لیے ایک محافظ کی بھی ضرورت نہیں۔ میں اکیلا جاؤں گا۔"

۱۔ اس حملے کے وقت تموچن خانِ اعظم ہو چکا تھا۔

چنگیز خان ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے سوبدائی کو تنہا جانے کی اجازت دے دی۔ سوبدائی نے چند لمحے اس سے گفتگو کی پھر گھوڑے پر سوار ہو کر تاتاری لشکر کی طرف روانہ ہو گیا۔

تاتاری لشکر میں پہنچ کے سوبدائی اس کے سپہ سالار سے ملا مگر جس حلیے میں وہ سپہ سالار کے پاس گیا، وہ دیکھنے کے قابل تھا۔

اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا، سر کے بال الجھے ہوئے تھے اور پیاس کے مارے زبان منہ سے نکلی پڑتی تھی۔

سوبدائی لڑکھڑاتا ہوا سپہ سالار کے پاس پہنچا اور غش کھا کر گر پڑا۔

سپہ سالار کے حکم سے اُسے فوجی طبیب جرقیان بلا کر ہوش میں لے آیا۔

"تو کون ہے؟"

تاتاری سپہ سالار نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھ کر دریافت کیا:

"اور ہمارے پاس کیا لینے آیا ہے؟"

"اے تاتاری لشکر کے عظیم سپہ سالار۔"

سوبدائی نے غمزدہ آواز میں جواب دیا:

"میرا تعلق شمالی آہوؤں والے قبیلے اوس زیانجی سے تھا مگر ظالم اور سفاک یاکا سردار تموجن چنگیز خان نے ہم پر حملہ کر کے پورے قبیلے کو تہس نہس کر دیا اور تمام مرد و زن کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔

اس نے تمام لوگوں کو مختلف کاموں پر لگا دیا اور مجھے اپنے خاص گھوڑے کی لید اٹھانے کے کام پر مامور کیا۔

ڈیڑھ سال تک میں یہ ذلیل کام کرتا رہا پھر ایک دن موقع پا کر میں چنگیز خان کے گھوڑے پر سوار ہوا جس کی میں لید اٹھایا کرتا تھا۔

یہ گھوڑا بہت تیز رفتار ہے۔ تین دن سے اس پر سوار میں اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا پھر رہا ہوں۔ یہاں سے کچھ دور ایک گاؤں سے معلوم ہوا کہ تاتار قوم کا ایک بڑا لشکر یہاں خیمہ زن ہے۔ بس میں نے گھوڑا ادھر موڑ دیا اور گرتا پڑتا یہاں تک پہنچ گیا۔"

"تمہارے حالات سن کر ہمیں بہت افسوس ہوا" تاتاری سپہ سالار نے بڑے دکھ سے کہا: "اب بتاؤ۔ ہم تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

"سپہ سالار۔ میرا نام سوبدائی ہے۔"

اس نے بے پناہ اداکاری کرتے ہوئے کہا:

"میرے دل میں چنگیز خان سے انتقام لینے کے لیے لاوا ابل رہا ہے۔ اگر آپ مجھے اپنے خدمت گاروں میں شامل کر لیں تو ممکن ہے کہ مجھے کبھی اس ظالم سے بدلہ لینے کا موقع مل جائے۔"

سوبدائی نے اتنے درد بھرے لہجے میں کہا کہ سپہ سالار کا دل پگھل گیا اور اس نے اسے فوج میں جگہ دینے کا فوری فیصلہ کر لیا۔

"سوبدائی!"

سپہ سالار نے دبنگ لہجے میں کہا:

"ہم تمہیں نہ صرف اپنے لشکر میں ایک معقول حیثیت دیں گے بلکہ تمہیں یہ موقع بھی فراہم کریں گے کہ تم چنگیز سے اپنا انتقام لے سکو۔"

سوبدائی بظاہر خوش ہو گیا۔

"سپہ سالار!"

اس نے بے پناہ ممنونیت سے کہا:

"میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا اور اصل خوشی تو مجھے اس وقت حاصل ہو گی جب میں چنگیز خان کے مقابلہ پر نکلوں گا۔"

"سوبدائی! تمہارا یہ ارمان بھی جلد پورا ہو جائے گا۔"

سپہ سالار نے اسے بتایا:

"ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ چنگیز ہم پر بہت جلد حملہ آور ہونے والا ہے کیونکہ اس کا لشکر ہم سے بہت قریب آ چکا ہے۔"

"کیا کہا آپ نے؟"

سوبدائی نے حیرت کا بے پایاں اظہار کیا:

"چنگیز کا لشکر آپ کے قریب آ چکا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب خبر ہے۔"

"کیوں؟"

سپہ سالار نے دلچسپی سے پوچھا:

"یہ عجیب خبر کیوں ہے؟"

"سپہ سالار بہادر ۔ ۔ ۔ ۔ "

سوبدائی نے بڑی معصومیت سے کہا:

"چنگیز خان کے لشکر کا میں بھی ایک خدمت گار تھا۔ میں اس لشکر سے دس دن پہلے بھاگا تھا۔ پھر میرے پاس چنگیز خان کا گھوڑا ہے اور میں جان بچا کر بھاگا ہوں۔ اور سیدھا بھاگ کر ادھر کو آیا ہوں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ چنگیز خان کا لشکر آپ کے قریب کیسے پہنچ گیا۔"

سپہ سالار فکر میں پڑ گیا:

"یہ بات تو واقعی عجیب ہے۔"

ذرا دیر بعد اس نے سوچتے ہوئے کہا:

"تم دس دن پہلے چنگیز کے لشکر سے چلے اور سیدھے آرہے ہو۔ ۔ ۔ ۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جاسوس نے کسی اور کی فوج دیکھی ہو اور انہیں چنگیز کے لشکر کا شبہ ہوا ہو۔"

سپہ سالار شبہ میں پڑ گیا۔

"سپہ سالار کا خیال بالکل درست ہے۔"

سوبدائی نے اس کے تذبذب سے فوراً فائدہ اٹھایا:

"جاسوس کو ضرور دھوکا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر چنگیز خان آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے تو اسے یہاں تک پہنچنے کے لیے کم از کم ایک ماہ کا عرصہ لگے گا۔ اس کے علاوہ میں نے تاتار پر حملہ کی بات اس لشکر میں کسی کی زبان سے نہیں سنی۔"

اس طرح سوبدائی نے سپہ سالار کو یہ یقین دلا دیا کہ چنگیز خان کا ادھر آنے کا کوئی ارادہ نہیں اور یہ کہ جاسوس کی لائی ہوئی خبر قطعی بے بنیاد ہے۔

پس سپہ سالار نے بھی اپنے لشکر کو یقین دلا دیا کہ وہ بے فکر رہیں چنگیز خان کا ادھر آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لشکر مطمئن بلکہ بے فکر ہو گیا۔

تاتاری لشکر کی بے فکری اور اطمینان کو صرف ایک دن اور ایک رات گزری تھی کہ چنگیز خان اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور تاتاریوں کو سنبھلنے کا بھی موقع نہ ملا کہ ان پر مصیبت ٹوٹ پڑی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔

"گردہ اندا" یا قیات کے ان جنگجو نوجوانوں میں عجیب عجیب طرح کی اوصاف اور خصلتیں تھیں جو فائدے کے علاوہ بعض اوقات نقصان دہ ثابت ہوتی تھیں مگر ان بہادروں میں زیادہ جوان انتہائی وفادار اور ثابت قدم تھے خاص طور پر سوبدائی بہادر جس نے بڑے خان (چنگیز خان) کے سامنے اعلان کیا:

"اے یاکا کے نوجوان خان! میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے دشمنوں سے اس طرح بچاؤں گا جس طرح نمدہ جسم کو سرد ہوا سے محفوظ رکھتا ہے۔"

مغلوں کی دو اہم ترین کمزوریاں یہ تھیں:

۱۔ تیز رفتار گھوڑے

۲۔ حسین عورتیں

گھوڑے انہیں اس لیے پسند تھے کہ یہ ان کی ضرورت تھی اور جہاں تک حسین عورتوں کی خواہش کا تعلق ہے تو یہ مردوں میں ازل سے موجود ہے اور ابد تک باقی رہے گی۔ مغل تو عورتوں کو نیلے جاودانی آسمان کا سب سے بڑا عطیہ سمجھتے تھے۔

چنگیز خان کے سورما جب اس کے گرد جمع ہوتے تو قسم کھاتے:

"جب ہم اعلیٰ درجے کے گھوڑے اور حسین عورتیں پکڑیں گے تو سب کے سب تیرے پاس لائیں گے۔ اگر ہم تیرے حکم سے سرتابی کریں یا تجھے نقصان پہنچانے کا قصد کریں تو ہمیں بنجر ویرانوں میں ہلاک ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دینا۔"

"اے میرے سورماؤ!"

چنگیز خان بھی انہیں محبت سے جواب دیتا:

"جب تم میرے پاس نہیں تھے تو میری حالت ایک خوابیدہ انسان کی تھی۔ تم نے مجھے جگا دیا۔"

چنگیز یاکا کا خان اور اپنے ساتھ کے تمام قبیلوں کا بڑا خان تھا اور وہ سب اسے اپنا سردار، خان اور سپہ سالار تسلیم کرتے تھے۔

چنگیز نے اپنے بہادر جوانوں کو وہی اعزاز و مرتبہ بخشا جو ان کے لائق تھا۔

بغورچی اسے بہت ہی عزیز تھا۔ خان نے اسے یہ عزت بخشی کہ سرداروں کی مجلس جسے ان کی زبان میں قرولتائی کہا جاتا تھا، بغورچی اس کے سب سے زیادہ قریب بیٹھتا تھا۔ اس کا اعزاز یہ تھا کہ وہ خان کے تیر اور کمان بھی سنبھالتا اور انہیں اسے اپنے پاس رکھنے کی اجازت تھی۔

اس طرح خان نے اپنے ان سورماؤں میں سے چند کو غذا کی تقسیم کا ذمہ دار بنایا اور کچھ کو خیمہ بردار چھکڑوں کی

حفاظت پر مامور کیا۔

کئی سورما مویشیوں کے گلّے پر لگائے گئے۔ چنگیز خان کا چھوٹا بھائی قسار جسمانی طور پر بے حد طاقتور تھا، اسے تیغ بردار کی خدمت دی گئی۔

چنگیز خان نے اپنے نائبوں اور لشکر کے سرداروں کی خدمت پر ایسے لوگوں کو مقرر کیا جو عقلمند بھی تھے اور بہادر بھی اس کا خیال تھا کہ ایسے لوگ موقعہ پر صبر و تحمل کا دامن نہیں چھوڑتے اور جب مناسب وقت آتا ہے تو کاری ضرب لگاتے ہیں۔

اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان وحشی اور غصیلے مغلوں کے کردار کا اصل جوہر ان کا "صبر" ہی تو تھا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ اس کے لشکر کے وہ لوگ بے وقوفی کی حد تک نڈر تھے انہیں خیمہ بردار چھکڑوں کی نگرانی اور حفاظت پر لگا یا گیا تھا اور جو احمق تھے انہیں گلّوں کی نگہبانی سونپی گئی تھی۔

○

چنگیز خان کے کردار کے بعض پہلو انتہائی حیرت ناک ہیں۔ ایک مرتبہ اس کے ایک نائب نے پوچھا:

"خانِ محترم! آپ کا سوبدائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ بے مثل جری اور بہادر ہے"

چنگیز خان نے فوراً جواب دیا:

"اس کی اس خوبی کو بہت کم جوان پہنچتے ہیں۔ سوبدائی انوکھی خوبیوں کا مالک ہے۔ اسے دیکھنا اور پرکھنا ہو تو میدانِ جنگ میں دیکھو۔"

"خانِ محترم!"

نائب نے ذرا آواز دبا کر عرض کیا:

"ایسی خوبیوں والے سورما کو آپ نے اب تک سردار کیوں نہیں بنایا۔ کیا آپ کو اس پر اعتماد نہیں؟"

چنگیز خان نے اسے گھور کر دیکھا:

"اگر وہ ناقابلِ اعتماد ہوتا تو اب تک جہنم میں بھیج چکا ہوتا۔ رہا یہ سوال کہ اسے اب تک سردار کے عہدے پہ ترقی کیوں نہیں دی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ سوبدائی لمبے لمبے سفر سے نہ تھکتا ہے نہ اسے پیاس لگتی ہے۔ ایک

عام سپاہی کے لیے تو یہ ایک بڑی خوبی ہے لیکن سردار کے لیے یہ بہت بڑا عیب ہے۔

سردار کی ذات خود اکیلی ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے ماتحتوں کا بھی ذمے دار ہوتا ہے۔ ہر شخص لمبی مسافت سے تھک جاتا ہے اور اسے بھوک پیاس بھی لگتی ہے۔

اگر سوبدائی کو سردار بنا دیا جائے تو وہ اپنے ماتحتوں سے بھی توقع رکھے گا کہ وہ بھی اس کی طرح طویل مسافتوں سے نہیں تھکیں گے اور نہ ہی انہیں بھوک پیاس لگے۔

اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ یہی نا کہ اس کے ماتحت اس سے بددل ہو جائیں گے اور جس سردار کے ماتحت اس کے خلاف ہو جائیں وہ سردار، لشکر کو فائدہ نہیں نقصان پہنچاتا ہے"۔

آپ نے دیکھا کہ باکا کے خان کے دربار میں آنے والے تمام جوان بہادر تو ہوتے ہی تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان میں سرکشی، خودسری اور وحشیانہ پن بھی ہوتا تھا اور چنگیز خان کو ان پہ قابو رکھنے کے لیے مستقل مزاجی اور منصف مزاجی کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اور اس مستقل مزاجی میں اسے بعض اوقات سنگدلی بھی شامل کرنا پڑتی تھی۔ اسی طرح اسے منصف مزاجی میں بھی توازن پیدا کرنا پڑتا تھا۔

نوجوان خان کی اس سنگدلانہ مستقل مزاجی اور متوازن منصف مزاجی دیکھنے کا موقع ہمیں اس وقت ملتا ہے جب بورقہ کا باپ اپنے سات بیٹوں اور کچھ ساتھیوں کو چنگیز خان کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

چنگیز خان نے ان کی بہادری کو فوراً جانچ لیا اور انہیں اپنی صفوں میں خوشی خوشی شامل کر لیا مگر ان نئے آنے والوں کی وجہ سے ان میں نہ صرف اختلاف پیدا ہوا بلکہ تلخی اس قدر بڑھی کہ اسے سلجھانا مشکل ہو گیا۔

یہ اختلاف اور تلخی دراصل اس کے ایک بیٹے تب تنگری کی وجہ سے پیدا ہوا جو خود کو شامان[1] کہتا تھا۔ اسے یہ بھی دعویٰ تھا کہ جب چاہے اس کی روح قیدِ جسم سے آزاد ہو کر عالمِ ارواح میں جا سکتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی اسے یہ دعویٰ بھی تھا کہ اسے مستقبل کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے اور یہ حال اسے آسمانی روحیں بتاتی ہیں۔

ان تمام خود ساختہ دعووں کے باوجود اس میں سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ اسے اقتدار کی زبردست خواہش تھی۔ تب تنگری کو یہ معلوم تھا کہ اس وقت تمام اطراف میں سب سے زیادہ طاقتور ہستی باکا کا نوجوان سپہ سالار چنگیز خان ہے پھر جب وہ خان کے دربار میں شامل ہوا تو اس کے دماغ میں یہ سودا سما گیا کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ آئے ہوئے دوسرے لوگوں کی مدد سے چنگیز خان کو اقتدار سے ہٹا کر خود بڑا خان بن سکتا ہے۔

چنانچہ تب تنگری نے اقتدار کی جنگ شروع کر دی مگر اس طرح کہ جس کا تختہ الٹ کر وہ اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا اسے اس کی خبر بہت دیر بعد ہو سکی۔

تب تنگری نے اپنے منصوبہ کا آغاز اس طرح کیا کہ "شامان" ہونے کی شہرت کی وجہ سے چنگیز کی خیمہ بستی کا ہر قبیلہ اس کی عزت کرتا اور اسے سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ خود چنگیز کی نظروں میں بھی اس کی بڑی عزت تھی۔

تب تنگری نے منصوبہ کے مطابق خیمہ بستی کے تمام قبیلوں میں ایک ایک رات گزارنا شروع کی۔ اپنے اس فعل سے وہ دراصل خود کو تمام قبائل میں متعارف کرانا چاہتا تھا تاکہ جب برسراقتدار آئے تو لوگ اس کے اقتدار کو فوراً قبول کر لیں۔ تب تنگری جس قبیلہ میں جاتا وہاں کے قبیلہ سردار سے کہتا:

"مجھے جاودانی آسمان کی روحوں نے حکم دیا ہے کہ میں آج کی شب تمہارے قبیلہ میں بسر کروں۔"

شامان کی بات سے کوئی انکار نہ کر سکتا تھا اور نہ اس کا حکم ٹال سکتا تھا۔ قبیلہ سردار فوراً اپنا سر خم کر دیتا اور بس تب تنگری کی خاطریں شروع ہو جاتیں۔

وہاں ایک رات گزار کر وہ دوسری رات کسی دوسرے قبیلے میں پہنچ جاتا:

"مجھے آسمانی روحوں نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے قبیلہ میں آج کی رات بسر کروں۔"

تب تنگری اپنے الفاظ دہراتا اور قبیلہ سردار اسے اپنی آنکھوں پہ بٹھا لیتا۔ پھر تو ایسا ہوا کہ تب تنگری کو کسی قبیلہ میں جا کے یہ الفاظ دہرانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ وہ شام کے وقت جس قبیلہ سردار کے پاس پہنچتا وہ سردار خود ہی سر جھکا کر عرض کرتا:

"اے معزز شامان! آج آسمانی روحوں نے ہمیں آپ کی اس رات مہمان نوازی کا شرف بخشا ہے۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔"

پھر وہ سردار تب تنگری کو بہترین خیمے میں ٹھہراتا اور تمام رات خدمت گزاری میں حاضر رہتا۔ نوجوان خان چنگیز خان کو تب تنگری کی ہر شب ایک قبیلہ سردار کے یہاں شب بسری اور مہمان داری کی اطلاع ملتی اور وہ حقیقت سے بے خبر اس اطلاع پہ مسرت کا اظہار کرتا اور تب تنگری کے باپ بورقہ کو اس کے بیٹے کی اس پارسائی اور پذیرائی پہ خوش ہو کر مبارک باد دیتا۔

چنگیز خان کے تین بھائی تھے۔ چنگیز ان میں سب سے بڑا تھا لیکن جسمانی طاقت اور تیر اندازی میں قسار، جو اس کا چھوٹا بھائی تھا، کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

تموجو اس کا تیسرا بھائی تھا۔ وہ تھا تو بہادر لیکن اس میں کوئی اہم خوبی نہ تھی۔ ہاں اگر ان تینوں بھائیوں کو ایک ساتھ کھڑا کر دیا جاتا تو ان سے چالیس پچاس آدمی بھی مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ قسار اس قدر تیزی سے تیر برساتا تھا کہ دشمن کی فوجیں الٹ جاتیں۔

تب تنگری دراصل چنگیز خان کو اقتدار سے ہٹانے پہ تلا ہوا تھا مگر اس کے اقتدار کے راستے میں قسار اور تموجو

حائل تھے۔ ان کی موجودگی میں تب تنگری اپنے سات بھائیوں کے ساتھ بھی چنگیز خان پہ ہاتھ ڈالنے سے خوفزدہ تھا۔ آخر اس نے اس کا ایک حل نکال لیا۔

تب تنگری نے شرارت کا آغاز کیا اور ایک دن موقع پا کر اس نے اپنے بھائیوں کی مدد سے قسار کی پٹائی کر دی۔ انہوں نے قسار کو گھونسوں اور لاٹھیوں سے مارا۔ قسار اکیلا تھا اور تیر اندازی کا بھی کوئی موقع نہ تھا اس لیے وہ آسانی سے پٹ گیا۔

مار کھانے کے بعد قسار نے چنگیز خان سے شکایت کی:

"بڑے خان! مجھے تب تنگری اور اس کے بھائیوں نے بلاوجہ پیٹا ہے۔"

چنگیز خان ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ شاید وہ تب تنگری کے مرتبہ کا خیال کر رہا تھا۔ قسار نے اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ کہا:

"بڑے خان آپ نے سنا نہیں، تب تنگری اور اس نے تمام بھائیوں نے خوامخواہ میری پٹائی کی ہے۔"

"قسار۔"

چنگیز خان چلا اٹھا اور تیز لہجے میں بولا:

"تو تو دعویٰ کرتا ہے کہ طاقت اور فراست میں کوئی تیرے برابر نہیں۔ پھر تو نے ان سے کس طرح مار کھائی؟ تو جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کیسے کرے گا؟"

قسار کو بھائی سے ایسے جواب کی امید نہ تھی۔ اس نے تب تنگری اور اس کے بھائیوں سے بدلہ لینے سے پہلے بڑے خان کو مطلع کرنا مناسب جانا تھا تاکہ بعد میں بھائی شکوہ نہ کرے لیکن بھائی کے تلخ جواب نے اسے بہت مایوس کیا۔ قسار غصے میں بھرا ہوا اپنے خیمہ میں چلا گیا اور اس نے چنگیز کے پاس آنا بند کر دیا۔

ادھر تب تنگری اپنے منصوبہ کو آگے بڑھاتا رہا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور قسار نے دربار میں آنا بند کر دیا تھا۔

اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک صبح وہ چنگیز یعنی بڑے خان کے پاس پہنچا۔ چنگیز شامانوں کی بےحد عزت کرتا تھا۔ اس نے تب تنگری کو عزت سے بٹھایا۔

تھوڑی دیر کے بعد تب تنگری نے چنگیز خان سے کہا:

"اے یاکا کے بڑے خان! مجھے جادودانی روحوں نے بتایا ہے کہ یاکا کا خان چنگیز خان قبیلوں پہ حاکم رہے گا مگر اس کی حاکمیت تھوڑے دنوں کے بعد ختم ہو جائے گی۔"

تب تنگری اتنا کہہ کے خاموش ہوا اور اس نے چنگیز خان کی طرف دیکھا۔ چنگیز شامانوں پہ اعتماد کرتا تھا۔ اس جادوگر پجاری کی زبان سے یہ خبر سن کر وہ گھبرا گیا۔

اس نے سہمے ہوئے لہجے میں دریافت کیا:

"میرے بعد قبیلوں پہ کون حکمرانی کرے گا معزز شامان؟"

جادوگر پجاری کو اسی سوال کی امید تھی۔ وہ دراصل بات کو طول دے رہا تھا۔ اس نے چنگیز خان کی بات کے جواب میں کہا:

"اے بڑے خان! میری روح نے جاودانی آسمان کی روحوں کو یہ کہتے ہوئے آسمان کی وسعتوں میں سنا کہ قبیلوں پہ حکومت یاکا خاندان ہی کی رہے گی لیکن چنگیز خان سپہ سالار نہیں رہے گا۔ اس کا چھوٹا بھائی بڑا خان یعنی سپہ سالار بن کر حکومت کرے گا۔"

"ایسا کیوں، ہوا محترم شامان؟"

چنگیز جیسے سفاک اور بد دماغ شخص کا لہجہ انتہائی ملتجیانہ ہو گیا:

"کیا آسمانِ جاودان مجھ پر رحم نہیں کر سکتا۔ کیا روحوں کا کہا ٹالا نہیں جا سکتا؟"

تب تنگری نے دیکھا کہ شکار جال میں پھنس رہا ہے۔

"بڑے خان! ہر بات ٹالی جا سکتی ہے"۔

اس نے آخری تیر چلایا:

"مگر اس کے لیے طاقت اور حوصلہ چاہیے۔ تم جاودانی آسمان کی بلا کو ٹالنا چاہتے ہو تو قسار کو فوراً قتل کر دو میری روح نے آسمان پہ ان کی روحوں سے ایسا ہی سنا ہے۔ . . ."

پھر قبل اس کے کہ چنگیز خان کوئی سوال کرتا، تب تنگری وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد چنگیز سارا دن اپنے خیمے سے نہ نکلا اور بے چینی کے عالم میں اندر ہی ٹہلتا رہا۔ اس دوران اس کی ماں اولون دو مرتبہ آئی اور اسے ٹہلتا دیکھ کر باہر ہی سے لوٹ گئی۔

جب شام ڈھلی تو چنگیز خان نے اپنے چند بہترین سواروں کو ساتھ لیا اور قسار کے خیمے کی طرف چلا۔ یہ خیال رہے کہ چنگیز خان کی خیمہ بستی کئی میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی اور معمولی سے معمولی مغل کے پاس بھی دو تین خیمے ضرور ہوتے تھے۔ اور سرداروں اور بڑے خان یعنی سپہ سالار کے تو پچاس پچاس اور سو سو خیمے ہوتے تھے۔

خیمے یورت یا یوریت اور خیمہ بردار گاڑیاں کبت یا کبوت کہلاتی تھیں۔ یہ گاڑیاں اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ ان کے پہیوں کا درمیانی فاصلہ کم از کم بیس فٹ ہوتا تھا۔

قسار کا گھر (خیمہ) وہاں سے کافی دور تھا اس لیے چنگیز خان اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کے اس کے گھر کی طرف گئے تھے۔

چنگیز خان کے روانہ ہوتے ہی اس کی ماں اولون خاتون اس کے خیمہ پر آئی اور جب اس نے چنگیز خان کے ملازموں سے پوچھا تو ملازم صرف یہ بتا سکے کہ:

"بڑا خان قسار کے گھر گیا ہے"

اس نے یہ بھی بتایا کہ صبح کو محترم تب تنگری شامان بڑے خان کے پاس آیا تھا اور بڑا خان اسی وقت سے پریشان سا ٹہلتا پھر رہا تھا۔

اولون خاتون کو اس کی خاص ملازمہ نے صبح ہی بتا دیا تھا کہ شامان تب تنگری بڑے خان کے خیمہ پہ آیا تھا اور اس نے قسار کے خلاف بڑے خان کو بھڑکایا ہے۔

اولون خاتون کو شامان پر پہلے ہی شبہ تھا۔ پھر جب شامان تب تنگری نے اپنے بھائیوں کی مدد سے قسار کو مارا تھا تو وہ اس جادوگر پجاری کے بالکل ہی خلاف ہو گئی تھی۔

چنگیز خان کے قسار کے خیموں کی طرف جانے کی اطلاع پاتے ہی وہ تیزی سے اپنے خیموں کی طرف واپس آئی اور اس نے حکم دیا:

"ایک گاڑی میں تیز رفتار اونٹوں کو جوت کر گاڑی فوراً اس کے سامنے لائی جائے۔"

گاڑی تیار ہوتے ہی اولون اس میں سوار ہوئی۔ اونٹ گاڑی نے پوری رفتار سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اور وہ جلد ہی قسار کے خیموں تک پہنچ گئی۔ قسار کے تمام خیموں پہ تموچن کے سورماؤں کا پہرا لگا ہوا تھا۔

اولون خاتون جلدی سے اتری اور قسار کے خاص خیمے میں بے دھڑک داخل ہو گئی۔ تموچن کے پہریداروں کو اسے روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اولون خاتون نے دیکھا کہ قسار سامنے کی طرف اپنے دونوں زانوؤں پر جھکا زنجیروں میں جکڑا بیٹھا ہے۔ اس کی ٹوپی اور پیٹی اس سے چھین لی گئی ہے اور چنگیز خان کا ایک ملازم دونوں چیزیں لیے ایک طرف آنکھیں بند کیے کھڑا ہے۔

اولون خاتون حوصلے کی پکی اور ارادے کی مضبوط عورت تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر قسار کی زنجیریں کھولیں اور اسے آزاد کر دیا۔

چنگیز خان جو قسار کے بالکل سامنے کھڑا تھا، وہ اپنی ماں کو قسار کی زنجیریں کھولتے ہوئے دیکھتا رہا لیکن اس نے چوں تک نہ کی۔

پھر اولون خاتون نے تموچن کے ملازم سے قسار کی ٹوپی اور پیٹی چھین کر قسار کو پکڑا دی اور رخ پھیر کر تموچن کی طرف پلٹی۔

اس نے نظریں اٹھا کر تموچن کو دیکھا تو تموچن نے فوراً اپنی نظریں جھکا لیں۔ شاید اس میں ماں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

اولون خاتون نے دو زانو ہو کر اپنا سینہ کھول دیا۔

"بڑے خان تموچن!"

اس نے زہریلے لہجے میں کہا:

"تو نے اور قسار نے ان چھاتیوں سے دودھ پیا ہے۔ تو قسار سے بڑا ہے اور تجھ میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ لیکن نیلے آسمان نے یہ خوبی قسار ہی کو عطا کی ہے کہ وہ پوری قوت اور کمال سے تیر چلائے اور اس کا ایک نشانہ بھی خطا نہ ہو۔ جب آدمیوں نے تجھ سے بغاوت کی تھی تو قسار نے انہیں اپنے تیروں سے مار بھگایا تھا۔"

نوجوان چنگیز خان چپ چاپ ماں کی باتیں سنتا رہا اور اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک اس کی ماں کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو گیا۔ پھر وہ یہ کہتا ہوا خیمے سے نکل گیا:

"جب میں نے یہ حرکت کی تو میں خوفزدہ تھا اور اب میں شرمندہ ہوں۔"

تموچن شامانوں (پجاریوں) کا اس قدر لحاظ کرتا تھا کہ اس نے پھر بھی شامان تب تنگری سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تب تنگری اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ نوجوان خان اس سے ڈرنے لگا ہے۔ اس سے وہ کھلم کھلا تموچن کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے لگا۔ اور لوگوں میں نفاق پھیلانے لگا۔

تب تنگری آدمیوں سے کہتا:

"میں آسمانی روحوں کا راز دار ہوں اس لیے تموچن کی نظروں میں کھٹکتا ہوں۔"

"آسمانی روحیں مجھ سے کہتی ہیں کہ میں لوگوں کو تموچن سے ہوشیار کر دوں!"

تموجن کے درگزر کے رویے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تب تنگری نے اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت تیار کرلی مگر اس کے یہ ساتھی تموجن سے مقابلہ کرنے سے گھبراتے تھے۔

تب تنگری میں اقتدار کی ہوس بے حد بڑھ چکی تھی اور اسے یقین بھی ہوگیا تھا کہ وہ آج نہیں تو کل بڑے خان کا اثر زائل کر دے گا۔

اب تب تنگری نے ایک دوسری حرکت کی۔

تموجن پر تو اس کا بس نہ چل سکا اور قسار بہت ہوشیار ہوگیا تھا اس لیے اس نے چنگیز کے تیسرے بھائی تموجو کو ناکا اور اپنے بھائیوں کی مدد سے اسے پکڑ کر اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ان کے سامنے دوزانو ہو۔

اس بات کی خبر جب چنگیز خان کو ہوئی تو غصہ سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ آخر صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے شامان تب تنگری کی جو عزت اس کے دل میں تھی اس پر اس نے لعنت بھیجی اور تموجو کو بلا کر کہا:

"آج جب تب تنگری میرے یورت میں آئے گا تو اس کے ساتھ تو جو چاہے سلوک کر سکتا ہے مگر کوئی ہتھیار استعمال نہ کرنا۔"

تموجن نے تموجو کو ہتھیار کے استعمال سے اس لیے روکا تھا کہ مغلوں کی رسم کے مطابق آپس کے جھگڑوں میں وہ ہتھیار استعمال نہ کرتے تھے اور مغل اپنی رسموں کی بڑی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

آپس کے اس جھگڑے میں تموجن کی حالت بڑی نازک تھی۔ ایک طرف اس کے دونوں بھائی قسار اور تموجو تھے جن کو بورقہ کے ساتوں بیٹے مار پیٹ کر ذلیل کر چکے تھے اور چنگیز اپنی سپہ سالاری کی وجہ سے ان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکا تھا۔

سپہ سالار کی حیثیت سے چنگیز خان کے غیر جانبدار رہنے کی ایک اور وجہ بھی تھی جو اسے بورقہ کے بیٹوں سے بدلہ لینے یا انہیں سزا دینے سے روکتی تھی اور وہ تھی بورقہ کی حیثیت تھی۔

بورقہ کا باپ منلیک اپنے سات جوان لڑکوں جن میں ایک شامان تب تنگری تھا[1] کے ساتھ ساتھ ایک صاحب حیثیت قبیلے کا سردار بھی تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ چنگیز خان اور منلیک نے شانے سے شانہ ملا کر دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا اور ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تموجن اور منلیک دشمن کے خلاف ایک قابل اعتماد ساتھی اور حلیف کی طرح جنگ کر چکے تھے۔

یہ تھی وہ صورتِ حال اور وجوہات جو تموجن کو کوئی قدم اٹھانے سے روکتی تھیں۔

قسار کی منلیک کے بیٹوں کے ہاتھ سے پٹائی نے ایک لمحہ کو تو تموجن کو اس کے اصل روپ میں ظاہر ہونے پہ آمادہ کر لیا تھا مگر فوراً ہی اسے یہ خیال آگیا تھا کہ وہ اپنی قوت کو ایک قبیلہ نہیں بلکہ صحرائے گوبی کے مشرق سے مغرب تک اور شمال کی برفیلی ہواؤں کے دیس سے جنوب میں ریگ زاروں کی گرم ہواؤں تک کے سینکڑوں مغل قبائل کو تیزی سے ایک متحد قوم کے قالب میں ڈھال رہا ہے اس لیے اس کا جلد برانگیختہ ہو جانا مصلحت کے خلاف تھا۔

پھر جلد ہی اسے معلوم ہوگیا کہ قسار اور منلیک کے بیٹوں کی لڑائی کوئی اتفاقی امر نہ تھا بلکہ یہ تب تنگری کی ایک سازش کا شاخسانہ تھا اور یہ کہ تب تنگری اپنے شامان ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چنگیز خان کو اقتدار سے الگ کر دینے کا خواہشمند ہے۔

اس بات نے تموجن کے اندر چھپے ہوئے اس وحشی اور سفاک چنگیز کو جگا دیا جسے وہ مصلحت کی لوریاں سنا کر سلا تا رہا تھا۔

پھر اسی دوران منلیک کے بیٹوں کا تموجو کو دوزانو کرنے کا واقعہ پیش آیا جس نے تموجن پر پوری طرح واضح کر دیا کہ منلیک یا اس کے ساتوں بیٹے یاکا کے جوان خان کے اقتدار کا مضحکہ اڑا رہے ہیں اور اسے بار بار جنگ کی دعوت دے رہے ہیں۔

اس بات کے دماغ میں آتے ہی تموجن نے مصلحت کا لبادہ اتار پھینکا اور تموجو سے کہا:

"آج جب تب تنگری میرے پاس آئے تو تو جیسے چاہے اس کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔"

یہ ایک طرف تو چنگیز خان کا منلیک یا اس کے بیٹوں کی جنگ کی دعوت قبول کرنا تھا اور دوسری طرف اپنے بھائیوں کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ وہ یاکا مغلوں کا خان ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے پیارے بھائیوں کا بھائی بھی ہے۔ پھر اس نے قسار اور تموجو کا پیارا بھائی ہونے کا ثبوت بھی دے دیا۔

چنگیز خان کا تموجو کو یہ اشارہ دینا کہ:

"آج جب تب تنگری میرے خیمے میں آئے گا . . . . "

اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یا تو منلیک نے اپنے بیٹوں سمیت چنگیز خان سے ملاقات کا وقت لیا تھا[1] یا پھر خود چنگیز خان نے منلیک کو اس کے بیٹوں سمیت اپنے خیمے میں آنے کی دعوت دی تھی۔ ان دو میں سے ایک بات ضرور تھی۔

۱۔ یہ پتہ نہیں کہ منلیک کے ارادے کیا تھے!

بہر حال منلیک معہ اپنے ساتوں بیٹوں کے چنگیز خان کے خیمہ پر پہنچا جہاں "بڑا لخان" ہونے کی حیثیت سے اس کے سورماؤں کا پہرہ رہتا تھا۔

اس وقت بھی معمول کے مطابق خیمہ پر مسلح پہرے دار موجود تھے۔ منلیک اور اس کے بیٹوں نے رسم کے مطابق اپنے ہتھیار جسم سے الگ کر کے خیمہ سے باہر ایک جگہ رکھ دیئے[1]۔

ان لوگوں نے اندر پہنچ کے اپنے طریقے کے مطابق چنگیز خان سے سلام لیا۔ پھر چنگیز نے انہیں اپنی دائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

سپہ سالار کے دائیں طرف بیٹھنے والے لوگ قبیلہ میں سب سے معزز سمجھے جاتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس وقت تک چنگیز خان نے منلیک کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا تھا اور اس کی آمد پر اسے اس کے مرتبہ کے مطابق بیٹھنے کی جگہ دی۔

مگر ان لوگوں کے بیٹھتے ہی وہ منظر سامنے آ گیا جس کے لیے شاید دونوں ہی تیار تھے مگر بظاہر آغاز چنگیز خان کے بھائی تموجو کی طرف سے ہوا۔

تموجو تیزی سے خیمہ میں داخل ہوا۔ وہ سیدھا تب تنگری کے پاس پہنچا اور اس کے شانوں کو اپنے ہاتھوں میں خوب سختی سے جکڑ لیا۔

"کل تو نے مجھے اپنے سامنے دو زانو ہونے پر مجبور کیا تھا۔ آج میں تجھ سے زور آزمائی کروں گا۔" تموجو نے اسے پکڑتے ہی اعلان کیا۔

پھر دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔

تموجو اگرچہ دیکھنے میں تب تنگری سے جسامت میں ہلکا اور وزن میں کم تھا مگر دونوں میں سخت مقابلہ ہو رہا تھا۔ تب تنگری بھاری ہونے کے باوجود تموجو کو قابو میں نہ کر سکا۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ تب تنگری کے تمام بھائی اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاید وہ تب تنگری کو دبتا دیکھ کر اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔

اس وقت تموچن چنگیز خان شیر کی طرح دھاڑا:

1۔ ان میں یہ رسم تھی کہ کوئی مغل قبیلہ سردار کے خیمہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہو سکتا تھا۔

"یہ تموچن چنگیز خان کا اردت ہے۔ یہاں مت لڑو۔ فوراً باہر نکل جاؤ۔"

تموچن کی دھاڑ سے تب تنگری کے بھائی اور منلیک خوفزدہ ہو گئے۔ تموجو اور تب تنگری لڑتے ہوئے خیمے سے باہر نکل گئے۔

لڑنے والے جب خیمے سے باہر پہنچے تو وہاں تین پہلوان قسم کے آدمی کھڑے تھے۔ پتہ نہیں انہیں وہاں تموجو نے مقرر کیا تھا یا تموچن نے۔

ان تینوں نے جو شامان تب تنگری کو پہچانتے تھے، اسے تموجو سے جھپٹ لیا اور اسے گرا کر اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔ پھر اسے ایک طرف پھینک دیا اور وہ ایک چھکڑے کے پہیے کے پاس جا گرا۔

تب تنگری پہیے کے پاس بے حس و حرکت پڑا تھا۔ شاید اس کی سانس بھی نہ چل رہی تھی اور تینوں پہلوان کسی طرف غائب ہو چکے تھے۔

تموجو نے جھک کر تب تنگری کو دیکھا اور دہیں سے آواز لگائی:

"بڑے خان بھائی! کل مجھے تب تنگری اور اس کے بھائیوں نے دو زانو ہونے پر مجبور کیا تھا اب آج میں اس سے زور آزمائی کرنا چاہتا ہوں تو یہ چپ چاپ لیٹا ہے اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا۔"

تموچن کے خیمے کے اندر تموجو کی آواز پہنچی تو تموچن نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا لیکن منلیک اور اس کے بیٹے بھاگ کر خیمے کے باہر نکلے۔

منلیک نے بیٹے کو بے حس و حرکت پڑے دیکھا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے تب تنگری کو ہلا جلا کر دیکھا اور اس کا سینہ صدمے سے بھر گیا۔

پھر فوراً ہی اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ وہ پھرتی سے خیمے میں واپس آیا۔ اس کے لڑکے اس کے ساتھ تھے۔

منلیک نے دیکھا کہ وہ تموچن چنگیز خان کو خیمے میں جس جگہ اور جس حالت میں چھوڑ کے باہر گیا تھا اسی جگہ اور اسی طرح چنگیز خان بیٹھا ہے۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چنگیز خان کو بالکل علم ہی نہیں کہ باہر ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہو چکا ہے اور ایک طوفان آ چکا ہے۔

منلیک کا بدن غم و غصے سے کانپ رہا تھا جبکہ اس کے بیٹوں نے تین تین کی قطار بنا کے خیمے سے باہر جانے کا راستہ روک لیا تھا۔

اس خیمے میں سوائے اوپر والے دودکش کے اور کوئی باہر جانے کا راستہ نہ تھا۔ گویا منلیک اور اس کے

بیٹوں نے شیر کو پنجرے میں گھیر لیا تھا۔

تموجن اپنے دشمنوں کو اس عالم میں دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس وقت منلیک نے جسے اپنے شامان بیٹے کے مارے جانے کا یقین ہو چکا تھا، غصہ سے کانپتی ہوئی آواز میں چنگیز کو مخاطب کیا:

"اے سرخ بالوں والے خان۔۔۔ میں تیری خدمت کرتا رہا۔۔۔ آج کے دن تک۔۔۔؟

اس سے صاف ظاہر تھا کہ منلیک اور اس کے چھ بیٹے سرخ بالوں والے خان پر جھپٹ کر اس سے اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

بے شک پھر خیمے کے اندر تمام لوگ نہتے تھے۔ کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا لیکن خیمے کے باہر تموجن کے مسلح پہریدار موجود تھے۔ اس کی ایک ہلکی سی آواز پر پہریدار اندر آ سکتے تھے مگر تموجن نے جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا، اپنی مدد کے لیے کسی کو نہ پکارا۔

چنگیز خان کی اس بے خوفی سے آپ کو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ وہ کس قدر خود اعتمادی کا مالک تھا۔ سات کے مقابلہ پر وہ اکیلا کھڑا تھا مگر کسی کو آواز دینے کے بجائے وہ ایک بار پھر شیر کی طرح گرجا:

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔ میں باہر جانا چاہتا ہوں"۔

اور یہ کس قدر حیرت انگیز بات تھی کہ منلیک اور اس کے بیٹے چنگیز خان پر حملہ کرنے کے بجائے کائی کی طرح پھٹ گئے۔ تموجن ان کے درمیان سے گزر کر باہر چلا گیا۔

بعد میں انہیں یقیناً حیرت اور افسوس ہوا ہو گا کہ وہ چنگیز کی آواز پر کیوں خوفزدہ ہوئے اور انہوں نے اس سے بدلہ لینے کا ایک بہترین موقع گنوا دیا۔

سرخ بالوں والے خان کے گرد ایسے واقعات روز ہی پیش آتے رہتے تھے اور اس کی خوش بختی یا بے پناہ خود اعتمادی اسے ان خطرات سے صاف بچا لے جاتی تھی۔

جہاں تک منلیک اور اس کے بیٹوں کا معاملہ تھا تو چنگیز ان سے کسی قسم کی خوف و دشمنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ منلیک اس کے پیچھے پیچھے خود بھی خیمہ سے باہر آ گیا تھا مگر اب تو اس میں اتنی ہمت بھی نہ رہ گئی تھی کہ وہ چنگیز خان سے آنکھیں ہی چار کر سکتا۔

چنگیز خان کے محافظ گروہ "انڈا" کے سورما اس کے گرد اور دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور کسی بھی غیر متوقع حادثہ کے لیے تیار تھے۔

چنگیز خان کو شامان پر نظر ڈالتے ہی محسوس ہو گیا کہ دغا باز اور مکار پجاری ہمیشہ کے لیے موت کی سرد آغوش میں پہنچ چکا ہے۔ یہی احساس منلیک اور اس کے بیٹوں میں بھی پیدا ہوا تھا مگر انہوں نے چنگیز کے مقابلے میں اپنی

شکست تسلیم کر لی تھی اور اب انہیں یہ فکر پیدا ہو گئی تھی کہ نہ معلوم چنگیز خان ان سے کس انداز میں انتقام لے گا۔

چنگیز نے پُر وقار لہجہ میں حکم دیا:

"میرے خیمہ کو اس طرح کھینچ کے لایا جائے کہ شامان تب تنگری کی لاش اس کے اندر رہ جائے"۔

حکم ہوتے ہی اس کا خیمہ سرکا یا گیا اور اس نے شامان کی لاش کو ڈھانپ لیا۔ اس وقت چنگیز خان نے دوسرا حکم دیا:

"خیمہ کا دروازہ بند کر کے اسے کس کے باندھ دیا جائے"۔

پھر اس نے محافظوں کی طرف گھوم کے کہا:

"خبردار کوئی آدمی خیمہ کے قریب نہ آنے پائے"۔

اس حکم کے بعد چنگیز خان نے منلیک اور اس کے بیٹوں کو اپنے اپنے خیموں میں جانے کا اشارہ کیا۔ منلیک کے علاوہ اس کے تمام بیٹے اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ منلیک نے مرنے والے بیٹے تب تنگری کے خیمہ میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

مغلوں کے مطابق مرنے والا پہلی رات کو اپنے سب سے پیارے عزیز کے خواب میں ضرور آتا تھا بشرطیکہ وہ عزیز اس کے خیمے میں اس کے بستر پر سو رہا ہو۔ اس لیے منلیک نے اس کے خیمے میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

مگر ـــ

اس رات جب منلیک عالم خواب میں تب تنگری سے اپنی بزدلی اور نامرادی کا رونا رو رہا تھا تو چنگیز خان کے حکم سے اس کے کسے بندھے خیمے کے دود کش کے راستے سے دو آدمی خیمہ کے اندر اترے اور شامان تب تنگری کی لاش کو وہاں سے نکال لے گئے۔

دوسری صبح کو چنگیز خان کے لشکر اور خاص کر منلیک اور اس کے بیٹوں کو یہ فکر ہوئی کہ ان کے شامان تب تنگری کی لاش کا کیا بنا؟

اس وقت چنگیز خان نے تمام بڑے بڑے سرداروں اور منلیک اور اس کے بیٹوں کی موجودگی میں اپنے خیمے کے دروازے کو جسے مضبوط رسیوں سے کس کر باندھا گیا تھا، کھلوایا اور سب کو ساتھ لے کر اندر گیا۔

خیمہ کے اندر لاش موجود نہ تھی۔ چنگیز خان نے ادھر ادھر نظریں دوڑانے کے بعد حاضرین سے کہا:

"شامان تب تنگری میرے بھائیوں کے خلاف سازشیں اور انہیں زد و کوب کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا دوانی نیلے آسمان کی روحیں شامان کی روح اور جسم کو آسمان پر لے گئی ہیں"۔

تموجن کے سردار اپنے سرخ بالوں والے خان کو شامان سے بھی زیادہ افضل سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی اس

کے جواب میں کہا:

"بے شک ایسا ہی ہوا ہے۔ بڑے خان نے بالکل درست فرمایا۔"

اور منلیک اور اس کے بیٹوں کا منہ دھواں دھواں ہو گیا۔

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان میں بیان کرنے والوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک بیان تو یہ ہے کہ منلیک کو چنگیز خان کے مذکورہ بیان پہ یقین نہ آیا اور وہ حقیقتِ حال معلوم کرنے میں سرگرداں رہنے لگا۔

○

میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ چنگیز خان منلیک سے خوف دشمنی پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے کہ منلیک کا قبیلہ بھی ایک طاقتور اور باحیثیت قبیلہ تھا۔ اور چنگیز قبیلہ سردار کو ناپسند کرنے کے باوجود اس کے قبیلے کی طاقت اور افرادی قوت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے شامان تب تنگری کو ایک منصوبہ کے تحت قتل کرایا تھا۔

پھر جب تموچن نے یہ دیکھا کہ منلیک اور اس کے بیٹے اب تک حقیقت کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں تو وہ کھل کر ان کے سامنے آ گیا۔

ایک دن اس نے منلیک کو تنہائی میں بلا کر کہا:

"منلیک! تو میرے ساتھ شامل ہوا اور تو نے میری اطاعت قبول کی لیکن تو نے اپنے بیٹوں کو اطاعت کرنا نہیں سکھایا۔ تیرا بیٹا جو ایک جھوٹا شامان تھا' اس نے میری برابری کا قصد کیا اور میرے دونوں بھائیوں قسار اور تموجوکو اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد سے مارا پیٹا اور انہیں اپنے سامنے دو زانو کر کے ان کی نہیں میری توہین کی اس لیے میں نے اپنے دشمن تب تنگری کو راستہ سے ہٹا دیا۔

رہا تیرا سوال تو تیرے لیے میں نے عہد کیا ہے کہ میں تجھے ہلاک نہیں کروں گا۔ اس لیے تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تو اس قصہ کو بھول جا۔"

تموچن کے اس صاف صاف اقبالِ جرم پر دوسرے مؤرخین کا اختلاف ہے۔ یہاں پر میں یہ بتاتی چلوں کہ مؤرخین سے مراد صرف یورپ کے مؤرخین ہیں۔ اس لیے کہ مغلوں کے بارے میں ہمارے مسلمان تاریخ دان بالکل خاموش ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مسلمانوں کے قدم اس وقت تک صحرائے گوبی کے شمالی بنجر علاقوں یا مشرقی چراگاہوں تک نہیں پہنچے تھے۔

بس!

ہمیں ان وحشی' سفاک مگر انتہائی طاقتور قوم کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس سب کا ماخذ یورپ کے

تاریخ دان ہیں۔

انہی تاریخ دانوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ تموچن نے منلیک کے سامنے صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا تھا کہ اسی نے تب تنگری کا کام تمام کرایا ہے۔

بعد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شامان تب تنگری کی سازش کا اثر بہت دیر تک قائم رہا۔ منلیک کا قبیلہ بھی بہت طاقتور رہا تھا۔ اس لیے آئندہ جو جنگیں تموچن اور اس علاقے کے دوسرے سرداروں اور دوسرے قبائل کے درمیان ہوئیں ان میں تموچن اور منلیک کے دلوں میں دبی ہوئی دشمنی کسی نہ کسی صورت میں ضرور ظاہر ہوتی رہی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ نہ تموچن' اپنے ایک طاقتور دشمن کو ختم کرنے پر تیار تھا اور نہ اسے الگ کرنا چاہتا تھا۔ دوسری جانب منلیک اور اس کے بیٹے بھی یہ جانتے تھے کہ وہ تموچن کو نہ تو اپنی طاقت سے ختم کر سکتے ہیں اور نہ کسی دوسری طاقت سے اشتراک کر کے اس پر قابو پا سکتے ہیں۔

گوبی کی قبائلی لڑائیاں کئی سال تک اسی طرح جاری رہیں۔ یہ قبائل بھیڑیوں کی طرح لڑتے' خون کی ندیاں بہاتے' ایک دوسرے کی خیمہ بستیوں کو اجاڑتے لیکن تموچن کو کوئی شکست نہ دے پایا۔

اس کی خیمہ بستی میں خیموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اب تو منلیک اور اس کے بیٹوں نے اپنی تقدیر تموچن کی فتح و شکست سے وابستہ کر لی تھی۔

تموچن کی طبیعت شکار کیے جانے والے جانور کی طرح شکی تھی۔ اسے جس قدر طاقت حاصل ہوتی جاتی وہ جنگلوں کا دائرہ اور وسیع کرتا جاتا۔

اس نے پاس پڑوس کے تمام قبائل کو تتر بتر کر دیا تھا۔ وہ بھاگنے والوں کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرتا اور اگر کوئی بڑا خان یا قبیلہ سردار گرفتار ہوتا تو نمدے کا پھندہ اس کے گلے میں ڈال کر مروا ڈالتا۔

مغلوں کے دستور میں کسی قبیلہ سردار کو قتل اس لیے نہ کیا جاتا تھا کہ اس کا خون زمین پر گرے گا۔ مغل سردار کا خون اگر زمین پر گرتا تو آسمانی روحیں ناراض ہو جاتیں اور شدید انتقام لیتیں۔

مغلوں کا شمار اگرچہ اب بھی کمزور قوموں میں ہوتا تھا لیکن چنگیز خان کے خیموں کی بستی میں ایک لاکھ سے زیادہ خیمے نصب ہو چکے تھے۔

وہ اپنی خوفناک طاقت سے اپنے گروہ "انداء"[1] کا حوصلہ بڑھاتا تھا۔ اس کے بچے جوان ہو رہے تھے اور وہ اس کے ساتھ گھوڑے پر سواری کرنے لگے تھے۔ تموچن اگرچہ رات کو چین کی نیند سوتا تھا مگر اس کی بے چین طبیعت میں ہر لمحہ

---

[1] انہیں نیلت بھی کہا جاتا تھا۔

ایک انتشار سا رہتا۔

تموجن اپنے اردو (لشکر) کو معروف رکھتا تھا۔ کبھی جنگ نہ ہوتی تو وہ لشکر لے کر شکار کے لیے نکل کھڑا ہوتا، اسی طرح وہ لشکر کو مشغول رکھتا۔

اس کے مویشیوں کے گلے بڑھتے جا رہے تھے۔ چند خاندانوں کے بجائے اب ایک پوری قوم کا بوجھ اس کے توانا کندھوں پر تھا۔

اس نے اپنا پورا ورثہ اپنے دشمنوں سے چھین لیا تھا اور اب وہ اس ورثہ پر خود قابض رہنا چاہتا تھا اور اپنے خاندان کو قابض رکھنا چاہتا تھا۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے اور میں مغل شہنشاہ ہمایوں کی بہن ہوں۔

چنگیز خان کے دل میں ایک بات تھی یا شاید ایک تجویز تھی جو ابھی مکمل نہ ہو پائی تھی۔ ایک ایسی آرزو جس کا اظہار نہ ہو سکا تھا۔

آخر ایک دن اس نے اپنے مشیروں کی ایک مجلس میں کہا:

"ہمارے بزرگوں نے ہم سے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ الگ الگ طرح کے دل و دماغ ایک جسم میں جمع نہیں ہو سکتے لیکن میرا ارادہ ہے کہ میں یہ بھی کر دکھاؤں۔ میں اپنی حاکمیت اپنے پڑوسیوں پر بھی پھیلاؤں گا۔"

اس کا صاف مطلب تھا کہ چنگیز خان میں اتنی طاقت لو حوصلہ پیدا ہو گیا تھا کہ اب وہ صرف صحرائے گوبی کی ان چراگاہوں پر قناعت نہیں کر سکتا تھا بلکہ وہ اپنی حاکمیت کو ان سرحدوں سے دور کے علاقوں تک پھیلانے کا شدت سے خواہش مند تھا۔

پھر اسی سال یعنی ۱۲۰۶ء جو مغلوں کے لحاظ سے بکنک کا سال تھا، خود چنگیز خان نے ایک قرولتائی طلب کی۔

میری اس داستان میں قرولتائی کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ مغلوں میں قرولتائی کا مطلب اعلیٰ ترین سرداروں کی مجلسِ مشورت۔

تموجن مغلوں کے یاکا قبیلہ کا سردار تھا مگر جب اس نے زور پکڑا تو چھوٹے چھوٹے تمام قبائل اس کے گرد

جمع ہوگئے اور انہوں نے سرخ بالوں اور بلی جیسی تیز آنکھوں والے نوجوان خان کو اپنا خان، بڑا خان اور سپہ سالار تسلیم کر لیا۔

اس وقت تک تموچن کو تین ناموں سے پکارا جاتا تھا:

تموچن خان

خان

بڑا خان!

لیکن اس قرولتائی میں تموچن کو "چنگیز خان" کا لقب دیا گیا۔ اس نام کے اصل معنی تو کسی کو معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے معنی خانِ اعظم یا خانِ تاباں اور خاقان کے ہوں لیکن چنگیز خان نے کبھی خاقان یا شہنشاہ کا لقب اختیار نہیں کیا۔

خاقان کے معنی شہنشاہ کے ہوتے ہیں اور یہ لفظ ترکی کے کاغان سے مشتق ہے (پاکستان میں کاغان ایک مشہور وادی اور پرفضا مقام ہے)۔

قرولتائی اس طرح شروع ہوئی کہ دشت کے جو اسیر قبائلی جنگوں کے بعد بچے تھے وہ ایک الاؤ کے گرد اکٹھے ہوئے اور انہوں نے مشورہ کیا کہ وہ کسی کو اپنا سردار منتخب کریں۔

بہت دیر کی بحث کے بعد وہ سب تموچن کے نام پر متفق ہوئے جس نے اب تک کی اپنی تمام لڑائیوں میں فتح حاصل کی تھی۔

بڑے پرانے خاندان کے دو نویون تموچن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

"ہم نے طے کیا ہے کہ ہم تجھے اپنا "خان" بنائیں۔ جب تو ہمارا خان بن جائے گا تو ہم تیرا حکم مانیں گے۔

جنگ کے میدان میں ہم دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوں گے۔

جب ہم حسین لڑکیوں کو اسیر کریں گے تو سب سے حسین لڑکی کو تیرے سامنے پیش کریں گے کہ یہ تیرا حق ہوگا۔

جب تو شکار کو نکلے گا تو ہم تیرے آگے آگے چلیں گے اور شکار کو تیرے سامنے مار کر یا جکڑ کر پیش کریں گے۔

اگر ہم تیرے حکم سے سرتابی کریں تو ہم سے تو ہمارے بیوی بچوں کو چھین لینا اور ہمیں بیابان میں چھوڑ دینا۔"

یہ قرولتائی چونکہ تموچن کی مرضی سے منعقد ہوئی تھی اس لیے اس نے دونوں نویون کی بات مان لی۔ اس نے زبانی

کچھ نہ کہا کیونکہ وہ اسی طرح کی ایک مجلس میں پہلے بھی چھوٹا خان تسلیم کیا جا چکا تھا لیکن وہ ایک علاقائی مجلس تھی اور اس موجودہ مجلس میں جو فیصلے ہوتے وہ صحرائے گوبی کی تمام تر چراگاہوں کے مشترکہ فیصلے تھے۔

تموچن نے چنگیز خان یا خاقان ہونے کے بعد سب سے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ اس نے اپنے لیے ایک مضبوط محافظ دستہ چنا جسے "قشتق" کا نام دیا۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ چنگیز خان نے اسی قرولتائی میں اپنے سورماؤں سے ایک عہد کیا جس کا تفصیلی بیان اس طرح ہے کہ:

میرے سورما جنگل کے درخت کی طرح تاریک اور مضبوط ہیں۔

میں شکر[1] سے ان کا منہ میٹھا کروں گا۔

میں انہیں اطلس کے لباد سے پہناؤں گا۔

میں انہیں تیز گھوڑوں پہ بٹھاؤں گا۔

وہ صاف اور شیریں ندیوں کا پانی پئیں گے۔

ان کے گھوڑے اونچی اور لہلہاتی چراگاہوں میں گھاس چریں گے۔

میں نے اپنی قوم کے لیے نئے راستے پکے کرائے ہیں۔

میں ان سے ساری تکلیفیں دور رکھوں گا۔

میں ان کے مرغزاروں میں خاردار جھاڑیاں اور جنگلی بوٹیاں نہ اگنے دوں گا۔

چنگیز خان نجومیوں کی پیش گوئیاں سنا کرتا تھا۔ پتہ نہیں وہ ان پہ یقین رکھتا تھا یا نہیں لیکن وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ ان پیش گوئیوں سے کام نکالے جا سکتے ہیں۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے فخریہ کہا:

"مجھے جاودانی نیلے آسمان نے اس ساری نسل کا حاکم بنایا ہے جو نمدے کے خیموں میں رہتی ہے"۔

اس وقت اس کی عمر انتالیس سال تھی۔

ا۔ پتہ نہیں اس جگہ شکر سے کیا مراد ہے۔

چنگیز خان نے اپنے سورماؤں سے جو عہد کیا تھا اسے امید سے زیادہ حد تک پورا کیا۔ اس کا "رجز" اس کی قوم کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ وہ لکھا بھی نہیں گیا مگر سننے والوں کو ازبر ہو گیا اور ان کا عہد بن گیا جو پورا بھی ہوا۔

چنگیز خان قبائلی عداوتوں سے ڈرتا تھا۔ اس کے طویل تجربہ نے اسے یہ سمجھا دیا تھا کہ قبائلی عداوت قبائل کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔

اسی لیے اس نے حکم دے دیا کہ:

"جو مغل خود کو مغل کہتا ہے وہ کسی دوسرے مغل پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔"

آہستہ آہستہ خانہ جنگی کرنے والے قبیلے اس کے ہزاری دستوں میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے اپنے سامعین کو مخاطب کر کے کہا:

"اب میں رحم و کرم کی باتیں کروں گا اور ان لوگوں کو ہزاری دستوں کا سردار بناؤں گا جو میرے کام میں مدد کریں گے۔"

جس مجمع میں اس نے یہ بات کہی اس میں مغل قوم کا ایک بڑا شامان "گوکچو" بھی موجود تھا۔ اس نے چنگیز خان کی بات سن کر وہاں موجود سورماؤں اور نوجوانوں سے کہا:

"اے مغل قوم کے سورماؤ!

میں تم کو آسمانی روحوں کی بات بتاتا ہوں جو یہ ہے کہ نیلے جاودانی آسمان کی طاقت چنگیز خان پر اتر آئی ہے اور چنگیز خان زمین پر اس کا نائب ہے۔"

سننے والوں نے شامان کی اس بات کا یقین کر لیا کیونکہ چنگیز نے دوسرے مغل خاندانوں کے مقابلے میں اپنے خاندان کو بلند مقام پر پہنچایا تھا۔ اس نے مغلوں کا مرتبہ دوسرے خیمہ بردار قبیلوں سے اونچا کر دیا تھا۔ وہی صحیح معنوں میں نیلے بھیڑیے کی نسل سے تھا اور بورجی گون کا وارث بھی۔

انہیں یقین ہو گیا کہ چنگیز خان جہاں بھی جائے گا دو چیزیں اس کے ہم رکاب رہیں گی:

۱۔ پانی

۲۔ جنگل کے دیوتا

یہ الگ بات ہے کہ چنگیز خان ان پیش گوئیوں پر کہاں تک یقین کرتا تھا لیکن یہ بات ضرور تھی کہ وہ شامانوں کی ان پیش گوئیوں کو سنتا ضرور تھا اور اس موقعہ پر بھیڑیں بھی جلائی جاتیں۔

وہ بھیڑوں کی رانیں تو لیتا مگر ہمیشہ اپنی تجویزیں خود بناتا تھا اور تجویز بنانے میں سوائے اپنے تجربہ کے کسی پیش گوئی کو دخل نہ دینے دیتا تھا۔

چنگیز خان کو اپنے دوستوں، ساتھیوں اور سورماؤں میں ہمیشہ وفاداری کی تلاش رہتی تھی اور اس وفاداری کی تلاش کا انداز بھی نرالا تھا۔

اس کے متعلق پورے دشت میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنے قبیلہ سردار کو گرفتار کر کے چنگیز کے پاس لائے گا تو چنگیز خان اس لانے والے کو قتل کرا دے گا کیونکہ اس کے خیال میں اپنے آقا کو گرفتار کرانا بڑی سخت غداری ہے اور غداری کی سزا صرف موت ہے۔

برخلاف اس کے چنگیز خان ان لوگوں پر رحم کرتا تھا جو اپنے آقا کی جان بچانے کے لیے جان توڑ کر لڑتے تھے۔ ایسے لوگوں کی وفاداری کی وہ بہت قدر کرتا تھا۔

ایک بار چنگیز خان نے کسی قبیلہ کے گرفتار ہونے والے ایک جوان سے کہا:

"تم تین دن تک مسلسل لڑتے رہے تاکہ تمہارے آقا کو کسی طرح بچ نکلنے کا موقع مل جائے۔ مجھے تمہاری وفاداری پسند آئی۔ تم اسی طرح میری خدمت کرو۔ میں تمہیں اپنا رفیق بناؤں گا۔"

دشت کے رہنے والے دشت کے قانون کو مانتے تھے۔ جنگ کے موقع پر چنگیز خان کسی طرح کی بھی اخلاق قدر کا پابند یا قائل نہ تھا۔ جنگ میں اس کے سامنے صرف ایک مقصد ہوتا تھا:

"فتح حاصل کرنا۔"

اس کے لیے وہ تلوار سے کام لیتا اور اگر دغا اور چالاکی سے جنگ جیتنے کا موقع اور امکان ہوتا تو چنگیز خان اس سے بھی دریغ نہ کرتا۔

اس کا ایک ہی اصول تھا:

"مارو اور فتح حاصل کرو۔"

اور اس پر وہ ہمیشہ عمل کرتا تھا۔

میرا نام "گلبدن بیگم" ہے اور میں شہنشاہِ ہند ~~ہمایوں~~ بابر کی بیٹی ہوں۔

میں نے خاقان چنگیز خان کی عادات و اطوار کا ایک تفصیلی جائزہ اس لیے پیش کیا ہے تاکہ جب آپ اپنے دور کے اس سفاک ترین مغل کو دوسری اقوام کے ساتھ برسرِ پیکار دیکھیں تو اس کی بربریت، تباہی و بربادی اور قتلِ عام پر زیادہ تعجب نہ کریں کہ اس کا خمیر ایسی جذبوں سے بنا تھا۔ سروں کے مینار بنانا یا خون کی شاہراہیں تعمیر کرنا اس کی فطرت کا ایک معمولی خاصّہ تھا۔

چنگیز خان نے ایک بار اپنے سرداروں سے کہا:

"ہمارے بزرگوں کا قول ہے کہ الگ الگ طرح کے دل و دماغ کو ایک ہی جسم میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔

مگر میرا ارادہ ہے کہ میں یہ بھی کر کے دکھا دوں اور اپنی حکومت اپنے ہمسایوں پر بھی پھیلا دوں"۔

وہ یہ دعویٰ تو کر بیٹھا مگر جب اس نے اس کے عملی پہلوؤں پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ جب تک وہ اپنے زہریلے جنگجوؤں کو قبیلوں کی ایک برادری میں نہیں ڈھالتا اور پیرا تابعہ رکھنے والے دشمنوں پر اپنی حکومت نہیں جماتا اس وقت تک یہ ممکن نہیں۔

چنانچہ چنگیز خان نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ پائے استقلال میں لرزش آنے دیے بغیر اپنے اس مقصد کی تکمیل کی کوشش شروع کر دی۔

O

O

تیرھویں صدی عیسوی شروع ہو چکی تھی۔

چنگیز خان قبیلوں کو ایک برادری بنانے میں لگا ہوا تھا جو اس کے بزرگوں کے مطابق ناممکن تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ یہ کام اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ ایک قبیلہ باقی تمام قبیلوں کا سردار بن جائے۔

قوم قرایت کا بوڑھا سردار طغرل خان جسے جان پریسٹر کہا جاتا تھا، کی حکومت ان شہروں پر تھی جو اس شاہراہ پر واقع تھے جو ختا (چین) کے شمالی دروازوں سے مغرب کی طرف جاتی تھی۔

اس شاہراہ پر قبضے کے جو دوررس نتائج ہو سکتے تھے، اس کا ایک ہلکا سا تصور چنگیز خان کے دماغ کے کسی کونے میں موجود تھا اور اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خاصے غور و خوض کے بعد چنگیز خان نے بوڑھے سردار کے پاس جانے کا قصد کیا۔

چنگیز خان کا ارادہ تھا کہ وہ بوڑھے طغرل خان کے سامنے ایک معاہدہ کی تجویز رکھے گا جس سے قوم قرایت اور خود چنگیز کی سوربا برادری، دونوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔

چنگیز کی طاقت اب اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ وہ قوم قرایت کے بوڑھے سردار طغرل خان سے برابری کی بنیاد پر معاہدہ کر سکتا تھا۔

"اے میرے باپ!"

چنگیز نے بوڑھے طغرل خان کے سامنے عرضداشت پیش کی:

"میں تیری مدد کے بغیر اپنے دشمنوں کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ تو مجھ سے پکی دوستی کے بغیر چین سے

ہو سکتا ہے، تیرے بھائی بند تیری زرخیز زمین اور چراگاہوں پر قبضہ کر لیں گے۔"

چنگیز خان نے رک کر بوڑھے خان کے ردِ عمل کا اندازہ لگایا جو بڑے انہماک سے چنگیز کی بات سن رہا تھا اور ہمہ تن گوش تھا۔

"اے میرے باپ کے منہ بولے بھائی!"

چنگیز نے سانس لے کر پھر کہنا شروع کیا:

"تیرا لڑکا ابھی چھوٹا ہے اور ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا مگر یہ بات طے ہے کہ اگر تیرے بھائی بندوں نے ایک بار تیرے علاقے پر قبضہ کر لیا تو پھر انہیں بے دخل کرنا کسی طرح ممکن نہ ہو گا اور تیرے معصوم بیٹے کو بھی اپنی طاقت اور جان دونوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

طغرل خان چونک پڑا:

"یہ تو کیا کہہ رہا ہے چنگیز خان؟"

"اے میرے باپ!"

اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو ہونے والا ہے۔"

"پھر....."

طغرل خان نے اضطراب کے عالم میں پوچھا:

"پھر تو نے اس کا کیا حل سوچا ہے اے میرے منہ بولے بھائی کے پیارے بیٹے؟"

اس کی کانپتی ہوئی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے بھی خطرے کا احساس ہو گیا ہے۔ شاید یہ احساس پہلے سے موجود تھا جسے چنگیز نے ہوا دے دی تھی۔

"اے میرے باپ!"

چنگیز خان نے اپنا سوچا سمجھا ہوا حل پیش کیا:

"ہم دونوں کے لیے اپنی اپنی حکومت اور جان کی سلامتی کی ضمانت صرف ایک ہی صورت میں مہیا ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ تم اسے پسند کرو۔"

"بتاؤ بتاؤ۔ جلد بتاؤ چنگیز خان۔"

طغرل خان نے بڑی امیدوں سے کہا:

"مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے!"

"اس کا طریقہ یہ ہے اے میرے باپ!"

چنگیز خان نے اسے زیادہ دیر انتظار میں نہ رکھا اور بولا:

"کہ میں تیرا بیٹا بن جاؤں تاکہ ہم دونوں کے لیے ایک مضبوط بنیاد بن جائے۔"

چنگیز خان اب اس مقام پر تھا کہ وہ قرابت کے بوڑھے طغرل خان کا متبنیٰ بننے کی درخواست کر سکے کیونکہ طغرل خان کا بیٹا کمسن تھا ناتجربہ کار تھا جبکہ اس کے مقابلے میں چنگیز خان ایک مضبوط برادری کا خاقان تھا۔

"چنگیز خان!"

طغرل خان نے فیصلہ کرنے میں ذرا بھی دیر نہ کی:

"تم میرے منہ بولے بھائی کے بیٹے ہو اس لیے میرے بھی بیٹے ہو۔ میں تمہیں پہلے بھی بیٹا ہی سمجھتا تھا اور اب بھی بیٹا ہی سمجھتا ہوں لیکن اب میں دشمنوں کو جتانے کے لیے اعلان کروں گا کہ میں نے چنگیز خان کو متبنیٰ کر لیا ہے۔"

اور طغرل خان نے بلا توقف اس کا اعلان کر دیا۔

اس طرح طغرل خان کو اپنی جان اور بیٹے کی جان اور اپنے علاقے کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط حلیف مل گیا۔ دوسری طرف چنگیز خان کو متبنیٰ ہونے کے باعث یہ حق مل گیا کہ بوڑھے طغرل خان کے مرنے پر وہ اس کے علاقے کا انتظام سنبھال لے۔

چنگیز خان کو بوڑھے قرایت سردار سے کیے ہوئے وعدے اور معاہدے کی سچائی ثابت کرنے کا موقع بہت جلد مل گیا۔ قرایت قبائل کے مغربی علاقوں میں بدھ مت کے ماننے والے قبیلے اور بعض مسلمان قبائل آباد تھے۔ قرایت والوں میں بعض تو عیسائی تھے اور نیلے جاودانی آسمان اور شامانوں کے پرستار تھے۔ ظاہر ہے کہ بدھ مذہب کے ماننے والے اور مسلمان ان کے خلاف تھے اور آئے دن چھیڑ خانی کرتے رہتے تھے۔

طغرل خان جو عمر رسیدہ ہو رہا تھا اور اس کے اعضاء ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے اسی لیے مغرب والوں کی یہ چھیڑ خانی بڑھتی جا رہی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ مغرب والوں نے طغرل خان پر اچانک حملہ کر دیا اور ایسی یلغار کی کہ قرایت کے بہت سے علاقوں پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

طغرل خان نے فوراً اپنے حلیف اور متبنیٰ بیٹے چنگیز خان کو مدد کے لیے پکارا اور چنگیز خان کو معاہدہ کی سچائی

ثابت کرنے کا موقع مل گیا۔

طغرل خان کا قاصد جس صبح چنگیز خان کے پاس مدد کی درخواست لے کے پہنچا اسی دوپہر کو چنگیز خان نے اپنے سورماؤں[1] کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا:

"میرے سورماؤ! تم جانتے ہو کہ قرایت کے طغرل خان نے مجھے اپنا متبنّٰی بنالیا ہے۔ اب وہ میرے باپ کی جگہ ہے اس کے قبیلے پر مغرب کے بدھوؤں نے حملہ کر کے بہت سا علاقہ دبالیا ہے۔ تم آندھی اور طوفان کی طرح وہاں پہنچو اور نہ صرف ان سے قرایت علاقہ واپس لے لو بلکہ ان کے علاقوں میں داخل ہو کر جو کچھ ہاتھ لگے اٹھا لاؤ۔"

چنگیز خان نے ایک مختصر مگر بڑے بڑے سورماؤں پر مشتمل لشکر ترتیب دے کر ادھر روانہ کر دیا۔ چنگیز خان کے ایک چھوٹے سے لشکر کی متمدن دنیا کے لوگوں سے یہ پہلی جھڑپ تھی۔

جہاں تک خود چنگیز خان کا تعلق تھا تو وہ تہذیب و تمدن کے الفاظ سے بھی ناواقف تھا۔ متمدن دنیا کے تاجر اس کے علاقے میں ضرور آتے جاتے تھے لیکن ان کا سابقہ صرف مغل عورتوں سے پڑتا تھا جو غیر ملکی چیزیں یہاں کے مندوں اور مور سے بدلا کرتی تھیں۔

چنگیز خان کے اس مختصر لشکر نے حملہ آوروں کو نہ صرف قرایت علاقے سے مار بھگایا بلکہ ان کے علاقے میں داخل ہو کے ایسا اودھم مچایا کہ ان کی عقل ٹھکانے آ گئی۔

مغل سواروں کے ہاتھ جو چیز لگی وہ اٹھا لائے۔ انہوں نے ان کی عورتوں پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی مگر ان کے سردار نے روک دیا۔

"خاقان نے ہمیں عورتوں کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا۔"

خاقان چنگیز خان کا ان پر اس قدر رعب طاری تھا کہ اس کا نام سنتے ہی وہ سہم گئے۔ پھر انہوں نے مغربی علاقوں سے سوائے عورتوں کے سب کچھ لوٹ لیا۔

واپسی پر چنگیز خان نے ان کی ہمت افزائی کی اور جو مال جس نے لوٹا تھا اس کو بخش دیا۔ طغرل خان نے بھی اس لشکر کے لیے بہت سے تحائف بھیجے۔

طغرل خان سے معاہدے اور اس کے نتیجے میں قرایتوں کی مدد کر کے چنگیز خان نے دراصل ایک بڑا خوبصورت سیاسی کھیل کھیلا تھا۔

ان پڑھ اور وحشی چنگیز خان کو اگر آپ سیاستدان نہ بھی کہیں تو کم از کم آپ کو اسے "ذہین" ضرور تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ چنگیز خان نے طغرل خان کو ترکوں اور بدھوں سے ایک مستقل جنگ میں الجھا دیا اور خود ہر طرف سے مطمئن ہو کر اپنی طاقت بڑھانے چلا جا رہا تھا۔

گوبی کی چراگاہوں کے جنوب میں صحرائے گوبی تھا اور اس کے سرے پر دیوارِ چین تھی جو اس قدر چوڑی اور لمبی تھی کہ اس کا پار کرنا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔

دیوارِ چین کے اس پار چین کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ اگلے وقتوں میں چین کو خطا کے نام سے پکارا اور لکھا جاتا تھا۔

مشہور ہے کہ پرانے زمانے میں یہاں دو مشہور سلطنتیں تھیں:

۱۔ خطا
۲۔ ختن

ان دونوں کا دور دور شہرہ تھا۔ اردو ادب میں بھی خطا و ختن کا ذکر پایا جاتا ہے چنانچہ ایک مثنوی میں کسی بڑے بادشاہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ:

خطا و ختن سے وہ لیتا خراج

چین دو حصوں میں بٹا ہوا تھا:

۱۔ شمالی چین
۲۔ جنوبی چین

ان دونوں حصوں پر الگ الگ دو خاندان حکومت کرتے تھے۔ شمالی چین پر خاندانِ زریں حکومت کرتا تھا۔ شمال کے اس خاندان کو "چن" بھی کہتے تھے۔

دوسرا خاندان جو جنوبی چین کا حاکم تھا "سنگ" خاندان کے نام سے مشہور تھا اور اب تک اس کا ذکر اسی نام سے ہوتا ہے۔

چینی زبان میں خطا کو "کیھتے" کہتے ہیں جو خطا سے مشتق ہے۔ وسط ایشیا کے تاتاری دونوں خاندانوں کے مقبوضہ چین کو "خطا" ہی کے نام سے پکارتے تھے۔

خطا کا لفظ یورپ میں بحری سیاحوں کے ذریعے پہنچا تھا' بہرحال میں ذکر شمالی چین کے شہنشاہ کا کر رہی ہوں جو زریں خاندان کا فرد تھا۔

شمالی چین کی سلطنت دیوارِ چین تک تھی اور دیوار کے اس طرف جو صحرائے گوبی تھا وہ ترکوں کی تگ و تاز کی زد میں رہتا تھا۔

بہر ترک قبائل اگرچہ گھر بناتے تھے لیکن ان کی خصلتیں شمال کے خانہ بدوشوں جیسی ہی تھیں۔ ترکوں کے پرے کے پرے برق رفتار گھوڑوں پر سوار دیوارِ چین تک پہنچتے اور دیوار کے محافظوں کو تنگ کیا کرتے تھے۔ وہ دیوار کو پار تو نہ

کر سکتے تھے لیکن شمال کے شہنشاہ زریں کے لیے دردِ سر بنے رہتے تھے۔

ایک فارسی مقولہ ہے کہ:

"خود کردہ را علاجِ نیست!"

یعنی اپنے ہاتھوں کٹری کی ہوئی مصیبت کا کوئی علاج نہیں ہے!"

یہ مقولہ شمالی چین کے شہنشاہ زریں پر پورا صادق آتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ گوبی کے وحشی خانہ بدوش قبائل آئے دن صحرا کو پار کر کے شمالی چین پہ حملہ آور ہوتے تھے۔ ان قبائل کا مقصد ملک و علاقہ فتح کرنا نہ تھا بلکہ یہ صرف لوٹ مار کرنے آتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا وہ اسے اٹھائے جاتے۔

چنانچہ شہنشاہ زریں نے اس کا علاج یہ نکالا کہ اس نے وسط ایشیا کے ترکوں سے جو خود بھی حملہ آور وحشی خانہ بدوشوں کی طرح لوٹ مار کے عادی تھے، رابطہ کیا اور انہیں یہ لالچ دیا کہ اگر وہ شمال سے آنے والے خانہ بدوشوں کو شمالی چین پر حملہ آور ہونے سے باز رکھیں تو انہیں اس کا منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔

ترک قبائل اس پر راضی ہو گئے اور چین اور ترک قبائل میں معاہدہ ہو گیا۔ ترکوں نے صحرائے گوبی میں جگہ جگہ اپنی چوکیاں بنا دیں اور ان میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں سوار مقرر کر دیے۔

یہ ترک سوار شمالی سرحد پر ہر وقت گشت کرتے رہتے اور جب انہیں معلوم ہوتا کہ شمالی چراگاہوں کے وحشی خانہ بدوش چین پہ حملہ کرنے آ رہے ہیں تو وہ اپنی تمام چوکیوں کو چوکنا کر دیتے اور اپنے مرکز سے رابطہ کر کے فوراً کمک منگا لیتے۔

اس طرح چراگاہوں کے خانہ بدوش قبائل کو چین تک پہنچنے سے پہلے ترک سواروں کا مقابلہ کرنا پڑتا جو دیوار بن کر ان کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے۔

شمالی چراگاہوں کے خانہ بدوش قبائل نے جن میں طغرل خان کا قبیلہ بھی شامل تھا، دیکھا کہ چین پر حملہ ناممکن ہو گیا ہے تو انہوں نے اس طرف کا رخ کرنا ہی چھوڑ دیا۔ یوں شمالی چین کی سرحد یعنی دیوارِ چین محفوظ ہو گئی۔

پھر شمالی چین پہ کوئی ایسا شہنشاہ تخت نشین ہوا جس نے دیکھا کہ شمال میں اتنی اونچی اور مضبوط دیوار ہے اور ایک طویل زمانے سے چین پر کوئی حملہ نہیں ہوا تو اس نے ترکوں سے کیے ہوئے معاہدے کو توڑ دیا اور ترکوں کو جو رقم یا اشیا معاوضے کے طور پہ دی جاتی تھیں، بند کر دیں۔

ترکوں کو جب چین سے معاوضہ ملنا بند ہو گیا تو انہوں نے گوبی کی شمالی چراگاہوں کے قبائل پہ حملے شروع کر دیے۔ ان قبائل میں سب سے پہلے طغرل خان کے قبیلہ قرایت پر زد پڑتی تھی کیونکہ یہ قبیلہ مشرق سے مغرب کو جانے والی شاہراہ پہ آباد تھا۔

ترکوں کے ایک ایسے ہی حملے میں طغرل خان کا باپ مارا گیا تھا۔ پھر چنگیز خان کے زمانے میں بھی قرایت قبیلہ پہ ترکوں کا حملہ ہوا تھا اور طغرل خان سے معاہدہ کی رو سے چنگیز خان نے طغرل خان کو فوجی مدد بھیجی تھی اور ترک پسپا ہو کر غائب ہو گئے تھے۔

پسپا ہونے والے ترکوں کا تعاقب بالکل ناممکن تھا اس لیے کہ ترک صحرا کے تیر تھے۔ وہ اپنے تیز رفتار گھوڑوں کی باگیں موڑتے اور صحرا کی لق و دق پہنائیوں میں گم ہو جاتے۔

انہیں صحرا میں بھٹک جانے کا بھی کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ ریگزاروں میں بھی اپنا رستہ پہچانتے تھے اور گھوم پھر کے اپنے مرکز پر پہنچ جاتے تھے۔

اس دفعہ ترکوں نے طغرل خان پر جو حملہ کیا اس میں ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا بلکہ بہت سے ترک چنگیز خان کے زہریلے سورماؤں کا شکار ہو گئے۔ اور وہ پسپا ہو کر بھاگ گئے۔

قرایت علاقہ اور قبیلہ ان کی دست برد سے محفوظ ہو گیا۔ طغرل خان مطمئن ہو گیا مگر طغرل خان کے قبیلے سے کوسوں دور اپنی خیمہ بستی میں بیٹھا ہوا چنگیز خان مطمئن نہ تھا۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ وہ ان صحرا نورد ترکوں سے ہمیشہ کے لیے نجات چاہتا تھا۔

بظاہر چنگیز خان کے دماغ میں دوسرے علاقے یا دنیا فتح کرنے کا ابھی تک کوئی واضح تصور موجود نہ تھا۔ اس نے صرف ایک بار اپنے سرداروں اور سورماؤں کو ایک ہلکا سا اشارہ دیا تھا کہ:

"بزرگ کہتے ہیں مختلف دل و دماغ ایک جسم میں اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ میں انہیں ایک جسم میں اکٹھا کر کے دکھاؤں گا اور اپنی سلطنت پڑوسیوں پہ پھیلاؤں گا۔"

چنگیز خان نے صرف یہی ایک اشارہ دیا تھا۔ اس سے چین، وسط ایشیا یا یورپ پہ حملہ کا کوئی خیال ذہن میں نہیں آتا مگر چنگیز خان شاید انہی خطوط پر سوچ رہا تھا جیسے ہی اسے ترکوں کے پسپا ہونے کی خبر ملی، اس نے فوراً اپنے دستے کو حکم دیا:

"جاؤ اور صحرائے گوبی میں اس طرح گم ہو جاؤ جیسے ترک حملہ آور گم ہوتے ہیں۔ پھر اس وقت میرے پاس آؤ جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ ترکوں کے کتنے ٹھکانے ہیں اور وہ قرایت سے پسپا ہو کر کس جگہ جمع ہوتے ہیں۔"

یہ کام بڑا مشکل تھا۔

چراگاہوں اور منجمد علاقوں میں گھوڑے بھگانے والے گوبی کے ریگستانوں سے اچھی طرح واقف نہ تھے مگر چنگیز خان کا حکم اٹل تھا اور یہ حکم جادوانی آسمان پر رہنے والی روحوں کے حکم سے بھی زیادہ اٹل تھا۔

چنگیز خان کا دستہ چل پڑا اور صحرا میں بظاہر گم ہو گیا۔

مشرق سے مغرب کو جانے والی تجارتی شاہراہ پر وہ گھوڑے دوڑتے رہے اور جگہ جگہ رک کے سن گن لیتے رہے مگر انہیں ترکوں کا کوئی ٹھکانہ نہ ملا۔

چنگیز خان کا دستہ بے وقوفوں پر مشتمل نہ تھا کہ اس کے سوا آسانی سے ناکام ہو جاتے اور نہ ہی ترک اتنے احمق تھے کہ شاہراہ کے کنارے اپنی چھاؤنیاں بناتے اور ان میں اپنے سوار رکھتے۔ ان کے مرکز اور چھاؤنیاں تھیں مگر شاہراہوں سے دور۔ ڈھونڈنے والوں کی پہنچ سے باہر۔

○

چنگیز خان کے جاسوس دستے کو صحرا میں گم ہوئے پندرہ دن ہو گئے مگر ان میں سے ایک سوار بھی واپس نہ آیا۔

دوسرے قبیلے اور سوار یہ کہہ کر چپ ہو گئے کہ:

"چند بہترین سورماؤں نے خاقان پر اپنی جانیں نثار کر دیں۔"

ممکن ہے کہ چنگیز خان نے بھی یہی سوچا ہو مگر اس نے زبان سے اس کا اظہار نہ کیا۔ یہ بات ضرور تھی کہ وہ اکثر رات کو اپنے خیمے سے باہر بے چینی سے ٹہلتا رہتا۔

پھر ایک شب چنگیز خان کے زہریلے دستے کے سوار اچانک اپنے خطرناک سفر اور انتہائی خوفناک مہم سے واپس لوٹ آئے۔

وہ چاق و چوبند تھے۔ ہنس بول رہے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی قلعہ فتح کر کے واپس آئے ہوں۔ اور یہ ٹھیک بھی تھا۔ صحرائے گوبی میں ایک ماہ تک مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک گھوڑے بھگانا اور پھر زندہ لوٹ آنا کسی قلعے کی فتح سے کم تو نہ تھا۔

یہ وقت تھا کہ نصف شب گزر چکی تھی۔ خیمہ بستی پر خاموشی طاری تھی۔ سوائے چنگیز خان کے پہرے داروں کے اور کسی کی آنکھ کھلی ہوئی نہ تھی اور چنگیز خان کے بے چین قدم زمین کا سینہ کوٹ رہے تھے کہ دور سے گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آئی۔

چنگیز خان کے قدم ایک دم رک گئے۔

"یہ میرے سوار ہیں۔ یہ انہی کے گھوڑوں کی چال ہے۔"

وہ کھڑا سوچ رہا تھا اور سچ سوچ رہا تھا۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اپنے مختلف سورما دستوں کے گھوڑوں کی

چال کو بھی پہچانتا تھا۔ یہ اس کے جنگی تجربے کی انتہا تھی۔ گھوڑے اور قریب آئے تو چنگیز خان بھی دو قدم آگے بڑھ گیا۔

سوار اتنے قریب آ گئے کہ انہوں نے خاقان کو اپنے خیمے کے سامنے کھڑے دیکھا۔ سوار اتر پڑے اور سردار خاقان کی طرف بڑھا۔

"جاودانی آسمان نے خاقان پر رحم کیا ہے۔"

چنگیز خان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اس کا مطلب کہ تم تاتاریوں تک پہنچ گئے ہو؟"

"خاقان کا اندازہ بالکل درست ہے۔"

اور چنگیز خان منہ گھما کر چلنے لگا۔

خاقان اور سردار آگے پیچھے خیمہ میں داخل ہوئے۔ چنگیز نمدے کی مسند پر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ۔ تم نے کیا دیکھا؟"

"خاقان کی برکت سے ہم نے انہیں تلاش کر لیا۔"

سردار نے کھڑے کھڑے جواب دیا:

"اس وقت وہ دیوارِ چین کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ شاید حملہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے بعض سوار آگے پیچھے گھوڑے بھگا کر دیوار کا جائزہ لے رہے تھے۔"

"ہوں۔ ۔ ۔" چنگیز خان نے ایک لمبی سانس لی۔

"تم نے بڑا کام کیا۔ چنگیز تم سے خوش ہے۔ جاؤ آرام کرو۔"

سردار کے خیمے سے جاتے ہی چنگیز خان تن کے کھڑا ہو گیا جیسے اس نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔ پھر اس نے چند تازہ دم سواروں کو بلا کر حکم دیا:

"چراگاہوں میں پھیلے ہوئے تمام قبائل کو خبر کر دو کہ فوراً خاقان کی خیمہ بستی میں تیار ہو کے پہنچیں۔"

یہ وہ قبیلے تھے جنہیں چنگیز خان کی سرداری اور حاکمیت تو تسلیم تھی لیکن یہ چراگاہوں میں دوسرے مقامات پر رہتے تھے۔

ادھر سے فارغ ہو کر چنگیز خان نے اسی وقت ایک تیز رفتار سوار کو قرایت سردار طغرل خان کی طرف روانہ کیا۔ اس نے سردار طغرل کو چنگیز کا یہ پیغام پہنچایا کہ:

"اے قرایت کے عظیم سردار طغرل خان! آپ کے بیٹے خاقان چنگیز خان نے آپ کو اطلاع دی

کہ وسطِ ایشیا اور مغرب کے وہ تاتاری لٹیرے جو مغرب سے مشرق تک پھیلی ہوئی تجارتی شاہراہ پر وقفہ وقفہ سے حملہ کر کے شاہراہ کے جنوب اور شمال میں بسنے والے پُرامن قبائل کے سکون کو برباد کرتے رہتے ہیں، انہی تاتاریوں نے آپ کے باپ کو تہ تیغ کیا تھا۔

اگر آپ، ان تاتاریوں سے بدلہ لینا چاہتے ہیں اور قرایت قبیلے کے علاقوں کو ان کی دستبرد سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو فوراً لشکر لے کر جنوب کی طرف روانہ ہو جائیے اور شاہراہ پر پہنچ کے میرا انتظار کیجیے۔

ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے پہلے شاہراہ پر پہنچ جاؤں۔ اگر میں پہلے پہنچا تو آپ کے آنے کا انتظار کروں گا۔"

خاقان چنگیز خان کا پیغام سن کر طغرل خان بے حد خوش ہوا۔ ایک تو ان تاتاریوں نے ایک یلغار میں اس کے باپ کو قتل کر دیا تھا جس کا وہ اب تک انتقام نہ لے سکا تھا۔ دوسرے یہ کہ سبار فتار تاتاری مہینے دو مہینے کے بعد قرایت کے جنوبی علاقوں کو ضرور تاراج کرنے کی کوشش کرتے تھے جس کے لیے بوڑھے طغرل خان کو ہر وقت مستعد اور تیار رہنا پڑتا تھا۔

طغرل خان نے لشکر کو فوراً تیاری کا حکم دیا اور برق رفتاری سے وہ جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔ پھر جب وہ شاہراہ کے قریب پہنچا تو اسے سامنے سے آتا ہوا ایک سوار دکھائی دیا۔

طغرل خان نے اپنے لشکر کو رکنے کا حکم دیا۔ آنے والا سوار جب طغرل خان کے گھوڑے کے قریب پہنچا تو اس نے ادب سے کہا:

"اے قرایت کے عظیم سردار طغرل خان! آپ کا بیٹا خاقان چنگیز خان شاہراہ پر پہنچ چکا ہے اور آپ کے لشکر کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔"

طغرل خان نے یہ نوید پاتے ہی اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور اس کا پورا لشکر ہوا کے گھوڑے پر اڑنے لگا۔

"اے میرے باپ!"

اس کے قریب پہنچنے پر چنگیز خان نے اسے بتایا:

"تجھے خوشخبری ہو کہ تیرا دشمن اس وقت بڑی دیوار کے پاس شہنشاہ زرین کے لشکر سے جنگ کر رہا ہے۔ اب وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔"

طغرل خان کی باچھیں کھل گئیں:

"اے میرے بیٹے خاقان چنگیز خان! تو نے میرا دل خوش کر دیا۔ ان ذلیل تاتاریوں نے میرے باپ کو مارا ہے

میں اس کے انتقام میں ایک سو تاتاریوں کو قتل کروں گا۔ چلو، آگے بڑھو تاکہ ہم بھی اس جنگ میں شامل ہو کے تاتاریوں کا خاتمہ کر دیں!"

"تھوڑا اور انتظار کر میرے باپ!"

چنگیز خان نے متانت سے جواب دیا:

"پہلے ہم دشمن کے لیے جال تیار کر لیں۔ پھر آگے بڑھیں گے!"

میرا نام گلبدن بیگم ہے اور میں بابر بادشاہ کی بیٹی اور شہنشاہِ ہند ہمایوں کی بہن ہوں۔

منگول خاندان کی یہ کہانی یا تاریخ میں آپ کو اس لیے سنا رہی ہوں کہ شہنشاہ ہمایوں کے بیٹے اکبر اعظم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے خاندان کی تاریخ کو جو میرے ذہن میں ہے یا میں نے آباؤ اجداد سے سنی اور انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے، وہ قلم بند کر دوں۔ میں اپنے بھتیجے اور شہنشاہِ ہند اکبر اعظم کے اسی فرمان کی تعمیل کر رہی ہوں۔

اب میں آپ کو بتاتی ہوں کہ یہ تاتاری کون تھے جو وسط ایشیا کی تجارتی شاہراہ پر قابض تھے اور کبھی شمالی چراگاہوں کے مغل سرداروں سے اور کبھی شمالی چین کے شہنشاہ زریں سے ٹکراتے رہتے تھے۔

جس طرح میرے جدِ امجد خاقان چنگیز خان نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی سلطنت اور حاکمیت کو پڑوس کے ملکوں پر پھیلا دے گا اسی طرح ان چراگاہوں کے قدیم وحشی خانہ بدوش قبائل ہزاروں سال پہلے سے چنگیز کی طرح اپنے پڑوسیوں پر حکومت کرنے یا پھر متمدن دنیا والوں کو لوٹنے اور برباد کرنے کے لیے گروہ در گروہ جنوب اور جنوب مغرب پر یلغار کرتے رہتے تھے۔

ان طوفان اٹھانے والے گروہوں کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی لیکن اتنا اندازہ ضرور ہے کہ میرے جدِ امجد خاقان چنگیز خان سے پہلے کم از کم چھ بڑے بڑے طوفان آ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ چھوٹے طوفان بھی اٹھے تھے جن کے نام تو معلوم ہوتے ہیں لیکن تفصیل نہیں۔

جن گروہوں نے دوسرے خطوں میں پہنچ کے دہشت، بربریت، دہشت اور سفاکی کے علم گاڑے ان سب کا گہوارہ یہی سطحِ مرتفع تھی۔

ان کا سب سے پہلا گروہ آریا (آریہ) بتایا جاتا ہے جو وسط سے چلے پھر جنوب میں پہنچ کے ان کے دو حصے ہو گئے۔ ایک حصہ دجلہ اور فرات کو پار کرتا ہوا وادیٔ گنگا اور ڈینیوب اور ایک روایت کے مطابق ہسپانیہ اور پرتگال تک چلا گیا تھا۔ شاید اسی وجہ سے یورپ کے لوگ خود کو آرین نسل سے کہتے ہیں۔

اس کی دوسری شاخ جنوب بعید یعنی درۂ خیبر اور درۂ بولان سے گزر کر ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اسی لیے ہندوستان میں آج بھی آریوں کی ایک مضبوط جماعت موجود ہے جسے یہ لوگ "آریہ سماجی" کہتے ہیں۔

آریا کے بعد ایسے خانہ بدوشوں کی آمد کا خونی اور سفاک سلسلہ دراز ہوتا گیا اور ان کے بعد آنے والوں میں درج ذیل زیادہ مشہور ہیں:

ہٹی
کاسپین
خزر
فرانک
المان
ٹیوٹن
ہن
گاتھ
ونڈل اور
سیتھین وغیرہ۔

جب کسی گروہ کو کوئی منگول یا مغل[1] جاتا تو وہ اپنے گہوارے سے نکل کر اس وقت تک مغرب اور جنوب مغرب کی طرف یکے بعد دیگرے چلے جاتے جب تک کوئی قدرتی مزاحمت ان کا راستہ نہ روک لیتی یا پھر کسی ملک اور علاقے کی زرخیزی ان کا دامن پکڑ کر انہیں وہاں مستقل رہائش پر مجبور نہ کر دیتی۔

چنانچہ منگولیا اور اس کے قرب و جوار سے آنے والے یہ جنگجو گروہ مغرب والوں کی نظر میں تاتاری کہلاتے حالانکہ یہ سب کے سب دراصل منگول تھے اور ان کا اس کے سوا کوئی قبیلہ نہ تھا۔

پس وہ گروہ تاتار جو اس وقت شمالی چین کے شہنشاہ زریں کو دیوارِ چین کے پیچھے کھڑا آنکھیں دکھا رہا تھا، یہ

1۔ مغل

یہی دراصل منگولوں ہی کا گروہ تھا جو قدیم زمانوں میں ہجرت کر کے وسط ایشیا میں آباد آ ہوا تھا۔

اسی گروہ نے پہلے قرایت سردار طغرل خان کے علاقوں پر حملہ کیا تھا مگر جب طغرل خان نے چنگیز خان کی مدد سے انہیں اپنے علاقوں سے مار بھگایا تو یہ لوگ اپنے تیز رفتار گھوڑوں پر منگولیا کے لق و دق صحرا میں غائب ہو گئے۔

ان حملہ آوروں کا تعاقب اسی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان کے گھوڑے بڑے تیز رفتار ہوتے تھے اور منگولیا کے ریگزار میں بھی اپنی برق رفتاری برقرار رکھتے تھے اور تعاقب کرنے والے عاجز آ جاتے تھے۔

چونکہ اس بار تاتاریوں کو مار پڑی تھی اور ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا تھا اور بغیر کوئی لوٹ مار کیے یہ لوگ واپس نہیں جایا کرتے تھے اس لیے ان لوگوں نے صحرائے گوبی کے کسی مقام پر رک کر یہ فیصلہ کیا کہ قرایت علاقوں سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا اس لیے دیوارِ چین پر حملہ کر کے کچھ نہ کچھ ضرور چھینا جائے۔

اس فیصلہ کے بعد یہ تاتاری دیوارِ چین پر حملہ آور ہو گئے۔ وہ اس مضبوط دیوار کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے لیکن انہوں نے چار دن تک اس دیوار کے برجوں اور برجیوں پر اس قدر تیر برسائے کہ دیوار کے محافظ گھبرا گئے۔

یہی نہیں بلکہ ان تاتاریوں نے کئی کئی سیڑھیوں کو جوڑ کر بڑی بڑی سیڑھیاں تیار کیں اور انہیں دیوار کے ساتھ لگا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔

دیوار کے محافظوں کے لیے یہ بڑی پریشان کن بات تھی اس لیے انہوں نے فوراً چین کے شہنشاہ زرین کو ایک قاصد کے ہاتھ اس مصیبت کی اطلاع دی۔

"اے تاجدارِ شرق و غرب!"

قاصد نے زمین چوم کے عرض کی:

"ظالم تاتاریوں نے عظیم دیوارِ چین پر حملہ کر دیا ہے اور وہ سیڑھیوں کے ذریعے اوپر آنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔"

"یہ تو کیا کہہ رہا ہے قاصد۔"

شہنشاہ زرین چونک پڑا:

"تاتاری تو ہمارے نوکر ہیں۔ ہم سال کے سال انہیں طے شدہ سامان اور سونا دیتے ہیں۔"

"اے شہنشاہ!"

قاصد نے بڑے دکھ سے کہا:

"تاتاری نمک حرام اور احسان فراموش ہیں۔ ہمارا ہی کھاتے ہیں اور ہمیں ہی پریشان کرتے ہیں۔"

یہ تو آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ ان تاتاریوں اور چین کے شہنشاہ زرین کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ تاتاری شمالی

علاقوں پر حملہ کرنے والوں کو روکیں گے جس کے صلہ میں انہیں کھانے پینے کا سامان اور سونے چاندی کی ایک مقررہ مقدار ادا کی جائے گی۔

یہ معاہدہ بہت قدیم تھا اور دونوں فریق پوری طرح اس پر دیانت داری سے عمل کر رہے تھے۔ اب یہ پہلا موقعہ تھا کہ تاتاریوں نے ایک جگہ ناکام ہونے کے بعد شہنشاہِ زرین پر مزید سونا چاندی اور دیگر سامان حاصل کرنے کے لیے حملہ کر دیا تھا۔

"ان نمک حراموں نے ہم پر حملہ کیا ہے۔"

شہنشاہ زرین نے لال پیلا ہو کر کہا:

"ہم انہیں اس کی اتنی بڑی سزا دیں گے کہ ان کی نسلیں یاد رکھیں گی۔"

"اے برکتوں والے شہنشاہ!"

اس کے وزیرِ اعظم نے فوراً تائید کی:

"ان احسان فراموشوں کو واقعی سزا ملنی چاہیے کہ یہ ہمارا کھاتے اور ہمیں کو آنکھیں دکھاتے ہیں۔"

شہنشاہ زرین نے وزیر کی بات پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ قاصد سے ایک احمقانہ سوال کیا:

"کیا دیوارِ چین کو تاتاریوں نے توڑ دیا ہے؟"

یہ سوال احمقانہ اس لیے تھا کہ دیوارِ چین بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر چوڑی تھی کہ اس پر بیک وقت کم از کم دس سوار ساتھ ساتھ دوڑ سکتے تھے۔

"نہیں شہنشاہِ معظم!"

قاصد نے جواب دیا:

"وہ دیوار تو نہیں توڑ سکے مگر اس پر چڑھنے کی کوشش ضرور کر رہے ہیں۔"

"اے سلطنتِ چین کے عظیم فرمانروا۔"

اب شہنشاہ نے وزیرِ اعظم کو مخاطب کیا:

"چین کی افواج کے سپہ سالار کو ہمارا فرمان پہنچایا جائے کہ لشکر کو فوراً تیار کیا جائے۔ تاتاریوں کو سزا دینے کے لیے ہم بہ نفسِ نفیس لشکر کے ساتھ جائیں گے۔"

شہنشاہ کے اس اعلان سے وزیرِ اعظم گھبرا گیا۔ اس لیے کہ وزیرِ اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ چینی افواج کا سپہ سالار بھی تھا اور ظاہر ہے کہ جب شہنشاہ جنگ پر جائے گا تو اسے بھی لامحالہ ساتھ جانا پڑے گا۔

سو اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا:

"شہنشاہِ عالی مقام! ان نامراد تاتاریوں کے گروہ کے مقابلہ پر شہنشاہ زریں کا خود لشکر لے کر جانا شہنشاہ کی توہین ہے۔ ان لٹیرے گھوڑوں کو تو میرا ایک معمولی سردار بھی پیس کر رکھ دے گا۔"

"تم نے ٹھیک کہا وزیر اعظم!"

شہنشاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"ان کم درجہ تاتاریوں کے مقابلہ پر جانا واقعی ہماری توہین ہے۔ ابھی سپہ سالار کو اطلاع دو کہ وہ فوراً ہماری قدمبوسی کو حاضر ہو۔"

وزیر اعظم نے کمر تک جھک کے عرض کیا:

"سپہ سالارِ افواجِ چین حاضر ہے اے شہنشاہِ معظم!"

"وزیر اعظم!"

شہنشاہ نے اسے گھور کے دیکھا:

"ہم نے تمہیں سپہ سالارِ افواج کو حاضر کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم تو ہمارے سامنے پہلے ہی حاضر ہو اور ہمیں اس بات کا علم ہے۔"

"اے شہنشاہ زریں!"

وزیر اعظم نے وضاحت کی:

"آپ کی اطلاع کے لیے میں عرض گزار ہوں کہ سلطنتِ چین میں افواج کے سپہ سالار کا عہدہ بہت زمانہ ہوا ختم کر دیا گیا تھا اور اس کے فرائض بھی وزیر اعظم کو سونپ دیے گئے تھے اس لیے میں یعنی وزیر اعظم چین ہی سپہ سالارِ افواجِ چین بھی ہوں۔"

"اچھا اچھا۔ ہمیں یاد آ گیا۔"

شہنشاہ زریں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا:

"تم ایسا کرو کہ ایک عظیم لشکر لے کر تاتاریوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو جاؤ اور اس وقت تک واپس نہ آنا جب تک ان بدذاتوں کا قلع قمع نہ ہو جائے۔"

وزیر اعظم نے سر جھکا کر تعمیلِ حکم کا اظہار تو کر دیا مگر تاتاریوں کی مہم پر خود جانے کے بجائے ایک چھوٹے سردار کو ایک بڑی فوج کے ساتھ جنگ پر بھیج دیا۔

چین میں سپہ سالار کا عہدہ اس وجہ سے توڑ دیا گیا تھا کہ چین کے شمال اور جنوب کے شہنشاہوں میں باہم جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو گیا تھا اور معاہدہ کے ۲۰ سال بعد تک دونوں ملکوں میں جنگ تو در کنار، کوئی ہلکی سی مڈھ بھیڑ بھی نہ ہوئی تھی۔

چونکہ سرحد پر دونوں طرف سے حفاظتی انتظامات ختم کر دیے گئے تھے اس لیے دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی نشان تک مٹ چکے تھے۔

شہنشاہ زریں کے شمال میں عظیم دیوارِ چین تھی جسے توڑنا یا پار کرنا ممکن نہ سمجھا جاتا تھا پھر بھی احتیاط کے طور پر شہنشاہ نے شمال کی طرف سے ہونے والے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے تاتاری سواروں کی خدمات حاصل کر لی تھیں بلکہ خرید لی تھیں۔ مشرق میں کھلا سمندر تھا اور ادھر سے کوئی خطرہ نہ تھا۔

ان حالات میں موجودہ شہنشاہ سے پہلے کے شہنشاہ زریں نے چینی افواج کو تو برقرار رکھا مگر سپہ سالارِ افواج کا عہدہ ختم کر دیا اور بلا کسی مزید معاوضہ کے اس کا کام (کام تو کوئی ہوتا ہی نہ تھا) وزیر اعظم کے سر منڈھ دیا تھا۔

چین ہمیشہ سے زیادہ آبادی کا علاقہ ہے اس لیے یہاں کی فوج بھی پیدل سپاہ پر مشتمل تھی۔ سواروں کے بجائے رتھ گاڑیاں استعمال ہوتی تھیں جن پر چار سے دس شمشیر زن یا تیر انداز بیٹھ جاتے تھے مگر ان کی رفتار بے حد سست ہوتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ چین کی فوج اگرچہ تعداد میں بہت زیادہ ہوتی تھی مگر اسے اپنے ارد گرد کے علاقوں میں "سست رفتار لشکر" کہا جاتا تھا۔

چین کا سست رفتار لشکر آہستہ آہستہ چلتا ہوا سرحد پر پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس صورتِ حال کے بارے میں دو بیانات ہو گئے ہیں۔

پہلا بیان یہ ہے کہ:

"چین کا لشکر دیوارِ چین کے اس مقام پر پہنچا جس کے پار تاتاری سوار موجود تھے اور دیوارِ چین پر تیر اندازی کر رہے تھے۔

لشکر کے سالار نے جب دیوارِ چین پر اپنا لشکر چڑھایا تو دیوار کے اوپر کئی میل تک فوجیوں کے سر ہی سر دکھائی دیتے تھے۔

تاتاریوں نے دیوار پر اس قدر کثیر تعداد میں لشکر دیکھا تو وہ حملہ چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ پھر چینی لشکر کو بڑے بڑے شہتیروں کی سیڑھیاں بنا کر دوسری طرف اتارا گیا۔ لاتعداد چینی فوجی دیوار پار اتر کر صف آرا ہوئے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھنا شروع کیا تاکہ حملہ آور تاتاریوں سے جنگ کریں مگر تاتاری تو صحرا میں غائب ہو چکے تھے۔ چینی لشکر ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا مگر آہستہ آہستہ آگے ہی آگے

بڑھتا چلا گیا۔"

اس سلسلے میں دوسرا بیان یہ ہے کہ:

"چینی لشکر نے دیوارِ چین کو پار نہیں کیا تھا بلکہ جہاں سے دیوارِ چین شروع ہوتی تھی،
وہاں سے گھوم کے حملہ آوروں تک پہنچا تھا مگر حملہ آور تاتاری ان کی کثیر تعداد دیکھ کر
بھاگ کھڑے ہوئے اور صحرا میں روپوش ہو گئے!"

چینی لشکر جنگ کے لیے آیا تھا۔ بغیر جنگ کیے وہ کیوں واپس جاتا۔ اس لیے اس نے اس راستے پر چلنا
شروع کر دیا جس سے تاتاری چین کی طرف آتے تھے۔

ایک تو چینی لشکر کی رفتار سست تھی۔ دوسرے وہ جگہ جگہ قیام کرتے جاتے تھے اس لیے دو دن
میں وہ بمشکل پندرہ میل کا فاصلہ طے کر سکا۔

اب یہ ان کی قسمت تھی کہ وہاں تاتاری ٹھہرے ہوئے تھے۔ تاتاری حملہ آوروں کے تصور میں بھی یہ بات
نہ تھی کہ چینی لشکر صحرا میں ان کا تعاقب کرے گا۔

پھر جب اچانک چینی لشکر کے رتھ گھڑگھڑاتے ہوئے ان کے سر پہ پہنچے تو ان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔
وہ چینیوں سے لڑنا نہیں چاہتے تھے مگر ان سے بچ کر نکل جانے کے لیے بھی تھوڑی بہت جنگ ہونا تھی۔

تاتاری لشکر جو تمام کا تمام سواروں پر مشتمل تھا، جلدی جلدی تیار ہوا اور چینیوں کے سامنے صفیں
بنا کر کھڑا ہو گیا۔

چینیوں کی فوج تو میلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سواروں کے اس مختصر سے گروہ کو خاطر میں کیا لاتے چنانچہ
انہوں نے فوراً حملہ کر دیا اور پہلی ہی یلغار میں تاتاریوں کو احساس دلا دیا کہ ان کے پیر اکھڑ گئے۔ تاتاری شکست
کھا کر پسپا ہوئے اور حسبِ معمول صحرا کی وسعتوں میں گم ہو گئے۔

جنگ ختم ہو گئی تھی۔

تاتاری شکست کھا کر بھاگ گئے تھے مگر اب یہ چینیوں کی یلغار تھی۔ ان کی ٹڈی دل فوج ذرا دیر میں

جمع ہوگئی پھر ان کے سردار نے حکم دیا:

"آگے کی طرف مارچ کیا جائے۔"

یعنی اس راستہ پر جسے تجارتی شاہراہ کہا جاتا تھا آگے بڑھا جائے۔

چینی لشکر دو دن تک چلتا رہا مگر تاتاری سوار ان کے سامنے نہ آئے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ تاتاری بھی آگے ہی آگے بھاگ رہے تھے مگر وہ زیادہ نہ بھاگ سکے۔ اور انہیں رکنا پڑا۔ کیونکہ ان کے آگے ایک اور لشکر جو انہی کی طرح سواروں پر مشتمل تھا، پرے جمائے کھڑا تھا۔

ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے کہ:

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

یعنی نہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔

تاتاریوں کے عقب میں تو چینی لشکر کیڑے مکوڑوں کی طرح دور دور تک پھیلا ہوا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا اور سامنے کا صف بستہ لشکر خاقان چنگیز خان اور قرایت کے بوڑھے طغرل خان کا تھا اور یہی دونوں لشکر کی کمان کر رہے تھے۔

تاتاری شاید اس سے پہلے کبھی اس طرح پریشان نہ ہوئے ہوں گے۔ کبھی وہ سامنے کھڑے ہوئے لشکر کو دیکھتے تو کبھی اپنے پیچھے آنے والی چین کی ٹڈی دل فوج کو تصور میں لاتے۔

تاتاریوں کو فوراً فیصلہ کرنا تھا۔

جنگ تو انہیں ہر صورت میں کرنا پڑتی تھی۔ یا تو وہ سامنے کھڑے لشکر سے جنگ کرتے جس میں یہ امید تھی کہ ان سے لڑتے لڑتے اور ان کی صفیں توڑتے وہ جان بچا کر بھاگ سکتے تھے۔

یا پھر وہ پلٹ کر آنے والے چینیوں پر حملہ کر دیتے مگر چینیوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ وہ ان کی صفوں کو توڑ نہیں سکتے تھے۔

اس سے اس بات کا بھی امکان تھا کہ اگر انہوں نے چینیوں پر حملہ کیا اور جنگ طول پکڑ گئی تو سامنے والی فوج بھی کہیں ان تک نہ پہنچ جائے اور وہ دونوں لشکروں کے درمیان اس طرح نہ پس جائیں جیسے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان گیہوں کے دانے۔

آخر تاتاریوں نے سامنے کھڑے ہوئے لشکر سے جنگ کا فیصلہ کیا۔ تاتاری سردار کا یہ فیصلہ تمام تاتاریوں تک پہنچ گیا۔

انہوں نے ایک ساتھ اپنے گھوڑوں کا رخ موڑا۔ تھوڑی دور آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف گئے۔ پھر ایک ساتھ ہی

پلٹے اور گھوڑوں کو ایڑ دے کر اس تیزی سے چنگیز اور طغرل کے لشکر پر حملہ آور ہوئے کہ اگر وہ اس حملہ کے لیے پہلے سے تیار نہ ہوتے تو تاتاری انہیں مارتے کاٹتے اور راستہ بناتے نکل جاتے۔

خاقان چنگیز خان اور طغرل خان حملوں کے اس انداز سے خوب واقف تھے کیونکہ وہ خود بھی ایسا ہی کچھ کیا کرتے تھے اس لیے انہوں نے تاتاریوں کے اس زبردست حملے کا نہ صرف توڑ کیا بلکہ ان پر جوابی حملہ کر کے انہیں بوکھلا دیا۔

تاتاریوں کا خیال تھا کہ وہ مغلوں کی دوہری صف بندی کو اپنے زبردست حملے سے توڑ کر دوسری جانب نکل جائیں گے مگر ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

چنگیز خان نے اس کا پہلے ہی انتظام کر لیا تھا۔ اس نے تاتاری سواروں کو دکھانے کے لیے ایک ہلکی سی دوہری صف بندی کی تھی اور اس صف بندی سے کچھ پیچھے اس نے اپنی دوسری دفاعی صف بندی میں بڑے بڑے زہریلے سورماؤں کے دستے مقرر کر رکھے تھے تاکہ اگر دشمن پہلی صف بندی کو توڑتا ہوا آگے بڑھ آئے تو اسے فوراً ہی دوسری دفاعی صف بندی سے سابقہ پڑے۔

اس کے علاوہ چنگیز خان نے کچھ محفوظ دستوں کو صفوں سے الگ کر کے کھڑا کیا تھا۔ انہیں حکم تھا کہ اگر دشمن پہلی صف بندی کو درہم برہم کر کے آگے بڑھے تو اس پر کاوا کاٹ کر پشت سے حملہ کر دیا جائے۔

تاتاری اپنے زبردست حملہ میں پہلی صف بندی کو توڑتے اور پسپا کرتے ہوئے مغلوں کے دوسری جانب نکل گئے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے سامنے پہلی سے زیادہ مضبوط دفاعی مورچہ قائم ہے۔ تاتاریوں نے فوراً اپنے حواس درست کیے اور بغیر کسی وقفہ کے دوسری صفوں سے الجھ گئے۔

اس وقت چنگیز خان نے اپنے محفوظ دستوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے تاتاریوں پر پشت سے حملہ کر دیا۔

اس بغلی گھونسے نے تاتاریوں کو بری طرح بوکھلا دیا۔

تاتاریوں کو یوں محسوس ہوا جیسے مغلوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ تاتاریوں کو اب آگے پیچھے دونوں طرف لڑنا پڑ رہا تھا۔

ان کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ مغلوں کی اس دوسری صف بندی کو توڑ کر نہیں نکل سکتے اس لیے انہوں نے آخری حربہ کے طور پر آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

ان کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح مغلوں کے گھیرے سے نکل کے صحرائے گوبی کی وسعتوں میں گم ہو جائیں اور اپنی اس کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

چنگیز خان نے اپنی پہلی صف بندی کو جان بوجھ کر کمزور رکھا تھا تاکہ وہ تاتاریوں کو گھیرے میں لے سکے۔ یہ

پھر تاتاریوں کے حق میں گئی اور انہیں واپسی میں زیادہ پریشانی اور نقصان نہ اٹھانا پڑا۔ وہ جلد ہی اپنی پہلی جگہ واپس آ گئے اور انہوں نے فوراً ہی اپنے گھوڑوں کا رخ صحرا کی طرف پھیر دیا۔

اس وقت چنگیز خان نے محسوس کیا کہ وہ جیتی ہوئی جنگ ہار گیا ہے کیونکہ تاتاری صحرا کی تاریکیوں میں داخل ہوتے ہی اس طرح گم ہو جائیں گے کہ ان کا تعاقب کرنا اور پتہ لگانا ایک کار عبث ہوگا کہ ٹھیک اسی وقت ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

تاتاری مغلوں کی صفیں پار کر کے اپنے ساتھیوں کو یکجا کر رہے تھے کہ وہ سب ایک ساتھ ریت کے سمندر میں ڈوب جائیں اور مغل اپنی جیت کو ہار میں بدلتا دیکھ کر ہاتھ ملتے رہ جائیں کہ اسی وقت تاتاریوں کے سامنے شہنشاہ زریں کے رتھ اور سلطنت خطا کے پیدل دستے نمودار ہو گئے۔

یہ لاتعداد پیدل اور رتھ اتنے وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے تھے کہ ان کے دائیں بائیں اور پشت کا کوئی سرا کوئی اختتام نظر ہی نہ آتا تھا۔

چنگیز خان نے تاتاریوں کی پشت پر چینی لشکر کو دیکھا تو اس کا مرجھایا ہوا چہرہ یکدم کھل اٹھا۔ ادھر تاتاریوں کو پہلے تو اپنے گھر جانے کا خطرہ پیدا ہوا تھا اور اسی لیے انہوں نے مغلوں سے جنگ کی تھی مگر نہ وہ مغلوں کو شکست دے سکے اور نہ ان کی صفیں توڑ سکے تھے۔ پھر جب وہ آخری کوشش کے طور پر مغلوں سے جان چھڑا کر صحرا کے دامن میں پناہ لینا چاہتے تھے تو ان کا راستہ سست رفتار خطا کے لشکر نے روک لیا۔

پہلے تو وہ دو طرف سے گھر سکتے تھے مگر اب وہ چاروں طرف سے اس طرح گھرے تھے کہ یہ میدان ان کے لیے پنجرہ بن گیا تھا۔

سامنے مغلوں کا بپھرا ہوا لشکر ان پر آخری ضرب لگانے کے لیے بڑھ رہا تھا اور پشت پر خطا کا لشکر اپنی صفیں درست کر رہا تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی مثل تو اب پوری طرح صادق آتی تھی۔

پھر بھی تاتاریوں نے حوصلہ نہ ہارا اور چینیوں کی طرف سے منہ موڑ کر، جو ابھی اپنی صفیں درست کر رہے تھے، انہوں نے مغلوں پر بھرپور حملہ کر دیا۔

اگر ان کا مقابلہ کسی اور فوج سے ہوتا تو شاید وہ کامیاب بھی ہو جاتے مگر ان کے سامنے تو چنگیز خان کے زہریلے سورما تھے جو شیر کا دل گردہ رکھتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں مغلوں اور قرایت کے جوانوں نے تاتاریوں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ سینکڑوں مارے گئے اور جو بچے وہ قیدی بنا لیے گئے۔

اس جنگ میں چنگیز خان اور طغرل خان کے لشکر کو بے شمار تاتاری ہاتھ آئے جن میں سے مضبوط جوانوں کو

مختلف کاموں پر لگا دیا گیا اور بے وقوف تاتاریوں کو غلام بنایا گیا۔

تاتاری طاقت منتشر ہو کر رہ گئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تاتاری بحیثیت ایک برادری کے ختم ہو کر رہ گئے!

اگر یہ جنگ تاتاری کسی طرح جیت جاتے (جو ناممکن تھا) یا کسی طرح مغلوں اور چینیوں کے لشکروں سے بچ کر نکل جاتے تو شاید ان کی نسل خاتمے سے بچ جاتی لیکن وقت کے مضبوط ہاتھ نے ان کو اپنی گرفت میں لے کر مروڑ دیا تھا۔

اس جنگ کا سب سے زیادہ فائدہ خطا کے لشکر کو ہوا۔ اس نے بغیر جنگ کیے فتح کا تمغہ اپنے سینے پر سجا لیا۔ چینیوں نے فوراً فتح کا جشن منانا شروع کر دیا۔ اور اس جشن میں خاقان چنگیز خان اور قرایت کے سردار طغرل خان کو برابر سے شریک کیا گیا۔

ملک خطا کے لشکر کا سالارِ فوج طغرل خان کے پاس پہنچا۔

"اے بزرگ و برتر مغل سالار"۔

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"ملک خطا کے لشکر اور خطا کے شہنشاہ زریں کی طرف سے آپ کو اونگ خان[1] کا خطاب پیش کیا جاتا ہے۔"

طغرل خان نے مسکرا کر یہ خطاب قبول کر لیا اور اب اس کا نام خان طغرل اونگ خان ہو گیا

پھر خطا کا سالار خاقان چنگیز خان کے پاس پہنچا اور بولا:

"خطا کا شہنشاہ زریں اور ملک خطا کا لشکر آپ کو 'باغیوں کا دشمن سالار' کا خطاب پیش کرتا ہے"۔ اور سالار نے اس کے ساتھ ہی چنگیز خان کو چاندی کا ایک جھولا سنہرے غلاف میں لپٹا ہوا تحفے کے طور پر پیش کیا۔

چنگیز خان کو یہ خطاب اور جھولے کا تحفہ دونوں ہی عجیب سے لگے مگر اس نے سر ہلا کر اپنی خوشی کا اظہار ضرور کیا۔ ان بنجر علاقوں کے رہنے والے وحشی مغلوں کے علاقہ میں چاندی کا یہ جھولا ایک پہلا عجیب تحفہ تھا جو واپسی پہ چنگیز خان کے خیمے کے سامنے عام نمائش کے لیے رکھ دیا گیا اور کئی ہفتے وہیں رکھا رہا۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے اور میں مغل شہنشاہِ ہند ہمایوں کی بہن ہوں۔ مغلوں کی کہانی آگے بڑھانے سے

---

[1] خانوں کا خان

پہلے میں آپ کو خاقان چنگیز خان کے آباؤ اجداد کے نام ایک بار پھر بتاتی ہوں۔

اس کی دو وجوہات ہیں۔

ایک تو یہ کہ آپ کو کوئی الجھن نہ ہو۔ اور دوسری یہ کہ اب اس کہانی میں مغلوں کی تیسری نسل داخل ہو رہی ہے۔

جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مغلوں کے روایتی جدِ امجد کا نام بورجی گون تھا جسے بورچی گون اور بورجی جون بھی کہا جاتا ہے۔

تموجن یا تموجین چنگیز خان کے باپ کا نام یسوکائی تھا۔ یہ اس قدر بہادر جوان تھا کہ ایک شادی کی بھری محفل سے کسی اور کے ساتھ رخصت ہونے والی دلہن کو زبردستی اٹھا کر لے آیا تھا اور پوری محفل میں کسی ایک کی بھی ہمت نہ ہوئی تھی کہ وہ اسے روک پاتا۔

بہادر یسوکائی نے جس دلہن کو محفل سے اٹھایا تھا اس کا نام اولن خاتون تھا اور یہی اولن خاتون یا اولون یا کی چنگیز خان کی ماں تھی۔

چنگیز خان نے جوان ہونے پر ایک دوسرے قبیلے میں شادی کی۔ اس کی بیوی کا نام بورتائی تھا۔ چنگیز خان کے مندرجہ ذیل چار بیٹے پیدا ہوئے:

۱۔ جوچی خان یا جوجی خان

۲۔ چغتائی خان

۳۔ اوغدائی خان

۴۔ تولائی خان

یہ چاروں لڑکے بورتائی کے بطن سے تھے مگر پہلا لڑکا جوجی خان کا نسب مشکوک بتایا گیا ہے (اس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے)۔

اس شبہ کو اس وقت اور زیادہ تقویت پہنچی جب باقی تین بھائیوں نے جوجی خان کو اپنا بھائی ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ خود بھی اپنے بھائیوں اور دیگر عزیزوں سے کھنچا کھنچا سا رہتا مگر چنگیز خان جانتا تھا کہ اس کا یہ بیٹا اس کے دوسرے بیٹوں کے مقابلہ میں بہت شہ زور ہے اور اسی لیے وہ اس کی قدر کرتا تھا۔

چنگیز خان کے تمام بیٹے جبی نویان سے شہسواری سیکھتے تھے۔ جبی نویان (تیر انداز شہزادہ) کا ذکر میں پہلے کر چکی ہوں۔

یہ وہی جبی نویان ہے کہ جسے چنگیز خان نے جب ایک سفید ناک والا گھوڑا فراہم کیا تو وہ اس پر سوار ہو کے

چنگیز خان کی خیمہ گاہ سے نکل گیا اور کوئی اسے پکڑ نہ سکا تھا۔

جبی نویان کو دو چیزیں پہننے کا بڑا شوق تھا:

سموری جوتے

اور روپہلی زرہ

یہ دونوں چیزیں اس نے ایک ختائی (چینی) سے کسی جنگ میں چھینی تھیں۔

چنگیز خان کے چاروں بیٹے جوانی کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ جب اپنے بیٹوں کو جبی نویان سے شہسواری کی تربیت حاصل کرتے دیکھتا تو بہت خوش ہوتا۔

جبی نویان ان شہزادوں کو پہروں میدان میں بھگائے بھگائے پھرتا۔ اسے یہ بات بہت پسند تھی کہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار آگے آگے گھوڑا دوڑا رہا ہو اور اس کے پیچھے شہسواروں کا ایک پورا دستہ چلا آ رہا ہو۔ وہ ان سب شہزادوں کو اپنے پیچھے لگا کر اتنی دور نکل جاتا کہ انہیں واپس آتے آتے شام ہو جاتی۔ اور سوائے جوجی خان کے باقی تمام شہزادوں کے چہروں سے تھکن کے آثار ہویدا ہوتے۔

جوجی خان بے پناہ طاقت کا مالک تھا اور اتنا ہی اچھا شہسوار بھی تھا۔ جبی نویان بھی اسے بہت زیادہ پسند کرتا تھا۔

ایک بار چنگیز خان اپنے نہرپلے سورماؤں کے ساتھ شکار کھیلنے گیا۔ ان لوگوں کا شکار صرف شکار کے لیے نہ ہوتا تھا بلکہ اس سے تیر اندازی اور گھڑسواری کی مشق بھی ہوتی تھی۔

دراصل اس قسم کے شکار فن سپہ گری اور شہسواری کے عملی سبق ہوتے تھے۔ چنگیز خان شکار کھیلتا ہوا اس نشیبی ترائی میں پہنچ گیا جو قرابت یعنی طغرل خان کی زمینوں کے قریب ہوتے تھے۔

شکار کو نرغے یا گھیرے میں لینے کے لیے ایک حلقہ بنایا جاتا تھا۔ پھر اس حلقہ کو آہستہ آہستہ تنگ کیا جاتا اور جانور جان کر ایک جگہ سمٹتے جاتے تھے[1]

پس شکار کے گرد حلقہ بنایا گیا اور شکاریوں نے اسے تنگ کرنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی سخت دمدار کمانوں سے شکار کھیلنا شروع کر دیا۔

حلقہ تنگ ہوتے ہوتے چکنی چٹانوں تک پہنچ گیا اور اس جگہ آخری جانور بھی شکار کر لیا گیا۔ چنگیز خان نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر شکار میں اس کے منہ بولے باپ طغرل خان کا حصہ بھی رکھا جائے۔ یوں بھی طغرل خان کے قبیلے والے

۱۔ شکار کے اس اصول کو ہانکا یا ہکوا بھی کہا جاتا ہے۔

خواہ شکار میں شریک ہوں یا نہ ہوں اپنے لیے بہت سے جانور لے جاتے جو اُن کے حصے سے بھی زیادہ ہوتے تھے۔ اس کی شکایت چنگیز خان تک پہنچتی تو وہ مسکرا کر طرح دے جاتا۔

بوڑھے طغرل خان نے جب سے چنگیز خان کو اپنا متبنّیٰ بنایا تھا اس کے اور چنگیز خان کے قبیلوں میں میل جول بہت بڑھ گیا تھا کیونکہ اب وہ ایک ہی برادری کے افراد ہو گئے تھے۔ وہ بے دھڑک ایک دوسرے کے قبیلے میں جاتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے۔

بظاہر تو میل جول کا یہی ڈھول تھا مگر اندرون خانہ کچھ اور ہی کیفیت تھی۔ قبیلہ قرایت میں کئی دوسرے قبائل بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے قبیلے بھی تھے جن کو یہ دعویٰ تھا کہ مغلوں کے جدِ امجد بورجی گون کے صحیح جانشین وہ ہیں اور خاقان چنگیز خان کے یاکا قبیلے نے بورجی گون کی جانشینی کا غلط دعویٰ کیا ہے۔ اس لیے کچھ قبیلے چنگیز خان کو خاقان کے منصب سے معزول کر کے طغرل خان کو تمام مغلوں کا خاقان بنانا چاہتے تھے۔

چنگیز خان کو اس سلسلے میں ہلکا سا شبہ تھا اور اسی لیے وہ قرایت والوں کا دل جیتنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اسی لیے جب شکایت کی جاتی کہ لوٹ مار کے سامان میں قرایت والوں نے زیادہ حصہ لے لیا ہے تو وہ اپنے اہلِ قبیلہ کو سمجھا بجھا کر خاموش کرا دیتا تھا۔

میں بیان کر چکی ہوں کہ چنگیز خان کا سب سے بڑا بیٹا جوجی خان جو چنگیز کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ دلیر تھا، اس کے پاس قرایت والوں کا آنا جانا کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔

چنگیز خان کی شکی نظروں نے فوراً اس بات کو تاڑ لیا مگر اسے کوئی ایسی شہادت نہ مل سکی جس کی بنا پر اس کا شک یقین میں بدل جاتا۔

اسی زمانہ میں قرایت قبیلہ میں کوئی تقریب ہوئی جس میں چنگیز خان اور اس کے بیٹوں کو مدعو کیا گیا۔ اس بات کا خیال رہے کہ چنگیز خان اپنے منہ بولے باپ طغرل خان کی مدد کو آیا تھا اور تب سے اب تک وہ قرایت اور یاکا کی سرحد پر ڈیرا ڈالے پڑا تھا، واپس اپنی خیمہ بستی میں نہیں گیا تھا۔

چنگیز خان کے دل میں کیا تھا اس کی تو خبر نہیں مگر قرایت سردار اس کے سرحد پر پڑاؤ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے حالانکہ اب تو وہ قرایت کے خان طغرل کا متبنّیٰ تھا اور وہ طغرل خان کے ساتھ اس کے محل میں بھی ٹھہر سکتا تھا لیکن اس کی شکی طبیعت نے اسے اس کی اجازت نہ دی کہ وہ کسی غیر قبیلہ سردار کے محل میں قیام کرے خواہ وہ اس کا منہ بولا باپ ہی کیوں نہ ہو۔

قرایت قبیلہ کی تقریب میں چنگیز خان خود تو نہ گیا تاہم اس نے اپنے بیٹوں کو اس کی اجازت دے دی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ اس کے بیٹوں میں سے صرف بڑا بیٹا جوجی خان اپنے استاد جبی نویان کے ساتھ اس تقریب میں

شریک ہوا۔

جبی نویان اپنے سموری جوتوں اور روپہلی زرہ، جس کا وہ کسی نہ کسی طرح سے اظہار کر دیا کرتا تھا، پہنے ہوئے قرایت کی محفل میں پہنچا تو وہاں موجود سب لوگوں نے اسے حیران حیران نظروں سے دیکھا۔

جبی نویان کے پیچھے جوجی خان کا گھوڑا تھا۔ وہ جب اپنے گھوڑے سے اترا تو قرایت کے بڑے بڑے سرداروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور نمدے کی مسند پر بیٹھنے کو کہا۔

سفید نمدے کی مسند پر عام طور پر قبیلہ سردار بیٹھتے ہیں۔ جوجی خان مسند پر بیٹھتے ہوئے جھجک محسوس کر رہا تھا۔

"بڑے شہزادے!"

قرایت کے ایک سردار نے کہا،

"آپ مسند پر بیٹھ جائیے۔ یہ ہمارے لیے اعزاز ہوگا۔"

"مگر سردار ۔ ۔ ۔ ؟" اور جوجی نے اپنے استاد جبی نویان کی طرف دیکھا۔

جبی نویان اس کا مطلب سمجھ گیا اور بولا:

"ہماری مغل برادری میں صرف ہمارا خاقان چنگیز خان سفید نمدے کی مسند پر بیٹھتا ہے۔"

قرایت سردار مسکرا دیا۔ اس نے دوسرے سرداروں کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے اسے جبی نویان کی مداخلت پسند نہ آئی ہو۔

اس بات کو جبی نویان کے شاگرد جوجی خان نے بھی محسوس کیا اور اس خیال سے کہ بات بڑھ نہ جائے اس نے فوراً بات میں دخل دیا:

"سردار، یہ میرے استاد جبی نویان ہیں۔ مجھے یہ اپنے والد کی طرح عزیز ہیں۔"

"ہمیں معلوم ہے شہزادے۔"

سردار نے جواب دیا،

"مگر ان کا یہ اعتراض غلط ہے۔ اس لیے کہ شہزادہ جوجی خان اگرچہ ابھی قبیلہ سردار نہیں مگر وہ چنگیز خان کے بعد قبیلہ سردار تو بنیں گے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جوجی اس وقت ولی عہد ہیں اور ہمارے قرایت قبیلہ میں ولی عہد

کو سردارِ قبیلہ کی سی عزت دی جاتی ہے۔"

جوجی خان پھر بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

"آپ میرے استاد ہیں!"

اس نے جبی نوبان سے کہا:

"مثل میرے باپ کے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ میری رہنمائی کیجیے۔"

"جوجی خان! تم جوان ہو۔ صاحبِ فراست ہو۔"

جبی نوبان نے اسے سمجھایا:

"یہ ضرور ہے کہ میں تمہارا استاد ہوں اور یہ بھی درست کہ میں تمہارے باپ کی مثل ہوں مگر قرایت سردار کا سوال کوئی فنِ سپہ گری کا نکتہ نہیں جو میں تمہیں سمجھاؤں۔ تم جو چاہو قدم اٹھا سکتے ہو۔"

جوجی نے بڑی فراست کا ثبوت دیا۔

"اے قرایت سردار!"

اس نے قرایت سردار کو مخاطب کیا:

"میں آپ کا شکر گزار ہوں مگر میں مسند پر بیٹھنے کے بجائے اپنے استاد جبی نوبان کے ساتھ بیٹھنا زیادہ پسند کروں گا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ جبی نوبان کے پاس پہنچا اور اس کے برابر بیٹھ گیا۔

قرایت والوں کے ہاں اس تقریب کی وجہ یہ تھی کہ بوڑھا طغرل خان کئی روز تک مسلسل بے ہوش رہا تھا پھر جب وہ ہوش میں آیا تو شامانوں نے اسے بتایا:

"خانِ اعظم۔ نیلے جاودانی آسمان کی روحیں آپ سے ناراض ہو گئی ہیں۔"

طغرل خان ڈر گیا۔

مغلوں میں یہ مشہور تھا کہ جب آسمانی روحیں کسی سے بہت زیادہ ناراض ہو جاتی ہیں تو اسے زمین سے آسمان پر بلا لیتی ہیں یعنی وہ مر جاتا ہے۔

طغرل خان نے سہمے ہوئے لہجے میں دریافت کیا:

"آسمانی روحیں مجھ سے کیوں ناراض ہیں۔ میں نے کیا غلطی کی ہے اور اب میں انہیں کس طرح راضی کر سکتا ہوں؟"

طغرل خان نے ایک دم اتنے سوال کر دیے تھے کہ شامان پریشان ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھنا شروع کر دیا۔

عام طور سے ایک قبیلہ میں ایک ہی شامان ہوتا تھا اس لیے کہ اس کے بڑے ناز نخرے ہوتے تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ شامانوں نے مغلوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ صرف شامان ہی آسمانی روحوں سے بات کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صرف وہی قبیلہ والوں کے دکھ درد اور بیماری آزاری کو دور کر سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ شامانوں نے روحوں کی پوجا کے علاوہ جھاڑ پھونک، دوا دارو، شادی بیاہ کے معاملات کو طے کرنا اور ان کو انجام دینا، اہم معاملات میں قبیلہ سردار کو مشورے دینا وغیرہ جیسے تمام امور میں اپنی ٹانگ لگا رکھی تھی۔

چھوٹے قبائل تو شامانوں کے نخرے اٹھا ہی نہیں سکتے تھے اس لیے وہ اپنے ہاں کسی شامان کو جگہ نہ دیتے تھے۔ اور ضرورت پڑنے پر بڑے قبائل کے کسی شامان سے اپنا کام نکلوا لیتے تھے۔

بڑے قبائل شامان کی موجودگی کو اپنے قبیلہ کے لیے سعادت اور برکت سمجھتے تھے اور وہ ان کے ناز نخرے بھی اٹھا سکتے تھے۔ اس لیے ایسے قبیلہ میں کم از کم ایک شامان ضرور ہوتا تھا۔

طغرل خان کے قرایت قبیلہ کا حساب ہی کچھ الٹا تھا۔ یہ قبیلہ تھا تو بہت بڑا کیونکہ اس کی سرحد تجارتی شاہراہ سے ملتی تھی اور جنوب مغرب کے متمدن علاقوں کے تاجر اس قبیلہ میں بے دھڑک آتے رہتے تھے۔ شاید اسی لیے طغرل خان نے خانہ بدوش زندگی کے بہت سے طور طریقے بدل دیے تھے۔ قبیلہ کے بہت سے لوگوں نے خیموں کے بجائے جگہوں پر کچے مکان بنا لیے تھے۔

بڑا قبیلہ ہونے کی وجہ سے اس میں ایک سے زیادہ شامان تھے اور ان کی تعداد ہر سال بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ شامان بے حد چالاک اور لالچی تھے۔ آسمانی روحوں کے نام پر یہ روزانہ دعوتیں اڑاتے تھے۔

طغرل خان کے بہت سے سوالوں کا ایک بوڑھے شامان نے جواب دیا:

"اے قرایت کے عظیم سردار طغرل خان! آسمانی روحیں تجھ سے ناراض تھیں مگر ہم نے ان کی خوشامد کر کے انہیں خوش کر دیا ہے۔

آسمانی روحوں نے حکم دیا ہے کہ دس سفید گھوڑیوں کو ذبح کر کے آس پاس کے تمام قبیلہ سرداروں کی دعوت کی جائے اور شراب میں گھوڑی کا دودھ ملا کر مہمانوں میں تقسیم کیا جائے۔"

سفید گھوڑی اگرچہ بہت مہنگی تصور ہوتی تھی کیونکہ اس کے دودھ کی شراب مغل بڑی رغبت سے پیتے تھے پھر بھی طغرل خان نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور آج وہ دس گھوڑیاں ذبح کر کے ان کا گوشت بھون کے محفل میں کھلانے والا تھا۔ یہ تھی اس تقریب کی اصل وجہ!

چنگیز خان اور اس کے بیٹوں کو قبیلہ سردار اور شہزادے ہونے کی وجہ سے اس دعوت میں خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔

چنگیز خان اس قسم کی دعوتوں کو بڑے شک کی نظر سے دیکھتا تھا اس کی بیوی بورتائی کی چھٹی حس اس سے بھی زیادہ تیز تھی۔ میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ بورتائی نے کئی بار چنگیز خان کی جان بچائی تھی کیونکہ اسے خطرے کا پہلے سے احساس ہو جاتا تھا اور وہ چنگیز کو آگاہ کر دیتی تھی۔

اس کے علاوہ چنگیز خان کو اس طرح کی دعوتوں میں بہت سے ناگوار واقعات رونما ہونے کا تجربہ اور مشاہدہ بھی تھا۔ اس کا باپ یسوکائی بھی ایسے ہی ایک دوست کی دعوت میں گیا تھا جہاں اسے زہر دے کر مار دیا گیا تھا اس لیے اس نے دعوت میں شرکت سے معذرت کر لی تھی اور اپنی جگہ تمام بیٹوں کو طغرل خان کی دعوت میں جانے کا حکم دیا تھا مگر شاید یہ پہلا موقع تھا کہ چنگیز خان کے باقی تین بیٹوں چغتائی خان، اوغدائی خان اور تولائی خان کا جوجی خان کے ساتھ اختلاف کھل کر سامنے آیا تھا۔

چنگیز خان کے حکم دینے پر اس کے سب سے چھوٹے بیٹے اوغدائی خان نے واضح الفاظ میں اپنے باپ کو جواب دیا

"اے میرے باپ خاقان چنگیز خان! اگر تو حکم دے تو میں اپنی گردن اپنی تلوار سے کاٹ کر تیرے حوالے کر دوں مگر میں جوجی خان کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

چنگیز خان کو اپنے بیٹوں کے درمیان اختلاف کی خبر تو تھی مگر کبھی کسی بیٹے نے اس سے منہ در منہ اس طرح جواب نہیں دیا تھا۔

پھر بھی اس نے نفرت کو کم کرنے کے لیے کہا:

"اوغدائی! کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری ماں کون ہے؟"

"مجھے معلوم ہے میرے خاقان باپ..."

اوغدائی نے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

"میری پیاری ماں کا نام بورتائی خاتون ہے۔"

چنگیز خان نے اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے کہا:

"کیا تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جوجی خان کی ماں کون ہے؟"

اوغدائی کی نظریں ایک دم جھک گئیں۔ اس کا جوش اور غصہ ختم ہو گیا اور افسردگی سے بولا:

"جانتا ہوں اے میرے خاقان باپ! جوجی خان کی ماں بھی بورتائی خاتون ہے اور مجھے اس بات کا بے حد افسوس بھی ہے!"

"جب تم اور جوجی خان ایک ہی بطن سے پیدا ہوئے ہو تو تم اسے اپنا بھائی کیوں نہیں مانتے؟"

"اس لیے کہ میرا باپ خاقان چنگیز خان ہے۔"

اوغدائی نے بلا توقف کہا:

"اور جوجی خان کے باپ کا نام نہ میں جانتا ہوں نہ خاقان چنگیز خان کو علم ہے۔ یہاں تک کہ جوجی خان اپنے باپ کا صحیح نام نہیں بتا سکتا۔"

چنگیز خان سناٹے میں آ گیا۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا:

"ٹھیک ہے۔ میں جوجی خان کو تمہارے ساتھ نہیں رکھوں گا لیکن آئندہ اس طرح کی کوئی بات میرے سامنے نہ آ جائے۔"

خیر یہ ہوئی کہ اس وقت چنگیز خان کے پاس اس کے تین بیٹوں کے علاوہ چوتھا بیٹا جوجی خان نہیں تھا ورنہ اس وقت تلواریں کھینچ جاتیں اور معلوم نہیں کون مرتا اور کون زندہ رہتا۔

"طغرل خان کی ضیافت میں جوجی خان میری نمائندگی کرے گا۔"

چنگیز نے اپنا فیصلہ سنا دیا:

"تم لوگوں کو اعتراض ہو تو وہاں مت جانا۔"

اس طرح طغرل خان کی ضیافت میں جوجی خان شریک ہوا۔

منگولوں کی ضیافتوں اور تقریبوں میں باتیں کم اور کھانے پینے اور ناچ گانے کے مظاہرے زیادہ ہوتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے پارچے آنے شروع ہوئے۔ گھوڑوں کی پچھلی ٹانگیں تو اتنی بڑی تھیں کہ انہیں دو دو آدمی اٹھا کر لا رہے تھے۔

بھنے ہوئے گوشت سے دھواں اٹھ رہا تھا اور مہمان رانوں اور ٹانگوں کو اس طرح بھنبھوڑ رہے تھے جیسے مدتوں کے بھوکے ہوں۔

شراب اور گھوڑی کے دودھ کی بالٹیاں مہمانوں کے دائیں بائیں رکھی تھیں۔ وہ گوشت کھاتے کھاتے تھک جاتے تو شراب یا گھوڑی کا کھٹا ہوا دودھ پینے لگتے اور جب پینے سے اکتانے لگتے تو دوبارہ گوشت کو بھنبھوڑنے لگتے۔

پھر جیسے بدلی سے چاند نکل آیا۔ اور پوری محفل روشن ہو گئی۔

یہ چاندنی اس دوشیزہ کے محفل میں آنے کی وجہ سے پھیلی تھی جس کا نام غنشلی تھا اور جو اس سردار کی بیٹی تھی جسے بورجی گوں کے وارث ہونے کا دعویٰ تھا۔ یہ خیال رہے کہ یہ باتیں ضیافت کے بعد معلوم ہوئی تھیں۔ غنشلی کے اچانک محفل میں آجانے سے چند لمحوں کے لیے ہر طرف سناٹا چھا گیا اور خاموشی پیدا ہو گئی تھی۔

جوجی خان ایک ران چچوڑنے میں مصروف تھا۔ اسے ایک دم سناٹا محسوس ہوا تو اس نے ران کو منہ سے ہٹاتے ہوئے سامنے کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا!

جوجی خان کی نظریں ایک دم ایک نہایت خوبصورت دوشیزہ سے ٹکرائیں۔ دوشیزہ بھی اسے دیکھ رہی تھی اور زیر لب مسکراہٹ بکھیر رہی تھی۔

جوجی خان کو اپنا سر ڈولتا ہوا محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر کسی نے گرز دے مارا ہو اور اسے چکر آ رہا ہو۔ پھر اس نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔

اس نے ران کو سر سے بلند کر کے اسے زور سے ایک طرف پھینکا۔ ران فضا میں اڑتی ہوئی ان ملازموں سے جا ٹکرائی جو مزید گوشت لا رہے تھے۔ ان لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ اس کے ساتھ ہی محفل میں ایک ساتھ بہت سے قہقہے بلند ہوئے۔

جوجی نے نظریں گھما کر دیکھا۔ تمام مہمانوں کی نظریں ان ملازموں پر لگی تھیں جن پر اس کی پھینکی ہوئی ران گری تھی۔ جوجی نے جبی نویان کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا۔

"استاد۔ یہ لڑکی کون ہے؟" اس نے اپنے استاد سے اس قدر بے تکلفی سے پوچھا جیسے وہ اس کا گہرا دوست ہو۔

"مجھے کیا معلوم، کون ہے!"

جبی نویان نے بھی اسی بے تکلفی سے جواب دیا:

"شہزادے کی خواہش ہو تو ابھی پوچھ کر آؤں؟"

اب شہزادہ گھبرایا:

"نہیں نہیں استاد۔ اس کی ضرورت نہیں۔"

"اگر ضرورت نہیں تھی تو مجھے وہاں سے کھینچ کر ادھر کیوں لائے؟" جبی نویان نے ہنستا ہوا سوال کیا۔

"بس یونہی۔"

جوجی خان اپنا چوڑا دہانہ کھول کے ہنسا:

"ہاں ہاں۔ بس یونہی۔"

اسے بات بتانا بھی نہ آتی تھی۔

"پھر کیا ارادے ہیں شہزادے کے؟" استاد نے دوسرا سوال کیا تو جوجی خان کو پسینہ آگیا۔ اس نے گڑبڑا کر کہا:

"کیا کیا۔ کیسے ارادے۔ کس کے ارادے استاد؟"

جبی نویان نے بے تکلفی سے خالص مغل انداز میں کہا:

"اگر لڑکی پسند ہے تو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر آگے چلو۔ میں ذرا دیر بعد لڑکی کو لے کر تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

جوجی نے حیران نظروں سے استاد کو دیکھا:

"تم لڑکی کو اٹھا لاؤ گے کیا؟"

اب جبی نویان نے پورا دہانہ کھول کے دانتوں کی نمائش کی:

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ اٹھا کے نہیں لاؤں گا تو کیا لڑکی کو ہاتھ جوڑ کے لاؤں گا!"

جوجی خان نے اپنا بھاری سر ہلایا:

"تو تم مرنا چاہتے ہو استاد!"

"میں کیوں مروں گا۔"

جبی نویان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا:

"مرے گا وہ جو میرا پیچھا کرے گا۔"

جوجی خان کی دھیمی جبلت عود کر آئی:

"یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ پھر میں اپنے استاد کو کیوں ضائع کروں؟"

"نہیں شہزادے۔" استاد نے اسے روکا:

"تم یہ کام نہیں کرو گے۔ میں تمہیں ایسا ہرگز نہ کرنے دوں گا۔"

"مگر استاد ....." جوجی نے کہنا چاہا۔

"جوجی خان!"

جبی نویان نے سخت لہجے میں کہا:

"ایسی غلطی کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لانا۔"

"کیوں استاد۔ کیا میں بزدل ہوں؟"

جوجی ہتھے سے اکھڑ گیا:

"پورے قرایت قبیلے میں کوئی بھی میرے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ ایک ایک کو کاٹ کے رکھ دوں گا اور ....." اس میں درندگی عود کرتی چلی جا رہی تھی۔

"بس بس جوجی خان۔ آگے ایک لفظ منہ سے نہ نکالنا!"

جوجی خان کا لہجہ ایک دم تلخ ہو گیا:

"میں جانتا ہوں تم بہت بہادر ہو۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ قرایت کا کوئی سردار یا جوان تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ تمہارا بھی وہی انجام ہو جو تمہارے دادا کا ہوا تھا۔"

"میرا دادا؟"

جوجی نے اپنے ذہن پر زور دے کر دادا کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ اس لیے کہ مغل اپنے جدِ امجد بوربچی گون اور اپنے باپ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام یاد رکھنے کی زحمت نہیں کرتے تھے۔ ہاں اپنے دشمنوں کے نام انہیں ازبر رہتے تھے۔

"ہاں استاد۔ کون تھا میرا دادا؟"

جوجی کو پھر استاد کا سہارا لینا پڑا:

"کیا کیا تھا اس نے؟"

نہ اسے دادا کا نام معلوم تھا اور نہ اسے کسی نے بتایا تھا۔ اسے تو اپنے باپ کا نام بھی معلوم نہیں تھا۔ اسے اس کی ماں بورتائی خاتون نے بتایا تھا کہ وہ اس کی ماں اور چنگیز خان اس کا باپ ہے اور وہ اسے صحیح سمجھتا تھا۔

پھر جب اس کے چھوٹے تینوں بھائیوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور اسے اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو ایک دن وہ اپنی ماں کے سر ہو گیا۔

"سچ بتا ماں۔ میرا باپ کون ہے؟"

بورتائی غصے سے دوہری ہو گئی۔

"جوجی۔ یاد رکھ اگر تو نے پھر کبھی یہ سوال کیا تو میں عمر بھر تیرا منہ نہیں دیکھوں گی۔"

جوجی خان ضد پر اڑا رہا:

"اچھا ماں۔ یہ تو بتا دے کہ کیا چنگیز خان میرا باپ نہیں ہے؟"

بورتائی کی آنکھیں ایک دم بھیگ گئیں۔

"ہاں بیٹے!"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"چنگیز خان تیرا باپ نہیں لیکن اس نے تجھے باپ سے زیادہ پیار دیا، شفقت دی۔ تجھے اوغدائی، تولائی اور چغتائی سے کبھی کمتر نہیں سمجھا اور نہ مجھ سے کبھی کوئی شکوہ کیا۔"

جوجی خان کا منہ اس کی ماں نے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا تھا مگر اس وقت اس کے دادا کا ذکر آیا تو وہ ایک دم بے چین ہو گیا۔

جمی نویان نے اسے اس کے دادا کا نام بتایا اور کہا:

"جوجی خان، تیرے بہادر دادا کا نام یسوکائی تھا۔ اس نے ایک شادی کی محفل سے اس دلہن کو اٹھا لیا تھا جو کچھ دیر بعد اپنے دولہا کے ساتھ جانے والی تھی۔"

جوجی خان کو یہ بات پہلی بار معلوم ہوئی تھی۔

"اچھا۔" اس نے تعجب کا اظہار کیا:

"پھر تو بارات والوں نے اسے ختم کر دیا ہو گا۔"

"اسے کون ختم کر سکتا تھا۔"

جمی نویان نے پھر دانت نکال دیے۔ اس کا قہقہہ تو بھیانک تھا ہی، اس کی مسکراہٹ بھی بڑی زہر آلود تھی:

"وہ پالکا قبیلے کا سب سے بہادر جوان تھا۔ یسوکائی نے دلہن کو گھوڑے پر اپنے آگے بٹھایا، پھر جو گھوڑے کو ایڑ دی ہے تو یہ جا وہ جا۔ کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا۔ یسوکائی اسے اپنے قبیلے میں لایا اور سرِ عام اس سے شادی رچائی۔"

جوجی خان خیالوں میں گم تھا۔ جمی نویان نے غور سے دیکھ کر سوال کیا:

"تم نے اپنی دادی سے پوچھا نہیں کبھی؟"

جوجی اس اچانک سوال پر بوکھلا اٹھا اور گھبرا کر جمی نویان سے پوچھ بیٹھا:

"میں نے کبھی نہیں پوچھا۔ دادی ہے کہاں؟"

جوجی خان کے اس بے تکے سوال پر جمی نویان کا خوفناک قہقہہ بکھر گیا:

"تم خاقان کی ماں اولون خاتون سے کبھی نہیں ملے۔ وہی تو ہے تمہاری دادی۔"

اور جوجی خان چپ ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے نسب یا باپ دادا کے بارے میں کسی سے کوئی بات دریافت نہیں کی۔

پھر وہ دونوں سر جھکائے محفل میں واپس آ گئے۔

کھانے پینے کا کاروبار تقریباً ختم ہو چکا تھا اور قرایت سردار گروہ در گروہ ادھر ادھر بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ جوجی اور جمی نویان اسی جگہ جا بیٹھے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔

جوجی خان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ دوشیزہ اب تک مہمانوں میں بھنا ہوا گوشت بانٹ رہی ہے۔ جوجی کو دیکھ کے وہ جلدی سے ادھر آ گئی۔ اور کنکھیوں سے اسے دیکھنے لگی۔

ایک قرایت سردار نے جوجی کو چھیڑا:

"جوجی خان اب تم شادی کر لو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اس دوشیزہ یعنی غنشلی کی طرف دیکھا جو اب تک وہیں منڈلا رہی تھی:

"بڑی خوبصورت دلہن ملے گی تمہیں۔"

جوجی خان کے دل میں گدگدی سی پیدا ہوئی۔ اس نے ایک نظر غنشلی کو دیکھا۔ پھر اس کی سوالیہ نظریں استاد جمی نویان کے چہرے پر ٹھہر کے رہ گئیں۔

"ہاں ہاں۔ اپنے استاد سے مشورہ کر لو۔"

قرایت سردار ہنس کے بولا:

"اگر وہ راضی ہو تو پھر تمہاری شادی کی بات چھیڑی جائے۔"

"شادی کی بات کرنا خاقان چنگیز خان کا کام ہے۔"

جمی نویان نے تند لہجے میں جواب دیا:

"ہم اس میں کچھ نہ بولیں گے۔"

"جمی نویان!"

قرایت سردار نے اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا:

"ہم چنگیز خان یا تمہاری شادی کی بات نہیں کر رہے بلکہ معاملہ جوجی خان کی شادی کا ہے۔ مرضی تو جوجی خان ہی کی چلے گی۔"

"نہیں سردار۔"

جمی نویان چڑ گیا:

"ہماری برادری میں ایسا نہیں ہوتا۔ شادی کسی کی بھی ہو۔ بات خاقان ہی کی چلتی ہے۔"

جمی نویان کے اس ترش جواب کے بعد قرایت والوں کو بات آگے بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ ورنہ یوں لگ رہا تھا کہ وہ جوجی اور غشلی کی شادی اپنی طرف سے طے کیے بیٹھے تھے۔

○

قرایت سے واپسی پر جمی نویان اور جوجی خان سیدھے خاقان چنگیز خان کے خیمے پر پہنچے۔ وہ ان دونوں کی طرف سے بہت فکرمند تھا۔

اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا:

"بتاؤ جمی نویان کیسی گزری؟"

"اے خاقان!"

جمی نویان نے جوجی خان کو دیکھا۔ پھر بولا:

"مجھے قرایت والے کچھ پسند نہیں آئے۔"

چنگیز خان سنبھل کے بیٹھ گیا۔ وہ جمی نویان پر بڑا اعتماد کرتا تھا:

"تم کہہ رہے ہو تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے۔ اب بتاؤ وہاں کیا ہوا؟"

"اے خاقان! ہم قرایت میں دعوت کھانے گئے تھے نہ کہ جوجی خان کی دلہن ڈھونڈنے۔"

جمی نویان کا لہجہ آہستہ آہستہ تلخ ہوتا گیا:

"دعوت شروع ہوئی تو ایک خوبصورت لڑکی ہمارے بالکل قریب آگئی۔ اس پر ایک قرایت سردار نے جوجی سے کہا کہ اب وہ شادی کر لے۔ بھلا اسے کیا حق تھا کہ وہ جوجی کو شادی کا مشورہ دے۔"

چنگیز خان نے ایک لمحہ کو سوچا۔ پھر فکرمند لہجے میں دریافت کیا:

"لڑکی شکل صورت کی کیسی تھی جمی؟"

"لڑکی؟" جمی نویان گھبرا گیا:

"لڑکی بس لڑکی تھی!"

"میں پوچھ رہا ہوں لڑکی شکل صورت کی کیسی تھی؟" چنگیز خان کے انداز سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔

جمی نویان اور گھبرا گیا۔

"اے خاقان!" ذرا سنبھل کر اس نے کہا:

"لڑکی تو خوبصورت تھی مگر وہ لوگ اندر سے کالے معلوم ہوتے ہیں۔ اب جوجی خان کی مرضی آپ خود جوجی خان سے پوچھ لیجیے!"

"ہاں جوجی خان!"

چنگیز خان بیٹے کی طرف متوجہ ہوا:

"تم بتاؤ لڑکی نہیں پسند ہے؟"

چنگیز خان دراصل جوجی خان ہی سے لڑکی کے بارے میں سوال کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے جمی نویان سے سوال کر کے جوجی کو ہوشیار کر دیا کہ یہ سوال اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ جوجی خان نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے فوراً جواب دیا:

"خاقان بابا! لڑکی کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو مگر میں قرایت والوں کو پسند نہیں کرتا اس لیے میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا۔"

"شاباش جوجی خان!"

چنگیز خان خوش ہو گیا:

"آخر تم نے بھی وہی فیصلہ کیا جو میرے اور جمی نویان کے ذہن میں تھا۔"

ذرا دیر رک کے اس نے جمی نویان کو پھر مخاطب کیا:

"جمی نویان۔ ذرا سوچ کے بتاؤ۔ جوجی خان کو شادی کا مشورہ کس سردار نے دیا تھا؟"

"اے خاقان! یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔"

جمی نویان نے سوچ کر جواب دیا:

"لیکن میں نے یہ ضرور اندازہ لگایا کہ وہ قرایت کے اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو ہم لوگوں یعنی خاقان چنگیز خان کے عروج کو پسند نہیں کرتا۔"

جمی نویان نے جو اندازہ لگایا تھا، صاف صاف بیان کر دیا۔ چنگیز خان کے چہرے پر مسرت کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

"میں تمہاری زبان سے یہی سننا چاہتا تھا۔" اس نے بے حد مسرت سے کہا: "مجھے معلوم ہے کہ قرایت برادری

میں نہ صرف بعض ایسے قبیلے ہیں جو مجھے پسند نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے خان طغرل خان کو "اونگ خان" تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں۔ اسی لیے میں نے بہت پہلے اس کی تیاری شروع کر دی ہے"۔

جوجی اور جبی نویان نے گھبرا کر خاقان کی طرف دیکھا۔ یہ بات تھی بھی حیرت انگیز۔ اس سے پہلے خاقان نے اس کا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا۔

"اے خاقان!"

آخر جبی نویان پوچھ ہی بیٹھا:

"اگر یہ کوئی جنگی راز نہ ہو تو کیا آپ بتائیں گے کہ آپ کو یہ کیسے اندازہ ہوا کہ قرایت کے بعض قبائل آپ کو اور طغرل خان کو پسند نہیں کرتے؟"

چنگیز خان کچھ فکرمند ہو گیا تھا۔

"جبی نویان!" اس نے دبی زبان میں بتایا:

"اس بات کا اندازہ مجھے اسی وقت ہو گیا تھا جب طغرل خان نے مجھے اپنا متبنّٰی بنانے کا اعلان کیا تھا۔ قرایت برادری نے یہ ضرور سوچا ہو گا کہ بوڑھے طغرل خان کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ وہ اپنی برادری کو قابو میں رکھ سکے اور اسی خیال کے پیشِ نظر قرایت کے بعض سردار یہ چاہتے ہوں گے کہ طغرل خان کی موت کے بعد قرایت کی سرداری وہ خود سنبھال لیں۔

اب میرے متبنّٰی بننے کے بعد ان کے ارادوں اور خیالوں پر اوس پڑ گئی۔ پھر وہ مجھے کیوں پسند کرنے لگے۔ وہ تو مجھے بھی راستے سے ہٹانے کی فکر میں ہوں گے"۔

جوجی خان اور جبی نویان گم سم بیٹھے چنگیز خان کا منہ دیکھتے رہے۔

جبی نویان کو تو معلوم تھا کہ چنگیز خان محض ایک طاقتور سپہ سالار ہی نہیں بلکہ ایک عالی دماغ انسان بھی ہے۔ وہ آنے والے خطرے کو بہت پہلے بھانپ لیتا ہے اور اس کے تدارک کا انتظام بھی کر لیتا ہے۔

جہاں تک جوجی خان کا تعلق ہے تو اس نے چنگیز خان کو پہلی بار جنگی حکمتِ عملی اور قبیلہ کی سیاست کے بارے میں بولتے سنا اور دیکھا تھا اور وہ اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ ایک بڑے سردار کے لیے صرف طاقت حاصل کرنا ہی کافی نہیں بلکہ دوسروں سے اس طاقت اور حکومت کو محفوظ رکھنا اس سے زیادہ اہم ہے۔

"تم دونوں اپنے خیموں میں جاؤ"۔

چنگیز خان نے انہیں رخصت کرتے ہوئے کہا:

"تھکن دور کرو مگر ذرا ہوشیار رہنا۔ حالات کچھ ایسے ہو رہے ہیں جیسے کچھ ہونے والا ہے"۔

ان کے جانے کے بعد چنگیز خان نے خیمہ میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اسے خطرہ کی بو بہت پہلے آ جاتی تھی۔ قرایت کے بعض قبائل پر اسے مخالفت کا شبہ بھی تھا۔ اسی لیے اس نے قرایت کے درمیان اپنے کچھ آدمی پہنچا دیے تھے جو چنگیز خان کے لیے قرایت میں ان سرداروں سے رابطہ کر رہے تھے جو چنگیز خان کا ضرورت پر ساتھ دے سکتے تھے۔

اس نے احتیاط کے طور پر ایک اور فیصلہ بھی کیا۔ وہ یہ کہ جب اس نے طغرل خان کو یہ اطلاع دی کہ وہ اپنے سرداروں اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ اس کی (قرایت) سرحدوں کے قریب شکار کھیلنے آ رہا ہے تو اس کے جواب میں طغرل خان نے فوراً اس کی میزبانی کے فرائض ادا کرنے کی پیش کش کی تھی مگر چالاک چنگیز خان نے اس کا مہمان بننے یا جانے اس کے مرکز سے دور رہنے کا فیصلہ کیا اور طغرل خان کی پیش کش کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ:

"میں اس بات کو خلافِ اصول خیال کرتا ہوں کہ کسی دوسرے علاقے میں اپنی فوج اور فوجی سرداروں کے ساتھ داخل ہو جاؤں"۔

اس کے ساتھ ہی اس نے طغرل خان کو یہ پیغام بھی بھجوا دیا تھا کہ وہ شکار کے فوراً بعد طغرل خان کو سلام کرنے حاضر ہو گا۔

یہی وجہ تھی کہ جب وہ شکار پر اس کے علاقے کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی خیمہ گاہ طغرل خان کے مرکز سے تقریباً ایک منزل دور رکھی تاکہ غیر معمولی حالات میں اسے کوئی فیصلہ کرنے کے لیے وقت مل جائے۔

چنگیز خان ٹہلتے ٹہلتے رکا۔ اس نے فوراً دو جاسوس سواروں کو بلوایا۔ جاسوس گھبرائے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ وہ پریشان تھے کہ اتنی رات گئے انہیں سوتے سے کیوں بلوایا گیا۔

"تم دونوں اسی وقت سوار ہو کر قرایت پہنچو"۔

چنگیز خان نے انہیں حکم دیا:

"اور معلوم کرو کہ ان کے ہراول دستے اس وقت کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟"

جاسوس سوار سلام کر کے باہر نکل گئے اور چنگیز خان پھر ٹہلنے لگا۔ اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اسی عالم میں صبح اور پھر صبح سے دوپہر ہو گئی۔ نہ اس کے قدم رکے نہ وہ خیمہ سے باہر آیا۔ اس کے خیمہ کے محافظوں نے کئی بار اندر جھانکا اور ہر بار اسے ٹہلتے ہی پایا۔

پھر انہوں نے اعلان کر دیا:

"خاقان آج بہت مصروف ہیں۔ ان سے ملنے کی کوشش نہ کی جائے"۔

اعلان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ خاقان رات سے اب تک ٹہل رہا ہے ورنہ لشکر میں بے چینی پیدا ہو جاتی۔

پھر بھی قبیلے والوں کو تعجب ضرور تھا کہ خاقان کو آج کونسا ایسا کام آپڑا ہے کہ اس نے لوگوں سے ملنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

چنگیز خان کے بھیجے ہوئے جاسوسوں کو دوسرے دن شام تک قرایت کے پڑاؤ دستوں کی خبر لے کر واپس آجانا چاہیے تھا مگر شام ہونے کو آئی تھی اور ان کا کوئی پتہ نہ تھا۔

چنگیز خان کی پریشانی اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی تا آخر اس نے اپنے اوپر خود عائد کردہ پابندی کو توڑ دیا۔ خیمے سے نکل آیا مگر خاموش خاموش۔ الجھا ہوا۔

لوگوں نے بھی اسے پریشان دیکھ کے کنی کترائی اور ماسوائے کسی انتہائی ضروری کام کے کوئی اس کے پاس نہیں آیا۔

رات ہوتے ہی اس کی پریشانی اور بے قراری بہت بڑھ گئی۔ جاسوسوں کی واپسی نہ ہونا کسی نامعلوم خطرے کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔

آخر وہ خطرہ جو کل رات سے اب تک چنگیز خان کو پریشان کیے ہوئے تھا، کھل کر سامنے آ گیا۔ اس کے دونوں جاسوس تو واپس نہ آئے مگر رات شروع ہوتے ہی گھوڑے چرانے والے دو چرواہے اس کے خیمہ پر پہنچے اور خیمے کے ایک محافظ نے اندر جا کر کہا:

"خاقان پر نیلے جاودانی آسمان کی برکتیں نازل ہوں۔ گھوڑے چرانے والے دو محافظ چرواہے حاضر ہیں اور خاقان سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

چنگیز خان ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور بجلی کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔ اس نے چرواہوں کو سر سے پیر تک تیز نظروں سے دیکھا۔ پھر انہیں ساتھ ہی اندر لے آیا۔

اس نے خیمے کے پہریداروں کو حکم دیا:

"کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔"

پھر اس نے چرواہوں سے سوال کیا:

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟"

"اے خاقان!"

ان میں سے ایک نے جواب دیا:

"ہم آپ کے دشمنوں کے لشکر کے قریب سے گزر کر آ رہے ہیں۔"

"وہ کس قبیلہ کا لشکر ہے؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"تو چپ ہو جا۔ میں خاقان کو پورا حال سناتا ہوں۔"

دوسرے چرواہے نے اپنے ساتھی کو روکتے ہوئے کہا:

"اے بالا کے سپہ سالار اور مغل برادری کے خاقان! ہم گھوڑوں کے سوداگر ہیں۔ لوگ ہمیں چرواہا کہتے ہیں۔ ہمارا تعلق ایک ایسے قبیلے سے ہے جو آپ کو اپنا خاقان مانتا ہے۔

آج دوپہر جب ہم اپنے گھوڑوں کو چراتے ہوئے قبیلہ قرایت کے سرحدی علاقے سے گزرے تو وہاں ہمیں چند ایک سرداروں نے روک لیا پھر ہمارے سب گھوڑوں کو دیکھ بھال کے خرید لیا۔"

ذرا سانس لے کر اس نے پھر کہنا شروع کیا:

"اے خاقان! اگر وہ سردار صرف قرایت قبیلے کے ہوتے تو ہمیں کوئی شبہ نہ ہوتا مگر وہاں میں نے قبیلہ کریت کے سردار توقت ابگ کو بھی دیکھا جو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ جنگ کے لیے ہمیں گھوڑوں کی سخت ضرورت ہے۔ جس قیمت پر بھی ہو سکے تمام گھوڑے خرید لیے جائیں۔

جنگ کے نام پر ہم بہت حیران ہوئے کیونکہ ہم آپ کے لشکر کو پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ ہم نے ان سے کھانے کو کچھ مانگا۔ کھانے کے دوران ہمارے کان ان کی باتوں کی طرف لگے رہے۔

ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ اس لشکر میں وہ تمام قبیلے موجود ہیں جو آپ کے مخالف ہیں یا آپ کے ہاتھوں شکست کھا چکے ہیں۔ انہیں قرایت کا تعاون حاصل ہے اور وہ آج رات آپ کے قبیلے پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ سنتے ہی ہم دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بھاگم بھاگ آپ کے پاس چلے آئے۔"

چنگیز خان کا سارا بدن ایک لمحہ کو ٹھنڈا پڑ گیا مگر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔

"دیکھو۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔"

اس نے چرواہوں کو سمجھایا:

"مجھے دشمن قبیلوں کی ایک ایک بات معلوم ہونی چاہیے تاکہ میں اپنا دفاع کر سکوں۔ تم سوچ کے یہ بتاؤ کہ انہوں نے شب خون مارنے کے علاوہ کسی اور بات کا فیصلہ تو نہیں کیا اور کیا قرایت کا طغرل خان بھی وہاں موجود تھا؟"

دونوں چرواہے ذرا دیر آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ پھر ان میں سے جو ذرا زیادہ عمر کا تھا اس نے بتایا:

"اے خاقان۔ اس وقت طغرل خان وہاں موجود نہیں تھا مگر اس کے بارے میں وہ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے بڑی مشکل سے بوڑھے خان کو آپ کے خلاف لڑنے پر آمادہ کیا ہے۔۔۔۔

اسی وقت دوسرے نے اس کی بات کاٹ دی:

"مجھے یاد آیا۔ وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ہمارے ساتھ چنگیز خان کے بھائی بھتیجے بھی شامل ہیں۔ انہیں اپنی کامیابی کا اس قدر یقین ہے کہ انہوں نے جاموقہ کو اپنا گور خان منتخب کر لیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب پوری بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔"

چنگیز خان نے اپنے محافظ کو بلا کر دونوں چرواہوں کو اس کے حوالے کیا اور حکم دیا:

"دیکھو۔ یہ دونوں ہمارے معزز مہمان ہیں۔ ان کی حفاظت تم ہر حالت میں کرو گے خواہ ہم پر کچھ بھی گزر جائے۔ میں تمہیں ان کا ذمے دار قرار دیتا ہوں کہ تم ہر حال میں مجھے ان کو زندہ واپس کرو گے۔"

چنگیز خان نے چرواہوں کے بارے میں اتنی زیادہ تاکید اس وجہ سے کی کہ باہر کے لوگ جب دو لشکروں کو قریب قریب دیکھتے اور ان میں جنگ کا امکان ہوتا تو یہ مفاد پرست دونوں لشکروں کو جھوٹی خبریں دے کر مراعات حاصل کر لیتے تھے۔

رات سر پر کھڑی تھی اور چنگیز خان کو بہت کام کرنا تھا۔

سب سے پہلے تو اسے یہ کرنا تھا کہ آیا شب خون کا مقابلہ کیا جائے یا دشمن کا وار خالی دیا جائے؟

جہاں تک اس کی حکمت عملی کا تعلق تھا تو وہ قطعی فیل ہو گئی تھی۔ اس نے طغرل خان سے اس لیے دوستی اور معاہدہ کیا تھا کہ اس کا غربی پہلو محفوظ رہے گا اور وہ اطمینان سے اپنے شرقی پہلو کے باقیماندہ دشمنوں کا صفایا کرے گا۔ پھر اگر ضروری ہوا تو قبیلہ قرایت سے بھی دو دو ہاتھ کر لیے جائیں گے۔

چنگیز خان کی اس حکمتِ عملی اور منصوبہ پر پانی پھر گیا تھا۔ پتہ نہیں دشمن کو اس کا پتہ چل گیا تھا یا پھر وہ اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اس قدر خائف ہو گیا تھا کہ اسے ایک مستقل خطرہ سمجھ کر اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ بہرحال اب یہ طے تھا کہ رات کو قرایت والے ضرور شب خون ماریں گے۔ دونوں چرواہوں کے اس بیان کی تصدیق ایک جاسوس نے آ کر کر دی تھی۔

جاسوس ہانپتا کانپتا خاقان کے خیمہ میں داخل ہوا۔

"خاقانِ اعظم!"

اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں عرض کیا:

"قرایت کا لشکر ہمارے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ لشکر میں آپ کے چچا بھی موجود ہیں اور وہ آپ کو آپ کے خیمے میں۔۔۔۔"

وہ آگے اور کچھ نہ کہہ سکا اور سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔

چنگیز خان چونکہ شکار کھیلنے آیا تھا اس لیے اس کے پاس اس وقت مختلف روایتوں کے مطابق تین سے چھ ہزار تک سوار موجود تھے اور کچھ خواتین کے خیمے بھی ہمراہ تھے۔

ظاہر ہے کہ دشمن کو اس کے لشکر کی تعداد کا اندازہ ضرور ہوگا اور وہ پوری تیاری سے حملہ آور ہونے کی فکر میں ہوگا اس لیے چنگیز خان نے شب خون کے مقابلہ کے بجائے دشمن کا وار خالی دینے کو بہتر سمجھا اور اس سلسلے میں انتظامات شروع کرا دیے۔

اس نے سوتے جاگتے تمام سرداروں کو اپنے خیمہ میں طلب کیا اور حکم دیا:

"اے مغل برادری کے پاسبانو! میرے منہ بولے باپ نے مجھے دھوکہ دیا اور اپنے کیے ہوئے معاہدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ وہ بڑی تیاری کے ساتھ آج رات ہم پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ وقت اگرچہ کم ہے مگر جتنا بھی ہے غنیمت ہے۔ ہمارے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم شکار پر آئے تھے جنگ کا کوئی خیال نہ تھا اور نہ ہم نے اس کا کوئی انتظام کیا تھا۔"

چنگیز خان نے سانس لے کر جلدی جلدی کہنا شروع کیا:

"لشکر کے ساتھ موجود تمام مویشیوں کو ان کے گلہ بانوں اور چرواہوں کے ساتھ شمال کی طرف فوراً بھگا دیا جائے۔ چھوٹے خیمے اکھاڑ کر ان پر سامان بار کیا جائے اور بغیر انتظار کے اپنی پرانی خیمہ بستی کی طرف بھیج دیا جائے۔ تمام بڑے خیمے اور میرے خیمے اسی طرح ایستادہ رہیں گے اور خیموں کے باہر حسب معمول الاؤ میں آگ جلتی رہے گی۔ ہر خیمے میں دو دو تیز رفتار سوار موجود رہیں گے اور وہ اس وقت تک خیموں کے اندر باہر آتے جاتے رہیں گے جب تک دشمن نہ پہنچ جائے۔

وہ یہ ظاہر کریں گے کہ خیمے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر جب شب خون مارنے والے نمودار ہوں تو وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چپکے سے روانہ ہو جائیں۔

خواتین کو چھوٹے مگر تیز رفتار چھکڑوں پر سوار کر کے فوراً خیمہ بستی روانہ کر دیا جائے۔ بس اور مجھے کچھ نہیں کہنا۔ تم سب جاؤ اور اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

حکم کی دیر تھی کہ کام بڑی تیزی مگر خاموشی سے شروع ہو گیا۔ جانوروں کے ریوڑ، ان کے نگہبان اور خواتین کو سب سے پہلے روانہ کیا گیا۔ اس کے بعد چنگیز خان اپنے سواروں کو صف بستہ کر کے روانہ ہوا۔ اسے یقین تھا کہ دشمن شب خون میں ناکام ہو کر ضرور اس کا تعاقب کرے گا۔ اسی لیے وہ اپنے مضبوط دستوں کے ساتھ سب سے پیچھے چل رہا تھا تاکہ حملہ کے وقت پوری مدافعت کی جائے۔

چنگیز خان نے بڑی پھرتی سے کام کیا تھا اور کافی تیزی سے اس نئی اور خطرناک خیمہ گاہ سے اپنی پرانی خیمہ بستی

کی طرف بڑھ رہا تھا مگر اس کی تیزی میں سست رفتار چھکڑوں کی وجہ سے بار بار کمی آ جاتی تھی جن پر سامان رکھا تھا اور خواتین سوار تھیں۔ پھر بھی وہ صبح ہونے تک خطرے کی جگہ سے تقریباً آٹھ نو میل دور پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک ندی کو عبور کیا اور سامنے کے درے میں گھوڑوں کو ٹھہرا کر انہیں دم لینے کا موقع فراہم کیا تاکہ ان کی تھکن دور ہو جائے اور وہ متوقع جنگ کے لیے پوری طرح تازہ دم ہو جائیں۔

دوسری طرف قرایت قبیلہ اور اس کے حلیف قبائل کے مضبوط دستوں نے چنگیز خان کی عارضی خیمہ گاہ پر زبردست شب خون مارا۔

خاقان چنگیز خان کا سب سے اونچا سفید سمور کا خیمہ ان کے سامنے تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے اسی کو نشانہ بنایا اور اس پر اس قدر تیر برسائے کہ وہ چھلنی ہو گیا ــــ مگر کوئی چیخ بلند نہ ہوئی اور نہ کوئی جان بچانے کو اس سے باہر نکلا۔

حملہ آور سرداروں کو بے حد تعجب ہوا۔ وہ گھوڑوں کی کنوتیاں ملا کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا چنگیز خان کے خیمے کے تمام آدمی مارے گئے؟" ایک نے دوسرے سے سوال کیا۔

دوسرے نے قہقہہ لگایا:

"سب مارے گئے۔ کوئی بچا ہوتا تو باہر ضرور نکلتا۔"

"نیلے آسمان کی روحوں کی دعا سے ایسا ہی ہوا ہوگا۔" پہلے نے اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے کہا مگر اس کی تسلی نہ ہو سکی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔

ایک منچلے نے گھوڑا بڑھایا:

"میں جا کے دیکھتا ہوں۔ اندر کون مرا اور کون زندہ ہے؟"

"ہوش میں آ۔"

دوسرے سوار نے اس کی لگام پکڑ لی:

"بہادری یہ نہیں کہ موت کے منہ میں سر دے دیا جائے۔ وہ چنگیز خان کا خیمہ ہے۔ وہی چنگیز جس نے سفید برف پر بے پہیوں کی گاڑیاں کھینچنے والوں کو بھی اپنا مطیع بنا لیا ہے۔"[1]

1۔ سلیج

حملہ آوروں پر خوف طاری ہو گیا۔ ایک نے مشورہ دیا:
"ہمیں خیموں سے دور دور رہ کے ان کے گرد چکر لگا کر دیکھنا چاہیے۔"
اس رائے کو سب نے پسند کیا اور حملہ آور دور دور تک پھیلے ہوئے خیموں کے گرد گھوڑے بھگا کر اصلیت کی تلاش کرنے لگے۔

مگر ــــ انہیں ہر طرف خاموشی ہی محسوس ہوئی۔ اگرچہ جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن تھے، کئی خیموں میں قیمتی قالینوں کا فرش بچھا تھا۔ انہیں دودھ کی تھیلیاں، خالی برتن اور زین و رکاب بھی نظر آئیں لیکن ہر طرف قبرستان جیسا سناٹا تھا۔

آخر چند سوار، جن پر خوف بھی سوار تھا، سہمے سہمے، ڈرے ڈرے خواتین کے خیموں کے قریب پہنچے۔ پھر خیموں کے دروازے تک آ گئے۔ آخر جی کڑا کر کے ایک خیمے کا پردہ ہٹا دیا۔
خیمہ اندر سے خالی تھا۔
ہر خیمہ اندر سے خالی تھا۔
ایک بھی مویشی موجود نہ تھا۔
کوئی چرواہا بھی نہ تھا۔
بڑے خیمے اور بڑے چھکڑے موجود،
مگر چھوٹے چھکڑے ناپید تھے۔
پھر ایک طرف سے نعرہ بلند ہوا۔
"منگول بھاگ گئے۔"
"خاقان چنگیز خان جان بچا کر نکل گیا۔"
"بزدل چنگیز، ڈر کے بھاگ گیا۔"

پھر ایک قہقہہ بلند ہوا۔ پھر دو۔ دس۔ بیس۔ سو اور ہزاروں قہقہے بلند ہوئے اور رات کی پرسکون فضا کا تانا بانا بکھر گیا۔

یہ ان وحشیوں کی فتح کا اظہار تھا۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی لکڑیاں تھیں جن کے سروں پر شعلے رقص کر رہے تھے۔ ایک سوار نے جلتی ہوئی لکڑی ایک خیمہ پر دے ماری۔ خیمے میں آگ بھڑک اٹھی اور دور دور تک روشنی پھیل گئی۔

اس وقت اونگ خان (طغرل) گھوڑا بڑھا کر وہاں پہنچا۔

"یہ کیا کر رہے ہو کم بختو۔" اس نے قہقہے لگانے اور آگ بھڑکانے والوں کو ڈانٹا۔
کسی میں بھی بوڑھے اونگ خان کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی وقت جاموقہ جسے گور خان منتخب کر لیا گیا تھا، گھوڑا بڑھا کر اس کے پاس پہنچا۔
"انہیں کیوں ڈانٹ رہے ہو بزرگ خان؟" اس نے خوشی منانے والوں کی حمایت کی۔
طغرل خان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔
"جاموقہ! میں انہیں ان کی حماقت پر تنبیہ کر رہا ہوں۔"
اس نے چیخ کر کہا:
"کیا یہ قہقہے لگانے کا وقت ہے؟"
"بزرگ اونگ خان!"
گور خان نے بھی سخت لہجہ میں جواب دیا:
"یہ قہقہے لگانے کا نہیں تو کیا رونے کا موقع ہے۔ ہم نے چنگیز خان کو میدان سے بھگا دیا ہے۔"
"گور خان!"
اونگ خان نے زہر خند کیا:
"میرے خیال میں رونے کا یہی تو وقت ہے۔ چنگیز خان بھاگا نہیں بلکہ ہمیں جُل دے گیا ہے۔ تم کہتے ہو کہ تم نے اسے میدان سے بھگا دیا ہے۔ وہ بھاگا نہیں۔ یہیں کہیں تمہارے قریب ہی گھات لگائے تمہاری حماقتوں کو دیکھ رہا ہے۔ اسے تلاش کرو۔ زخمی شیر اور بھی خطرناک ہوتا ہے۔"
بوڑھے اونگ خان نے بڑی تجربے کی بات کہی تھی۔ گور خان کی عقل ٹھکانے آ گئی۔
"خبردار!"
اس نے ہاتھ اٹھا کر حکم دیا:
"کوئی خیمہ نہ جلایا جائے اور نہ سامان لوٹا جائے۔ گھوڑوں کے نقشِ پا دیکھو۔ ہمیں چنگیز خان کے تعاقب میں جانا ہے۔"
اور مشرق کی طرف جانے والوں کے نشان اس قدر واضح تھے کہ رات کے اندھیرے میں بھی ان وحشیوں سے نہ چھپ سکے۔
نشان دیکھتے ہی انہوں نے گھوڑوں کا رخ بدلا اور بڑی ترتیب سے صف بندی کر کے نشانات کا تعاقب شروع کر دیا۔

وہ تمام رات اسی طرح کبھی گھوڑے دوڑاتے اور کبھی رکتے رکاتے آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ پھر صبح ہونے پر وہ اس پہاڑی کے سامنے نمودار ہوئے جس کے ایک درے میں خاقان چنگیز خان اپنے تھکے ہوئے گھوڑوں کو تازہ دم کرکے ان کے مقابلہ کو تیار کھڑا تھا۔

خاقان چنگیز خان اس درہ کے دہانہ پر اس وقت سے بالکل اسی طرح کھڑا تھا جب سے وہ اور اس کا مختصر لشکر یہاں پہنچا تھا۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو آرام دیا تھا اور تازہ دم کیا تھا مگر اس طرح کہ وہ سب اپنے اپنے گھوڑے سے اتر پڑے۔

○

○

گھوڑوں کی لگامیں ان کے ہاتھوں میں تھیں اور گھوڑے کھڑے ہی کھڑے آرام کر رہے تھے تھکن اتار رہے اور تازہ دم ہو رہے تھے۔

پھر جب پو پھٹی اور صبح کاذب، صبح صادق میں تبدیل ہوئی تو دور پہاڑیوں کے نشیب و فراز میں دشمن کے ہراول دستے مد و جزر کی طرح ڈھلتے نظر آئے۔

آنے والوں کے سامنے وہ ندی لہرا رہی تھی جسے چنگیز خان نے پار کر لیا تھا لیکن اس نے دشمن کے ہراول کو ندی پار کرنے کا موقع نہ دیا۔

اس نے اپنے لشکر کی ترتیب درست کی اور اسی ترتیب کے ساتھ ندی پار کر کے وہ دشمن کے ہراول دستے کے مقابل ہوا۔

ہراول دستے اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بے ترتیب ہو گئے تھے۔ صفیں بگڑ گئی تھیں اور تیز رفتار گھوڑے سست گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر بہت آگے بڑھ آئے تھے۔

گھوڑے اور سوار دونوں بہت دور سے اور مسلسل بھاگتے آ رہے تھے اس لیے پسینے میں شرابور اور تھکن سے چور ہو رہے تھے۔

چنگیز خان نے اپنے تازہ دم دستوں کے ساتھ ان کا اس طرح استقبال کیا جیسے ایک بھیڑیا دوسرے بھیڑیے پر جھپٹتا ہے۔ گتھ جاتا ہے۔ منہ مارتا ہے۔ پیچھے ہٹتا ہے اور پھر حملہ آور ہوتا ہے۔ یہی داؤ پیچ یہ دونوں لشکر ایک دوسرے پر آزما رہے تھے۔

دشمن کا ہراول دستہ عددی اعتبار سے بھی چنگیز خان کے مختصر لشکر سے زیادہ تھا مگر اس کے گھوڑے تھکن سے چور اور چنگیز خان کے گھوڑے اور سوار تازہ دم تھے۔

چنگیز خان نے اتنے بڑے ہراول دستے کو منتشر کر دیا۔ وہ پہلے ہی بکھرے ہوئے تھے اور اب تو بالکل ہی بے ترتیب ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

اسی وقت قرایت کا اصل لشکر اپنے سردار اونگ طغرل خان کے ساتھ نمودار ہوا۔ پسپا ہوتے ہراول دستے کو سہارا مل گیا اور چنگیز خان نے چند لمحوں میں پھر اپنے چھوٹے سے لشکر کو ترتیب دے لیا۔

واہ! کیا خوب ترتیب تھی اس کے لشکر کی!

پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے زمین اونچی نیچی تھی اور اسی نشیب و فراز سے خاقان چنگیز خان نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

اس نے ہر فراز پر اپنے سوار پھیلا دیے۔ دور دور تک ہر اونچی جگہ پر اس کے سوار دکھائی دے رہے تھے۔ قرایت لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ انہیں صف بندی میں بے حد دشواری پیش آ رہی تھی۔ زمین کے نشیب و فراز نے انہیں تنگ کر رکھا تھا۔

کتنی عجیب بات تھی کہ جو نشیب و فراز قرایت والوں کے لیے پریشانی کا باعث تھے وہی چنگیز خان کے تھوڑے سے لشکر کے لیے بہت بڑا سہارا تھے۔

چنگیز خان نے رکابوں پر کھڑے ہو کر دور دور تک پھیلے اپنے لشکر کو دیکھا۔ اس میں اس کے اڑیل ہوئے معاون یعنی قیات بھی تھے اور گرد و اندا کے زہریلے سورما بھی اپنے سر بلند کیے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ارت اور منکوت قبیلوں کے بھاری مسلح سوار بھی پرے جمائے کھڑے تھے۔

لیکن ــــ

اس کے لشکر کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ سامنے سے دشمن پر حملہ کرنے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ وہ مجبور تھا کہ زمین کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے جس قدر فائدہ اٹھا سکتا، اٹھا لے۔ یہی اس کا آخری سہارا تھا۔

لشکروں کی ترتیب و تنظیم درست ہوئی۔

پھر وہاں موت و زیست کی ہولناک جنگ شروع ہو گئی۔

چنگیز خان اپنی زندگی میں اس سے پہلے ایسی مصیبت میں کبھی گرفتار نہ ہوا تھا۔ وہ تلوار چلا کر اور ہاتھ ہلا کر اپنے ذاتی قبیلوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

وہ گھوڑا بڑھا کر کبھی ارت قبیلہ کے سواروں میں گھس جاتا تو کبھی منکوت قبیلہ میں نظر آتا۔ اسے اپنے

سورماؤں کی ہمت اور طاقت کی ضرورت تھی۔

یہ جنگ کس قدر خوفناک تھی۔ گھوڑوں کی ٹاپیں۔ تلواریں تلوار ٹکرانے کی آوازیں۔ زخمیوں کے حلق سے نکلتی ہوئی آوازیں۔ اور یہ سب آوازیں ایک واحد آواز میں ضم ہو کر ایک بھیانک اور خوفناک شکستہ قہقہے میں بدل گئی تھیں۔ شاید اسی کو موت کے پیروں کی چاپ اور موت کے فرشتے کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دن چڑھا۔

دوپہر ہوئی۔

دوپہر شام میں بدل گئی۔

مگر ــــ قرایت کا عظیم لشکر، چنگیز خان کے مختصر لشکر کو شکست نہ دے سکا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ قرایت سوار چنگیزی صفوں میں داخل ہو گئے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مغل لشکر شکست سے دوچار ہو جائے گا۔

اس اہم موقع پر چنگیز خان جس کی خاقانی داؤ پر لگ گئی تھی، نے اپنے علم بردار گلدار خان کو، جو منکوت قبیلہ کا سردار بھی تھا حکم دیا:

"اے میرے علم بردار اور مشہور قبیلہ منکوت کے سردار! تم قرایت لشکر کا چکر کاٹ کر اس کی پشت پر پہنچو اور بائیں جانب کی پہاڑی پر مغل پرچم لہرا دو۔ پھر اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہو جب تک میں تمہیں طلب نہیں کرتا؟"

"اے خان اے خاقان!"

گلدار خان نے پورے عزم اور حوصلے سے جواب دیا:

"تم نے مجھے اپنا منہ بولا بھائی بنایا ہے۔ تمہارا حکم سر آنکھوں پر کہ یہ حکم نہ صرف ایک برادری کے خان اعظم کا ہے بلکہ اس میں ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے لیے محبت بھی پوشیدہ ہے۔

میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اب سب سے اچھے گھوڑے پر سوار ہوں گا اور اس طرف کا رخ کروں گا جدھر کا تو نے حکم دیا ہے۔ جو سوار، لشکری، فوجی دستے میرے مقابلہ میں آئیں گے میں ان کی صفوں کو چیر کر گزر جاؤں گا اور تیرا یاک کی نو دموں والا پرچم اس پہاڑی پر لہرا دوں گا جس کا تو نے حکم دیا ہے۔

یہ بھی یقین رکھ کہ میں اپنی پوری بہادری اور سرفروشی سے کام لے کر یہ کام کروں گا اور اگر اسی میں مارا گیا تو میرے بال بچوں کو پال کر جوان کرنا۔ میرے لیے یہ سب برابر ہے کہ میں کب اور کہاں مارا جاتا ہوں؟"

چکر کاٹ کر دشمن کی پشت پر پہنچنا اور اپنا پرچم نصب کر دینا مغلوں کی پسندیدہ جنگی ترکیب تھی۔ اس سے دشمن اس شبہ میں مبتلا ہو جاتا کہ وہ آگے اور پیچھے دونوں طرف سے دشمن کے نرغے میں آ گیا ہے۔ اس گھبراہٹ

میں وہ اکثر مارا جاتا۔

مگر اس وقت تو چنگیز خان کی فوج برابر پٹ رہی تھی اور قرایت ان کی صفوں میں گھستے چلے آ رہے تھے۔ سو چنگیز خان نے اپنے پرچم بردار گلدار خان سے آخری کوشش کے طور پر حکم کے انداز میں درخواست کی تھی کہ وہ دشمن پر "پرچم یورش"[1] کرے۔

چنگیز خان نے تو لمحاتی ترکیب صحیح موقع پر استعمال کی تھی۔ اس کا علم بردار واقعی ایک بہادر قبیلے کا بہادر سردار تھا۔ اس نے نہ صرف اپنے منکوت قبیلے کی شرم رکھ لی بلکہ چنگیز خان کو شکست فاش سے بچا لیا۔

پرچم بردار گلدار خان جدوجہد کر کے بالآخر اس پہاڑی پہ پہنچ گیا جس کی طرف چنگیز نے اشارہ کیا تھا۔ اس پہاڑی کا نام کوہ جیتہ تھا۔

گلدار کوہ جیتہ کی چوٹی پہ پہنچا اور اس نے وہاں چنگیز خان کا یاک کی نو دُموں سے آراستہ پرچم لہرا دیا۔ پھر وہاں ڈٹ گیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرایت کے حملہ آور سوار گھبرا گئے۔ وہ ہاتھ روک کر سوچ میں پڑ گئے۔ یہ وقت تھا کہ ہر سو شام کا اندھیرا تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا اور گھبرائے ہوئے قرایت لشکری میدان سے ہٹ رہے تھے۔ پھر ایک اور حادثہ یہ ہوا کہ اس جنگ میں اونگ طغرل خان کے بیٹے کا چہرہ ایک تیر سے زخمی ہو گیا تھا۔

اونگ خان نے اپنے دستوں کو جہاں وہ کھڑے تھے وہیں رک جانے کا حکم دے دیا۔ پھر اندھیرے نے دونوں لشکروں کو اپنی چادر میں سمیٹ لیا۔

چنگیز خان نے اپنا لشکر ایک جگہ جمع کیا اور اس وقت تک وہاں ٹھہرا رہا جب تک علمبردار گلدار خان کوہ جیتہ سے اور اس کے لشکر کے زخمی میدان سے واپس نہ آ گئے۔

زخمی اپنے گھوڑوں پہ سوار ایک ایک کر کے واپس آ رہے تھے۔ بعض زخمیوں کے ساتھ دو دو تین تین گھوڑے بھی تھے جن کی لگامیں انہوں نے اپنی لگام سے باندھ رکھی تھیں۔

یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ قرایت لشکر رات کے اندھیرے میں کیا کرتا رہا اور کیا منصوبے بناتا رہا مگر چنگیز خان نے زخمیوں کے میدان سے واپس آتے ہی مشرق کی طرف روانگی کا حکم دے دیا۔ وہ اس نتیجہ پہ پہنچ چکا تھا کہ اتنے بڑے لشکر سے مزید جنگ، اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔

1۔ چکر لگا کر دشمن کی پشت پر پہنچنے کو مغلوں کی جنگی اصطلاح میں "تولغمہ" یا "پرچم کی یورش" کہا جاتا تھا۔

جب صبح ہوئی تو قرایت سرداروں نے دیکھا کہ سامنے کا درہ خالی ہے۔ پہاڑی پہ چنگیز خان کا نو دُموں والا پرچم بھی نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً دوبارہ تعاقب کا فیصلہ کیا اور روانہ ہو گئے مگر چنگیز ان کی پہنچ سے بہت دور نکل چکا تھا۔ وہ اس تک نہ پہنچ سکے۔

حملہ آور قرایت واپس ہوئے۔ ان کے سردار اونگ خان نے کہا:

"ہم نے ایک ایسے آدمی سے جنگ کی ہے جس سے ہمیں جنگ نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

حملہ آور قرایت جنگ جیت کر بھی خود کو فاتح نہیں کہہ سکتے تھے اور چنگیز خان نے شکست کھانے کے بعد بھی اپنے قبیلے کو بچا لیا تھا۔

وہ خود زندہ رہا۔

اس کے ساتھی زندہ رہے۔

خواتین کے چھکڑے اور مویشیوں کے ریوڑ اس کی پرانی خیمہ بستی میں پہنچ چکے تھے۔

اس خوفناک جنگ کا سب سے اہم واقعہ گلدار خان کا کوہ جیتہ پہ پرچم لہرانا تھا۔ ایک زمانہ تک جب مغل الاؤ کے گرد بیٹھتے اور پرانے قصے دہراتے تو کوئی نہ کوئی گلدار خان کا کوہ جیتہ پہ پرچم لہرانے کا واقعہ ضرور سناتا اور سب اس بات پہ تعجب کرتے کہ اکیلا گلدار خان کس طرح چکر کاٹ کر قرایت لشکر کے عقب میں پہنچا ہوگا اور اس نے کیسے جیتہ کی چوٹی پہ چڑھ کے یاک کا پرچم لہرایا ہوگا۔

حملہ آور قرایت قبائل واپس جا چکے تھے۔ ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ مزید تعاقب کرتے اور چنگیز خان پر فتح پا سکتے۔

بوڑھے اونگ خان نے صاف الفاظ میں ان سے کہہ دیا تھا:

"اس ادھوری فتح کو غنیمت جانو اور واپس چلو۔ ورنہ اپنی عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

○

چنگیز خان نے شکست کھانے کے باوجود اپنا سب کچھ بچا لیا تھا مگر اب پسپائی کا یہ طویل طویل سفر اس کے لیے مشکل بنا ہوا تھا۔ دودھ کی تھیلیاں، دودھ دینے والے جانور، دبایا ہوا گوشت، سب کچھ تو وہ واپس بھیج چکا تھا جان بچنے کے بعد اب جان کو برقرار رکھنے کے لیے انہیں پیٹ بھرنا تھا اور اس کے لیے ایک بار پھر انہیں شکار کے پیچھے بھاگنے کے عمل کو دہرانا پڑا۔

سوار اور گھوڑے دونوں تھکن سے چور اور بھوکے تھے مگر بغیر شکار کے پیٹ نہیں بھرا جا سکتا تھا۔ پس شکار شروع ہوا۔ لشتم پشتم جیسے بھی ہو سکا جانوروں کے لیے گھیرا ڈالا گیا۔ پھر اسے آہستہ آہستہ تنگ کیا گیا اور وہ تیر انداز جو ابھی انسانوں کا شکار کھیل کر تیروں اور کمانوں کو آرام دے رہے تھے انہیں پھر کمانیں نکالنا اور چلے چڑھانا پڑ گئے۔

ان تھکے ماندے شہسواروں کے لیے یہ شکار جسے وہ بڑے شوق اور دلچسپی سے کھیلا کرتے تھے، اس وقت جنگ جیتنے سے کم نہ تھا۔ آخر کار گھیرا تنگ ہوتے ہوتے آخری شکار بھی گرا لیا گیا اور انہیں سکون حاصل ہوا۔

فوراً آگ روشن کی گئی اور آدھے کچے اور آدھے پکے گوشت پر مغل اس طرح جھپٹے جیسے شیر ہرن پر جھپٹتا ہے پھر جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو نیند نے انہیں آ دبوچا اور ایسا کہ پندرہ گھنٹے تک وہ مسلسل سوتے ہی رہے ان کا یہ معمول اس وقت تک جاری رہا جب تک وہ اپنی خیمہ بستی میں نہیں پہنچ گئے۔

چنگیز خان کو اس شکست کا جو صدمہ تھا وہ تو اپنی جگہ مگر اپنی خیمہ گاہ پر پہنچ کے اسے ایک اور جانکاہ صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔

مشہور ہے کہ موت کا پچھاوا اور شکست کا ردعمل دونوں بہت برے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی مر جائے تو اس کے بیوی بچوں پر مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے مگر ایک قبیلہ یا ایک برادری شکست کھا جائے تو اس سے پوری برادری متاثر ہوتی ہے۔

یہی حال قرایت سے شکست کھانے کے بعد چنگیز خان اور اس کے یاکا قبیلے کا ہوا۔ فتح کی خبر اتنی تیزی سے نہیں پھیلتی جتنی تیزی سے شکست کی خبر اڑتی ہے۔

چنگیز خان کے اپنے خیمہ بستی میں پہنچنے سے بہت پہلے اس کی شکست کی خبر صرف اس کی بستی میں نہیں بلکہ دور دور تک پھیل گئی تھی۔

چنگیز خان کی خاقانی پر اس شکست سے ایسا دھبہ لگا تھا کہ تقریباً آدھے حلیف قبائل اس کی خیمہ بستی کو اس کی آمد سے پہلے ہی چھوڑ کر چلے گئے۔

مغل سردار، سپہ سالار یا خاقان کا یہ دستور ہوتا تھا کہ وہ اپنے عہدے پر پہنچتے ہی اپنے حلیف سرداروں کو یہ یقین دلاتا تھا کہ وہ ان کے جان و مال کی حفاظت نہ کر سکا تو وہ اسے چھوڑ کے کسی ایسے سردار یا خاقان کے پاس

چلے جائیں جسے وہ طاقتور اور پناہ دینے کا اہل سمجھتے ہوں۔

پس ــــ چنگیز خان کی شکست کی خبر اڑتے ہی چھوٹے قبیلے پناہ گاہ کی تلاش میں ادھر ادھر چل پڑے۔ انہوں نے چنگیز کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا۔

اگر وہ چنگیز خان کی واپسی تک رک جاتے تو بھی چنگیز خان شکست سے تو انکار نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ وہ انہیں تسلی دیتا کہ وہ بہت جلد طاقت حاصل کر کے دشمن سے بدلہ لے گا۔

یہ سب باتیں تو مستقبل کی تھیں۔ اور آنے والے زمانے میں کیا ہونے والا تھا اس کا تو کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔

پھر ایک شام جوجی خان اور اس کے استاد جبی نویان کو چنگیز خان نے اپنے خیمے میں بلوایا۔ دونوں آئے اور چنگیز کی سفید گھوڑے کی کھال سے بنی مسند کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

"جوجی خان!"

چنگیز خان نے بات شروع کی:

"میں تمہارے استاد کو ایک خطرناک مہم پر بھیج رہا ہوں۔"

جوجی خان کیا جواب دیتا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اس نے سر اٹھا کے ایک بار خاقان کو دیکھا اور پھر سر نیچا کر لیا۔

"جوجی خان!"

چنگیز نے قدرے تلخ لہجے میں اسے مخاطب کیا:

"میں نے تجھ سے بات کی ہے تو جواب کیوں نہیں دیتا؟"

جوجی خان پریشان ہو گیا۔

"خان بابا!"

اس نے گھبرا کر جلدی سے کہا:

"آپ مالک ہیں۔ جسے چاہیں جہاں بھیج دیں۔ جبی نویان میرا استاد ہے مگر وہ ملازم تو آپ کا ہے۔ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں اگر مجھے ساتھ جانا ہے تو حکم دیجیے۔"

چنگیز خان نرم پڑ گیا اور ملائم آواز میں بولا:

"میرا مطلب تھا کہ تو مجھ سے پوچھتا کہ آخر مہم پر تیرے استاد کو کیوں بھیجا جا رہا ہے اور میں تجھے اس کی وجہ بتاتا۔"

"خاقان بابا!"

جوجی خان نے سنبھل کر جواب دیا:

"میں آپ سے سوال کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ جبی نوبان میرا استاد بعد میں اور آپ کا ایک سردار پہلے ہے۔ آپ نے اسے اس کام کے لیے بہتر سمجھا ہوگا تب ہی اسے بھیج رہے ہیں۔"

چنگیز خان بہت کم مسکراتا تھا مگر اس وقت مسکرا پڑا۔

"دیکھا تو نے جبی نوبان!"

اس نے جبی نوبان کو مخاطب کر کے کہا:

"جوجی خان میں ایک بڑا سردار بننے کے کتنے جوہر موجود ہیں۔ کیا اب یہ اس مقام پر نہیں پہنچ گیا کہ اسے ایک الگ علاقہ کا سردار بنا دیا جائے؟"

جبی نوبان کی سمجھ میں چنگیز خان کی بات بالکل نہ آ سکی۔ اس کی باتیں الجھی ہوئی تھیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ چنگیز خان اپنے بیٹوں کے آئے دن کے جھگڑوں سے کچھ بددل ہو گیا تھا۔ اس تازہ شکست نے اسے اور زیادہ دلبرداشتہ کر دیا تھا۔ وہ کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ جوجی خان کو کسی ایسی جگہ بھیج دے جہاں وہ اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں کے شر سے محفوظ رہے۔

مگر یہ خیال ابھی تک صرف اس کے ذہن میں تھا۔ اس نے کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا پھر بھلا جبی نوبان اس کی بات کیسے سمجھ پاتا؟

"خاقان درست فرماتے ہیں۔"

جبی نوبان نے چند لمحے سوچنے کے بعد جرأت مندی سے کہا:

"جوجی خان میں ایک اعلیٰ سردار کی تمام خوبیاں موجود ہیں مگر اس وقت تو ہم ایک تازہ شکست کے مبتلا میں، ہر چند کہ جوجی خان ایک الگ علاقے کا سردار بننے کا اہل ہے لیکن ہمارے پاس علاقہ کہاں ہے، علاقہ تو پہلے ہی سمٹ کر رہ گیا ہے۔

ہمیں سب سے پہلے اپنے انتقام کی آگ بجھانی ہے۔ اس دوغلے اونگ خان سے بدلہ لینا ہے جس نے دوست بن کے ہمیں دھوکہ دیا۔ ہم پر حملہ کیا۔"

"ہم تمہارے خیالات کی قدر کرتے ہیں جبی۔"

چنگیز خان نے اس کی تعریف کی:

"ہم نے اسی لیے اس وقت تمہیں بلایا ہے۔ اونگ خان نے ہمارے دلوں پر جو زخم لگایا ہے اسے ہم کبھی

بھول سکتے ہیں۔ ہم تمہیں اونگ خان کے دربار میں بھیج رہے ہیں۔"

"خاقان مجھے جہاں اور جس کام کے لیے بھیجیں گے اس کے لیے مجھے ہر وقت تیار پائیں گے۔"

جبی نوبان نے بڑے عجز سے اطاعت کا اظہار کیا:

"حکم دیجیے کہ مجھے اس دھوکے باز کے دربار میں جا کر کیا کرنا ہوگا؟"

اونگ خان کے نام پر جوجی خان کے کان بھی کھڑے ہوئے۔ پہلے خاقان نے صرف یہ کہا تھا کہ وہ جبی نوبان کو کسی خاص مہم پر بھیج رہا ہے مگر اب یہ کھلا کہ یہ مہم کیا تھی؟

چنگیز خان بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔ اونگ خان کا نام لیتے ہوئے اس کے چہرے پر نفرت اور حقارت کے ملے جلے تاثرات پیدا ہو گئے۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ شاید اپنے خیالات یکجا کر رہا تھا۔ پھر بولا:

"اے جبی نوبان! تو اونگ خان کے دربار میں جا اور اس سے کہہ کہ اے خان! اے میرے باپ جب دشمن تیرا پیچھا کر رہے تھے تو کیا میں نے چار سرداروں کے ساتھ تیرے ساتھ فوجی دستے روانہ نہیں کیے تھے۔

اس سے کہنا کہ تو ایک اندھے گھوڑے پر سوار میرے پاس آیا تھا۔ تیرے کپڑے پھٹے تھے اور ایک بھیڑ کے گوشت کے سوا تیرے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ کیا اس وقت میں نے تجھے بے شمار بھیڑیں عطا نہیں کی تھیں۔ اور سینکڑوں گھوڑے تیری نذر نہیں کیے تھے؟

گزشتہ دنوں جنگ کے موقع پر جب لوٹ کا سامان لایا گیا تو تیرے آدمیوں نے وہ سارا سامان اپنے پاس رکھ لیا، حالانکہ اس پر میرا حق تھا۔ میں نے تجھ سے اس کا کوئی شکوہ نہ کیا۔ حالانکہ میرے لشکری اس بات سے سخت ناراض تھے۔

پھر یہ تمام سامان تجھ سے تیرے دشمن چھین کر لے گئے۔ تو نے میری مدد چاہی اور میرے بہادروں نے وہ سارا سامان تیرے دشمنوں سے چھین کے پھر تیرے حوالے کر دیا۔

دریائے قاسو کے کنارے ہم دونوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم پھوٹ ڈالنے والوں کی باتوں میں نہیں آئیں گے بلکہ اگر کوئی بات ہوئی تو ہم اسے بات چیت کر کے طے کر لیں گے۔

میں نے تجھ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے اور میرے لشکریوں کو کم حصہ ملا ہے جبکہ ہمیں زیادہ ملنا چاہیے تھا۔ اے خان! کیا تو یہ بھول گیا کہ جب گاڑی کا ایک پہیہ ٹوٹ جاتا ہے تو بیل آگے نہیں بڑھ پاتے۔ کیا میں تیرے لیے (گاڑی) کا ایک پہیہ نہیں؟ تو مجھ سے کیوں ناراض ہے؟ تو مجھ پر کس لیے حملہ آور ہو رہا ہے اور کیا چاہتا ہے؟"

چنگیز خان کے اس پیغام میں جھنجلاہٹ بھی تھی اور ملامت بھی۔ اس نے اونگ خان کو پچھلی باتیں یاد دلائی تھیں اور دبے الفاظ میں یہ بھی کہا تھا کہ اس پر پھر بھی وقت پڑ سکتا ہے۔ جن مغرب والوں نے اس پر پہلے حملہ کیا تھا وہ دوبارہ بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں وہ کس سے مدد مانگنے جائے گا؟ کون اس کے لیے فوجی دستے بھیجے گا اور کون اس کے دشمن سے چھینا ہوا سامان واپس دلائے گا؟

اس کے ساتھ ہی اس نے اونگ خان کو یہ بھی جتلا دیا تھا کہ اسے چنگیز خان کی طاقت کو اپنے مفاد میں برقرار رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ مغرب کے ترکوں سے اکیلا نہیں لڑ سکتا۔ ترک پہلے بھی اس پر حاوی آئے تھے اور اب بھی اس پر حاوی آئیں گے۔

جمی نویان کے اونگ طغرل خان کی طرف روانگی کے وقت جوجی خان نے اپنے استاد کے گھوڑے کی لگام کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"اے میرے استاد، اے میرے باپ!"

اس نے ایک عزم سے کہا:

"میں تجھے دشمنوں کے بیچ اکیلا نہیں جانے دوں گا۔ جب دشمن تجھ پر حملہ کریں گے تو میں تیری پیٹھ سے پیٹھ ملا کر کھڑا ہوں گا اور اگر تو مارا گیا تو میں بھی ان سے لڑ کے کٹ مروں گا۔"

"کیا بچوں کی سی باتیں کرتا ہے جوجی!"

چنگیز خان جو اس وقت موجود تھا، نے اسے ڈانٹا:

"کس کی ہمت ہے کہ وہ جمی نویان پر ہاتھ اٹھائے۔ میں جنگ کا نہیں صلح کا پیغام دے کر جمی نویان کو بوڑھے احمق سردار کے پاس بھیج رہا ہوں۔"

"خاقان بابا!"

جوجی خان نے افسردگی سے کہا:

"استاد اگر آپ کا پیغام آپ ہی کے الفاظ میں طغرل خان کو پہنچائیں گے تو اس کے سردار بھڑک اٹھیں گے اور میرے استاد کو قتل کر دیں گے۔"

اس پر جمی نویان بھڑک اٹھا:

"کیا کہہ رہے ہو جوجی خان؟"

اس نے چیخ کر کہا:

"تمہارا استاد جمی نویان پشت پر ہاتھ باندھ کے اونگ خان کے دربار میں نہیں جائے گا۔ وہ اپنی ہی شان سے جائے گا۔

میرے پیروں میں سمور کے جوتے اور بدن پر سنہری زرہ ہوگی۔ کمر میں تلوار، پشت پر ترکش، کاندھے پر کمان اور چہرے پر اپنے خاقان کا رعب داب ہوگا۔

میں بوڑھے اونگ خان کے دربار میں پہنچتے ہی وہاں "گور خان" کو تاک لوں گا۔ پھر اگر کسی طرف سے مجھ پر حملہ ہوا تو سیدھا جا پڑوں گا اور اس کا خاتمہ کر دوں گا۔

مجھے اپنی قیمت معلوم ہے جوجی خان! پھر بھی اگر میں گور خان کو مارنے کے بعد مارا گیا تو یہ سودا کچھ برا نہ ہوگا۔"

اس دوران چنگیز خان بھی جلال میں آ گیا تھا۔

"اے جمی نویان!"

اس کے خاموش ہوتے ہی وہ کڑک کر بولا:

"اے میرے محبوب سورما! تو جو کچھ وہاں کرے گا وہ تیرا فعل ہوگا مگر میں جوجی خان کو گواہ بنا کے اعلان کرتا ہوں کہ اگر میرا پیغام لے کر جانے والا جمی نویان اونگ خان کے دربار یا اس کی حدود میں مارا گیا تو مجھے قسم ہے نیلے آسمان کی روحوں کی کہ میں ایک جمی کے بدلے ایک ہزار قرایت کا خون بہاؤں گا اور پھر بھی اپنا ہاتھ نہ روکوں گا۔"

پھر جمی نویان اپنی روایتی شان سے قرابت قبائل کے علاقوں کی طرف چل پڑا۔ اس کے سموری جوتے اور روپہلی زرہ دور تک چمکتی دکھائی دیتی رہی۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے اور میں بابر بادشاہ کی بیٹی ، شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔
میرے آباؤاجداد سے روایت ہے کہ مجلسِ مشاورت[1] میں تموجن چنگیز خان کو آقاچن لیا گیا تھا۔
اس قرولتائی میں جھیل بیکال کے مشرقی سبزہ زاروں کے تمام خان اکٹھے ہوئے ۔ اگرچہ قرولتائی تموجن کے خیمہ کے سامنے بڑے الاؤ کے گرد منعقد ہوئی تھی مگر اس میں تمام خانوں کا مفاد تھا۔

یہ سب خان مغول سبزہ زار کے بوڑھے اونگ طغرل خان سے بہت خائف تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ تموجن کی شکست کے بعد طغرل خان کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے ان کا یہ انتخاب خود ان کے حق میں اور ان کے فائدے میں تھا۔

پھر جب تموجن کو سرداری کا عصا پیش کیا گیا تو اس نے اسے بلا عذر قبول کر لیا اور اسے قبول کرتے ہی اس نے اعلان کیا کہ :

"آج سے تمام قبیلوں میں میرے حکم کی تعمیل کی جائے ۔ میں جس کو چاہوں اسے مناسب سزا دے سکوں گا۔
میں شروع سے تم سے کہتا چلا آ رہا ہوں کہ تین دریاؤں کے درمیان کی زمینوں کا ایک آقا (سردار) ہونا چاہیے۔ یہ بات پہلے تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تھی اب جبکہ

۱۔ قرولتائی

تمہیں یہ ڈر پیدا ہوا ہے کہ اونگ خان تم سے بھی وہی سلوک کرے گا جو اس نے مجھ سے کیا ہے تو تم نے مجھے اپنا سردار منتخب کر لیا ہے۔
میں نے تمہیں عورتیں ، خیمے اور مویشیوں کے ریوڑ عطا کیے ہیں ۔ اب میں تمہارے لیے زمینیں حاصل کروں گا اور اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے قاعدوں کی حفاظت کروں گا۔"

جاڑے آتے آتے صحرائے گوبی کا سارا علاقہ دو حریف جماعتوں میں بٹ گیا ۔
۱۔ مشرق میں چنگیز خان کی جماعت
۲۔ مغرب میں پیلے پیٹرجون طغرل اونگ خان کا اردو (لشکر)
چنگیز خان نے جبی نویان کو طغرل خان کے پاس بھیجا تھا مگر اب اسے نہ جواب کی ضرورت تھی اور نہ وہ انتظار کر سکتا تھا۔

پچھلی جنگ میں اونگ خان نے پیش قدمی کی تھی۔ اس مرتبہ چنگیز خان پہلے میدان میں آیا۔ اس نے دیوں میں برف پگھلنے کا بھی انتظار نہ کیا اور اپنے نئے حلیفوں کے ساتھ اونگ خان کی خیمہ گاہ کی جانب چپ چاپ بڑھنے لگا۔
دشمن کے لشکر کے قریب پہنچ کے ایک مغل سوار کو آگے بھیجا گیا کہ وہ دشمنوں کی خیمہ گاہ میں جا کر اونگ خان کی بدسلوکی کی شکایت کرے اور وہاں کا حال احوال لے کر واپس آ جائے۔
سکھایا پڑھایا مغل سوار قرایت لشکر کے قریب پہنچا۔ قرایت سواروں نے اسے فوراً گھیر لیا۔ ان کے سردار نے مغل سوار سے پوچھا:
"تم کون ہو اور ادھر کیا لینے آئے ہو؟"
"نیلے آسمان کی روحوں کی بددعائیں تموجن پر نازل ہوں۔"
مغل سوار نے منہ بسورتے ہوئے کہا:
"میں اس کے محافظ دستہ کا ایک اہم سوار ہوں مگر برا ہو تموجن کا۔ جب سے اس نے طغرل اونگ خان سے شکست کھائی ہے اس کا دماغ ہی گھوم گیا ہے ہر وقت ہم لوگوں کو ڈانٹتا پھٹکارتا رہتا ہے۔ میں اس کی کمان باہر سے اٹھا کر خیمے میں رکھ آیا تھا۔ لیکن مجھ پر برس پڑا:
تو نے کمان کو ہاتھ کیوں لگایا؟
تجھے خیمے میں جانے کی ہمت کیسے ہوئی؟

"میں تیرا آقا ہوں۔ تو میرا غلام ہے۔
غلام کو اپنی حد میں رہنا چاہیے۔ میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جا ورنہ قتل کرا دوں گا۔"
مغل چاہے مشرق کا ہو یا مغرب کا بے حد شکی ہوتا ہے۔ پھر یہ سوار تو ان کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اس کا اعتبار کیسے کرتے۔
مغل سوار نے چنگیز خان کے بارے میں جو فضول باتیں کی تھیں ان سے قرایت سوار مشکوک ہو گئے ان کے سردار نے پوچھا:
"تو نے تموجن کے لشکر کو کہاں چھوڑا تھا؟"
"تموجن کا لشکر تو یہاں سے بہت دور ہے سردار۔" مغل نے رٹی رٹائی بات دہرا دی۔
قرایت سردار کو اور زیادہ شک ہوا۔ اس نے اپنے نائب سے کہا:
"چار سواروں کو ساتھ لے کر آگے جاؤ اور دیکھو کیا معاملہ ہے؟"
نائب سردار چار سواروں کو ساتھ لے کر اس طرف چلا جدھر سے یہ مغل سوار آیا تھا۔ وہ آگے بڑھ گئے مغل سوار کو سردار نے ڈانٹا:
"تو یہاں کیوں کھڑا ہے۔ ان کے ساتھ جا اور بتا کہ تموجن کا لشکر کدھر ہے؟"
مغل جاسوس گھوڑا دوڑا کے آگے جانے والوں کے پاس جا پہنچا۔
نائب سردار نے پوچھا:
"تو کیوں آیا ہے؟"
مغل سوار نے جواب دیا:
"سردار نے مجھے بھیجا ہے کہ میں تمہیں بتاؤں، تموجن کا لشکر کدھر ہے؟"
اس کے ساتھ ہی اس کی نظر سامنے والے ٹیلے کے پیچھے تموجن کے قبیلوں کے لہراتے پرچموں پر پڑی تو وہ گھبرا گیا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ بڑے تیز رفتار سوار ہیں۔ اگر انہوں نے پرچم دیکھ لیے تو اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا کر بچ کر نکل جائیں گے۔ اور قرایت لشکر کو خبردار کر دیں گے۔
پس مغل سوار اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنے گھوڑے کو دیکھنا شروع کر دیا۔
نائب سردار نے پوچھا:
"رک کیوں گئے۔ کیا ہوا گھوڑے کو؟"
جاسوس نے جھک کر گھوڑے کا پیر اٹھایا اور اسی حالت میں بولا:

"گھوڑے کے سم میں پتھر اٹک گیا ہے۔"
"اچھا جلدی نکالو۔"
ان سب کو بھی مجبوراً اترنا پڑا۔
جاسوس نے تو بہانہ کیا تھا۔ وہ ذرا دیر تک گھوڑے کی ٹانگ کو ادھر ادھر سے دیکھتا رہا۔ اسی دوران تموجن کا ہراول دستہ چوٹی پر پہنچ گیا۔ اور اس کا لشکر چاروں طرف پھیلنے لگا۔ جاسوس لپک کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔
اسی وقت تموجن کا لشکر وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے ان قرایت سواروں کو قید کر لیا جو اس لشکر کی کھوج میں آئے تھے۔
تموجن نے اپنے لشکر کے ساتھ قرایت خیمہ گاہ پر زبردست حملہ کیا۔ بڑی شدید جنگ ہوئی۔ تموجن کے تمام قبائل ایک تو انتقامی جنگ لڑ رہے تھے۔ دوسرے وہ یہ جانتے تھے کہ اگر اس بار بھی انہیں شکست ہو گئی تو پورے مشرقی سبزہ زاروں پر مغرب والوں کا قبضہ ہو جائے گا۔
قرایت ایک بار تموجن کو شکست دے چکے تھے۔ ان کے حوصلے بلند تھے مگر اب پہلے والی جنگ نہ تھی۔ گزشتہ جنگ میں تو تموجن جنگ سے پہلے میدان سے نکل گیا تھا۔
جب شام ہوئی تو طغرل اونگ خان کا لشکر شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ طغرل اور اس کا بیٹا دونوں زخمی ہو کر میدان چھوڑ بھاگے تھے۔
تموجن، فاتحانہ قرایت کی خیمہ گاہ میں داخل ہوا۔ اس نے قرایت کی تمام دولت اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دی۔ گھوڑوں کی زینیں جن پر رنگین ریشم اور نرم سرخ کپڑا بچھا ہوا تھا۔ تیلی تیلی صیقل کی ہوئی تلواریں، چاندی کے ساغر اور رکابیاں وغیرہ بھی اپنے آدمیوں کو دیدیں۔
اونگ خان کا خیمہ بڑا شاندار تھا۔ اس کا ریشہ زریں اطلس کا تھا۔ تموجن نے وہ پورا خیمہ ان دو چرواہوں کو دے دیا جنہوں نے اسے پہلی رات کو قرایت کے حملے کی اطلاع دی تھی۔
پھر چنگیز نے قرایت کے قلب کو گھیر لیا اور اعلان کیا کہ:
"اگر تم لوگ ہتھیار ڈال دو تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی۔"
اس نے یہ بھی کہا کہ:
"اب تک تم جس آقا کے لیے لڑتے تھے وہ بھاگ گیا۔ اب تم میرے آدمی بن جاؤ اور میرے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔"

پس قرایت کا باقی تمام لشکر توچن کے پرچم تلے آ گیا۔ اب وہ ان کے ساتھ ان کے شہر قراقرم کی طرف چلا جو صحرا میں واقع تھا۔

کچھ دنوں کے بعد چنگیز خان کا وہ بھائی جاتومر جو طغرل اونگ خان کے پاس چلا گیا تھا، پکڑ کر اس کے سامنے لایا گیا۔

قرایت والوں نے اسے بھی "اونگ خان" کا خطاب دیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ طغرل اونگ خان کے بعد اسے اونگ خان بنایا جائے گا۔

توچن نے گرفتار بھائی سے پوچھا:

"تجھے کس طرح کے سلوک کی امید ہے؟"

جاتومر نے بے جھجک کہا:

"مجھے اسی طرح کے سلوک کی امید ہے جو میں تیرے ساتھ کرتا اگر تو اسی طرح پکڑ کے میرے سامنے لایا جاتا۔ یعنی آہستہ آہستہ عذاب کی موت۔"

مغلوں نے موت کا یہ طریقہ چینیوں سے سیکھا تھا۔ آہستہ آہستہ عذاب اجل کا طریقہ یہ تھا کہ مجرم کا ایک ایک عضو الگ کیا جاتا۔ مثلاً اگر آج ایک انگلی کاٹی ہے تو دوسرے دن دوسری انگلی اور تیسرے دن تیسری۔ اسی طرح روزانہ ایک عضو اس کے جسم سے کاٹ کر الگ کیا جاتا اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دیتا۔

اس سے مغلوں کے حوصلے، جرأت اور بے خوفی کا پتہ چلتا ہے۔ جاتومر بھائی ہونے کے ناطے سے چنگیز خان سے معافی بھی مانگ سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور مردانہ وار موت کا سامنا کرنے کا اعلان کیا۔

مغلوں میں دستور تھا کہ وہ بڑے سرداروں کا خون زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ اس لیے توچن نے حکم دیا کہ:

"جاتومر کو ریشم کے پھندے میں پھانسی دی جائے یا بھاری نمدوں کے درمیان دبا دیا جائے تاکہ دم گھٹ کر مر جائے۔"

طغرل اونگ خان نے چنگیز خان کے خلاف پہلی جنگ جیتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے کہا تھا:

"ہم نے ایک ایسے شخص سے جنگ کی ہے جس سے ہمیں جنگ نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

اب اس جنگ میں اس کے عظیم لشکر نے شکست کھائی تھی اور اس جنگ میں طغرل بڑی بے دلی کے ساتھ شریک ہوا تھا۔

پھر جب چنگیز خان یلغار کرتا ہوا قرایت کے قلبِ لشکر میں پہنچا جہاں بوڑھا طغرل اونگ خان موجود تھا تو یہ بوڑھا اس قدر حیران ہوا کہ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے؟

طغرل اونگ خان نے اپنے طور پر توچن کے لشکر کو اس طرح تباہ و برباد کیا تھا کہ اس کے دوبارہ ترتیب پانے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مگر جب اس کے محافظ سردار نے خیمہ میں داخل ہو کر کہا:

"آقا۔ توچن کے سوار قلبِ لشکر میں گھس آئے ہیں۔"

تو بوڑھا سردار ششدر رہ گیا۔ وہ اپنے محافظ سردار کو اس طرح حیرت سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی بات کا یقین نہ آ رہا ہو۔

"آقا۔ ہوش میں آئیے۔"

محافظ سردار نے انتہائی پریشانی سے کہا:

"ورنہ ہم گرفتار کر لیے جائیں گے۔"

اور اس نے اونگ خان کا ہاتھ پکڑ کر اس طرح کھینچا جیسے کوئی بچے کو کھینچتا ہے۔ بوڑھے خان کا گھوڑا وہ ساتھ لے کر آیا تھا جو خیمے کے باہر کھڑا تھا۔

محافظ سردار نے سہارا دے کر اونگ طغرل خان کو گھوڑے پر سوار کرایا اور گھوڑے کو لات مار کر بھگا دیا۔ طغرل خان اس وقت بھی سحر زدہ سا گھوڑے پر بیٹھا تھا۔

طغرل خان اپنے لشکر کی تباہی تو نہ دیکھ سکا مگر اس نے اپنے بیٹے کو ضرور دیکھا جو بہت تیزی سے اس کے پاس سے گھوڑا دوڑاتا نکل گیا تھا۔

باپ بیٹا اگرچہ آگے پیچھے بھاگ رہے تھے مگر موت ان دونوں کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی تھی۔ پھر دو جنگجو ترکوں نے طغرل خان کا گھوڑا روکا۔

انہوں نے اسے پہچان لیا اور گھوڑے سے کھینچ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ طغرل خان ہمیشہ ترکوں سے برسرِ پیکار رہتا تھا اس لیے ترکوں نے اسے بلا تکلف قتل کر دیا۔

طغرل خان کے بیٹے کا انجام بھی باپ جیسا ہی ہوا۔

روایت ہے کہ چند قرایت سوار ادھر سے گزرے۔ انہوں نے طغرل خان کا سر پہچان لیا اور اسے اپنے

ساتھ لیتے گئے۔

اس سر کو انہوں نے چاندی سے مرصع کیا اور باقی ماندہ قرایت والوں میں اس کی نمائش کی گمردہ اس قبیلے میں دوبارہ جان نہ ڈال سکے۔ اور ہمیشہ کے لیے چنگیز خان کے غلام ہو گئے۔

تو جی چنگیز خان کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تھی۔ قرایت کا پورا علاقہ اس کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ کوئی اور سردار ہوتا تو اس فتح کے بعد عیش و عشرت میں پڑ جاتا اور پُر سکون زندگی بسر کرتا لیکن تموجن نے تو سیماب صفت فطرت پائی تھی۔ قرایت کے صدر مقام قراقرم میں وہ صرف چند روز ٹھہرا اور پھر روانہ ہو گیا!

قرایت کے علاقہ میں زمین زرخیز تھی اور وہاں کاشت ہوتی تھی۔ مکانات مٹی کی دیواروں کے تھے اور ان پر چھتیں گھاس پھوس کی ڈالی جاتی تھیں۔

چنگیز خان نے قراقرم کی بود و باش کو دلچسپی کی نظروں سے دیکھا مگر وہاں ٹھہرنے کے بجائے اس نے اپنے لشکر کو نئی فتوحات میں لگا دیا۔

اس نے دوسرے مغل سرداروں کے بجائے یہ نیا طریقہ اختیار کیا تھا ورنہ وہاں کا تو یہ دستور تھا کہ جنگ لڑی۔ مالِ غنیمت سمیٹا۔ اسے تقسیم کیا۔ پھر بے کاری یا بے زاری۔ مگر چنگیز خان نے ایک "طرز" نو اختیار کیا اور یہ طرزِ نو تھا:

"جنگ اور مسلسل جنگ!"

اس نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور کہا:

"دیکھو، کام کی خوبی یہ ہے کہ اسے اختتام تک پہنچایا جائے۔"

لیکن جنگ تو ایک مسلسل کام ہے۔ اس کا انجام کب ہوتا ہے۔ چنانچہ چنگیز خان نے لشکر سمیت مغرب کی طرف کوچ کیا۔

یہ آزمودہ کار لشکر مغرب کے ترکوں، نائمانوں اور ایغوروں کی وادیوں میں گھس گیا۔ ان علاقوں کا تمدن اعلیٰ درجہ کا تھا۔

یہ تمام علاقے بوڑھے طغرل خان سے ہمیشہ لڑتے رہے تھے۔ خیال یہ تھا کہ یہ تمام لوگ چنگیز خان کے خلاف

متحد ہو کے جنگ کریں گے لیکن چنگیز خان نے انہیں سوچنے اور اکٹھا ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ اس نے ان علاقوں کو اس قدر پامال کیا اور اس طرح تہس نہس کیا کہ تیس سال کے اندر اندر شمال کے برف پوش پہاڑوں سے لے کر جنوب میں دیوارِ چین کی پوری لمبائی تک اور بلیش بالغ اور ختن کے پرانے شہروں کے درمیان اس کے سردار گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔

ایک مؤرخ چنگیز خان کی ابتدائی جنگی حکمتِ عملی کے بارے میں تحریر کرتا ہے کہ:

"جب تموچن چنگیز خان کوئی صوبہ فتح کرتا تو نہ وہاں کے لوگوں کو قتل کرتا اور نہ جائداد کو نقصان پہنچاتا بلکہ مفتوحہ صوبہ میں اپنے کچھ آدمی آباد کر کے آگے بڑھ جاتا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد مفتوحہ علاقے والوں کو یہ اندازہ ہو جاتا کہ تموچن اپنی رعیت کا کس قدر خیال رکھتا ہے اور کس عمدگی سے ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مفتوحہ علاقے کے باشندے اس کے وفادار ہو جاتے اور اس پر جان چھڑکنے لگتے۔

اس طرح جب اس کے گرد اتنا جمِ غفیر اکٹھا ہو گیا کہ وہ اس کے ذریعے پوری دنیا کو فتح کر سکتا تو اس نے دنیا کے بہت بڑے علاقے کو فتح کرنے کا قصد کیا۔"

مؤرخ کا یہ تمام کا تمام اندازہ درست نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ حکمتِ عملی صحرائی صوبوں کی فتوحات کے وقت برتی ہو ورنہ اس کی فتوحات کا سب سے بڑا حربہ ہی دہشت اور خونریزی تھا۔ چنگیز خان کو "قہرِ الٰہی" اور "لرزندۂ عالم" کہا گیا ہے۔ سروں کے مینار تعمیر کرنا بھی اسی سے منسوب ہے۔

یہ مُسلّم ہے کہ چنگیز خان مفتوحہ علاقوں کے ہنرمندوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تھا بلکہ ان کے ہنر سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا تھا۔ اسی لیے اس کے گرد پل بنانے والے، دمدمے اور برج بنانے والے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے، جن کی وہ قدر کرتا تھا۔

مغل دستور کے مطابق جب دو مغل قبیلوں میں جنگ ہوتی تو فاتح قبیلہ، مفتوح قبیلہ کے سردار کے تمام اہلِ خانہ کو قتل کرا دیتا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتا جب تک دشمن قبیلے کے تمام خاندان والوں کو قتل نہ کر دیا جاتا۔

مگر ان مفتوح اہلِ خاندان کے علاوہ قبیلے کے جنگجوؤں کو قتل نہ کیا جاتا بلکہ انہیں لشکر میں شامل کر لیا جاتا۔ مفتوح خاندان کی جوان اور خوبصورت عورتوں کو لشکر کے جنگجوؤں میں تقسیم کر دیا جاتا جو انہیں اپنی

بیویاں بنا لیتے۔ مقتولین کے بچوں کو مغل عورتیں پال لیتی تھیں۔ مغلوب علاقوں کی زمین لشکریوں میں تقسیم کر دی جاتی اور مویشی فاتح کی ملکیت بن جاتے تھے۔

تموچن چنگیز خان نے صحرائے گوبی، وسط ایشیا اور چین میں تو کچھ نہ کچھ رحمدلی کا مظاہرہ کیا لیکن جب وہ خوارزم اور دوسرے مسلمان ملکوں اور آبادیوں میں داخل ہوا تو اس کا سلوک یکسر ایک "سفاک" کا ہو گیا اور وہ رحم کو بالکل بھول گیا۔

اب چنگیز خان کا لشکر دنیا کے ان نئے علاقوں میں داخل ہو رہا تھا جہاں سے بڑے بڑے پرانے قافلوں کے راستے گزرتے تھے۔

ان علاقوں میں بعض لوگ ایسے بھی قید کر کے پیش کیے گئے جو دیکھنے میں تندرست، خوش پوش اور خوبصورت تھے مگر ان کے متعلق یہ بتایا گیا کہ:

"یہ لوگ سپاہی ہیں اور نہ فنِ سپہ گری سے واقف ہیں۔"

"پھر یہ کون لوگ ہیں؟" تموچن نے حیران ہو کے پوچھا۔

"اے مغلِ اعظم!"

وسط ایشیا کے ایک شخص نے جواب دیا:

"یہ لوگ عالم و فاضل ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں تلوار کے بجائے ہمیشہ کاغذ و قلم رہتا ہے۔ یہ زمین و آسمان کی بناوٹ کے بارے میں جانتے ہیں۔ چاند ستاروں کے راز سے واقف ہیں۔"

تموچن کی سمجھ میں اس وقت تو کچھ نہ آیا مگر آئندہ چل کر اس نے ان کے علم سے فائدہ اٹھایا۔

اس کے سامنے ایک ایغوری کو پیش کیا گیا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک گول سی چیز تھی جسے وہ بڑی حفاظت سے اپنی انگلیوں اور ہتھیلی کے درمیان دبائے ہوئے تھا۔

تموچن نے اس سے پوچھا:

"تو اس طرح اس زیور کی حفاظت کیوں کرتا ہے؟"

ایغور نے جواب دیا:

"میں چاہتا ہوں کہ جب تک وہ شخص زندہ ہے جس نے میرے سپرد یہ کام کیا ہے، اس وقت تک میں

اس کی حفاظت کرتا رہوں"۔

چنگیز خان نے پوچھا:

"وہ کون ہے جس نے یہ زیور تیرے سپرد کیا ہے"۔

ایغور نے ایک آہ بھر کر کہا:

"وہ شخص اس ملک کا بادشاہ ہے جسے شکست ہوئی ہے اور میں اس کا وزیر ہوں"۔

"تو واقعی بڑا وفادار ہے"۔

تموچن نے اسے دیکھ کر کہا:

"مگر تیرا آقا تو مر چکا ہے اور اس کی ساری زمین اور پوری ملکیت اب میرے قبضہ میں ہے۔ مجھے بتا کہ یہ زیور کس چیز کا نشان ہے اور اس سے کیا کام لیا جاتا ہے؟"

وزیر نے انکشاف کیا:

"میرا آقا جب چاندی یا غلہ اکٹھا کرتا تو یہ کام اپنی رعایا میں سے کسی کے سپرد کر دیتا۔ اس مہر سے اس کے احکامات پر نشان لگایا جاتا۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ درحقیقت یہ شاہی فرمان ہے"۔

تموچن نے اسی وقت حکم دیا:

"میرے لیے بھی ایسی ایک مہر بنوائی جائے"۔

چنانچہ مہر تیار ہوئی تو اس نے وہ مہر ایغور کو دکھائی۔ ایغور نے مہر دیکھ کے اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور بنانے والے کی تعریف کی۔

تموچن نے ایغوری وزیر کو معاف کر دیا اور اسے حکم دیا کہ:

"تم میرے بیٹوں کو ایغوری زبان سکھاؤ"۔

ایغوری' ایک طرح کی شاہی زبان تھی اور یہ زبان وہاں تک ان نسطوری راہبوں تک پہنچی تھی جو زمانہ قدیم میں ان علاقوں میں عیسائیت پھیلانے جایا کرتے تھے۔

تموچن نے سب سے بڑا انعام ان بہادروں کو دیا جنھوں نے جان پر کھیل کر اس کی مدد کی تھی۔ انہیں اعلیٰ مراتب سے نوازا گیا۔

لوٹ کے مال میں جب حصے لگائے جاتے تو ان بہادروں کو اپنی پسند کا حصہ لینے کی اجازت تھی۔ انہیں ہر طرح کا خراج معاف تھا۔ شاہی خیمے میں وہ ہر وقت جا آ سکتے تھے۔

ان کا سب سے بڑا انعام یہ تھا کہ ان کی کوئی خطا، خطا نہ تھی۔ انہیں نو خون معاف تھے۔ جو زمینیں وہ

پسند کرتے انہیں بخش دی جاتیں۔ یہ تمام حقوق ان کی نو پشتوں تک کے لیے دیے گئے تھے۔

چنگیز خان کے یہ جنگجو خانہ بدوش تین سال تک نئے علاقوں میں تگ و تاز کرتے رہے تھے۔ اس نے ان کے حوصلے بہت بلند کر دیے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ انہیں آگے ہی آگے بڑھنے کا حکم دیا جائے۔ اور کبھی کبھی تو وہ پُرجوش ہو کر بے قابو ہو جاتے مگر مغلِ اعظم کا خوف انہیں قابو میں لے آتا۔

چنگیز خان کے گرد بڑے بڑے جنگجو اور منچلے بہادر جمع ہو گئے تھے۔ ان سب نے اس کے زیرِ کمان تین سالوں میں جو کارنامے نمایاں انجام دیے تھے ان کا شہرہ سمندر اور طیان شان کے درمیان رہنے والوں تک پہنچ چکا تھا۔

شیطان پرست شامان، بدھ مت، نسطوری عیسائی اور مسلمان سب کے سب دم بخود تھے اور شمال مشرق سے اٹھنے والے طوفان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

اب تموچن نے ایک اور قدم اٹھایا۔

یہ ایک ایسا قدم تھا جو مغلوں کی تاریخ اور روایات میں آج تک کسی اور نے نہ اٹھایا تھا۔ اس کی روایتی سلطنت کی حدود صحرائے گوبی کے مشرق سے مغرب تک پھیل چکی تھیں۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام مفتوحہ علاقوں میں تیز رفتار سوار دوڑائے۔

ان سواروں کو حکم دیا گیا کہ وہ علاقوں کے چھوٹے بڑے تمام سرداروں، قبیلہ کے آقاؤں اور ذی اثر لوگوں تک یہ پیغام پہنچائیں کہ:

"خان تموچن کے بڑے خیمے کے آگے بہت بڑا الاؤ جلایا جا رہا ہے۔ اس الاؤ کے گرد سب کو جمع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے"۔

اس اجتماع کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ الاؤ کے گرد بیٹھنے والے تمام سردار ایشیائے بلند کی تمام قوموں پر حکومت کرنے کے لیے ایک فردِ واحد یعنی شہنشاہ کا انتخاب کریں گے یعنی تمام سرداروں کی طاقت اس فردِ واحد شہنشاہ کے سپرد ہو جاتی اور اس کا حکم نیلے آسمان کی روحوں کے حکم کے برابر ہو گا۔

یہ بھی ایک طرح کی قرولتائی تھی مگر یہ قرولتائی ان علاقوں میں منعقد ہونے والی تمام قرولتائیوں سے نرالا اور اہم تھی کیونکہ اس سے پہلے تمام قوموں، مغلوں اور اخوان کا صرف ایک آقا، بادشاہ یا شہنشاہ نہ ہوا تھا جس کے لیے یہ قرولتائی بلوائی گئی تھی۔

قرولتائی کے انعقاد کے لیے دو ماہ بعد کا ایک دن مقرر کیا گیا تھا تاکہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب مغلوں کی تمام قومیں اور قبیلوں کے سردار قراقرم میں جمع ہو سکیں۔

قرولتائی کا اعلان ہوتے ہی چاروں طرف سے مغل سردار، قبیلوں کے آقا اور خان قراقرم پہنچنا شروع ہوگئے۔ قرایت قبیلے کی زمینوں پر قبضہ کے بعد تموجن کے ماتحت یا ساتھ دینے والے حلیف سردار سب خوشحال ہوگئے تھے۔ انہیں اپنے اور اپنے مویشیوں کے کھانے اور چارے کے لیے ادھر ادھر مارا مارا پھرنا پڑتا تھا۔ ہر طرف امن و امان تھا اور خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہوچکا تھا۔

یہ الاؤ جو تموجن کے اس بڑے خیمے کے سامنے جس کے اندر بیک وقت دو ہزار آدمیوں کی گنجائش کا انتظام تھا، جلایا گیا تھا، ایک عجوبہ تھا۔ جس طرح نارِ نمرود اور آتش کدۂ ایران مشہور ہیں، اسی طرح یہ الاؤ بھی مشہور ہوا۔

جب اس عظیم الشان الاؤ کے گرد تمام خان، منگول، مغل، سردار، آقا وغیرہ جمع ہوگئے تو ان کو ایک بار پھر یہ وضاحت کی گئی کہ تمام حاضرین کو اپنے میں سے ایک آدمی کا انتخاب کرنا ہے جس کی حکومت تمام لوگوں پر مسلّم اور جس کا حکم نیلے آسمان پر رہنے والی روحوں کے حکم کے برابر ہوگا۔
گزشتہ تین سال میں تموجن نے جو شہرت اور عظمت حاصل کی تھی اس کا تقاضہ تھا کہ اسی کو بڑا خانِ اعلیٰ، بادشاہ یا خانِ اعظم تسلیم کیا جائے۔
کسی طرف سے تموجن کا نام پیش کیا گیا۔
یہ سب کے دل کی آواز تھی۔ بس ایک ساتھ کئی سو سردار تائید کے لیے کھڑے ہوگئے اور تموجن کا انتخاب متفقہ طور پر ہوا۔ کوئی دوسرا نام پیش ہی نہیں کیا گیا۔
اسی قرولتائی میں یہ بات بھی طے ہوئی کہ ان کے سردار یا بادشاہ کو ایک موزوں سا نام بھی دیا جائے جو سب کے لیے قابلِ قبول ہو۔
قرولتائی میں ایک پیشین گو بھی موجود تھا۔ اس نے کھڑے ہوکر کہا:
"اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میرے ذہن میں اپنے اور آپ سب کے آقا اور سردار کے لیے ایک بہت موزوں نام موجود ہے۔"
ایک بزرگ خان کھڑا ہوا اور بولا:
"ہم اجازت دینے والے کون ہوتے ہیں۔ ہم نے تو اپنا آقا منتخب کرلیا ہے۔ اجازت آقا سے مانگی جائے۔"
"میرے ساتھیو اور بچو۔"
ایک دوسرا خان کھڑا ہوا جو پہلے خان سے بھی زیادہ ضعیف تھا:
"تم نے اپنا آقا چن لیا ہے مگر آقا نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ انہیں یہ انتخاب پسند ہے یا نہیں؟"
"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔"
ایک اور سردار نے کہا:
"پھر اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"
"ہمیں پہلے سفید نمدے کی مسند بچھانی چاہیے۔"
اسی بزرگ نے جواب دیا:
"پھر آقا سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمارے انتخاب کے مطابق اپنی مسند پہ آکر تشریف رکھیں۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" کسی اور سردار نے کہا۔
"اے ہمارے آقا۔ ہمارے سردارِ اعلیٰ۔ خانِ اعظم۔ ہماری دنیا کے مالک!"
سب سے بوڑھے منگول نے کھڑے ہوکر تموجن سے درخواست کی:
"ہم آپ سے التماس کرتے ہیں کہ آپ اپنی مسند سنبھالیے۔"
تموجن نے اب تک اگرچہ کسی بادشاہ اور اس کے جلال کو نہ دیکھا تھا مگر جب وہ پُرغرور قدم اٹھاتا ہوا مسند کی طرف چلا تو حاضرین کو یوں محسوس ہوا جیسے تموجن واقعی ان میں سب سے افضل، شاندار اور جاہ و جلال کا مالک ہے۔
تموجن نے مسند پر بیٹھ کے پیشین گوئی کرنے والے سے پوچھا:
"تم نے اپنے آقا کا کیا نام تجویز کیا؟"
"اے میرے آقا اور ہماری تمام دنیا کے آقا!"
پیشین گو نے کھڑے ہوکر عرض کیا:
"مجھے ان دیکھی طاقتوں اور نیلے آسمان کی روحوں نے آپ کا نیا نام 'چنگیز خان' بتایا ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چنگیز خان سرداروں کا سردار اور سارے عالم کا شہنشاہ ہوگا۔"
قرولتائی میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہر خان نے یہ نام پسند کیا۔ بوڑھے خان نے ایک بار پھر کھڑے ہوکر تموجن سے درخواست کی:

"اگر ہمارے آقا اپنا نیا نام "چنگیز خان" پسند فرمائیں تو ہم سب کو بہت خوشی ہوگی اس لیے کہ یہ نام ہمیں بہت پسند آیا ہے۔"

"ہم نے یہ نام قبول کیا۔"

تموچن نے اعلان کیا:

"آج سے ہمارے پرانے تمام نام ختم کیے جاتے ہیں۔ اب ہمیں صرف چنگیز خان کے نام سے پکارا جائے۔"

یہ قرولتائی تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز یعنی ۱۲۰۶ء میں منعقد ہوئی۔

ترک اور مغل قومیں صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھیں اور صدیوں بعد یہ موقع آیا تھا کہ یہ تمام اقوام ایک جھنڈے اور ایک سردار کے ماتحت متحد ہو سکیں۔

چنگیز خان کے انتخاب کے بعد منگولوں نے جوشِ عقیدت میں یہ سمجھ لیا کہ ان کا آقا اور سردار اعلیٰ چنگیز خان بوگدو[1] بن کے آسمان سے اترا ہے۔

یہ سب ان کا جوشِ عقیدت تھا مگر ان مختلف طبیعتوں اور ذہنوں کے مالک منگولوں کو محض جوشِ عقیدت ہی تو قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ انہیں کسی نہ کسی نظام کے تحت لانا ضروری تھا ورنہ طاقت کا یہ امڈتا ہوا سیلاب نہ جانے کیا رخ اختیار کر جاتا۔

خان تموچن جسے اب صرف چنگیز خان کے نام سے لکھا اور پکارا جائے گا، کے پاس اپنے آباؤ اجداد کا فوجی نظام تو موجود تھا مگر مختلف قبیلوں اور قوموں کو صرف اس فوجی نظام سے تو قابو میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کیلیے قاعدوں اور قانون کی ضرورت تھی۔

چنانچہ اس ذہین منگول یعنی چنگیز خان نے قوانین کا ایک مجموعہ ترتیب دیا جس میں کچھ پرانے قاعدے اور قانون تھے۔ کچھ قبائلی رسم و رواج اور اصول تھے۔ باقی تمام قوانین اس نے خود ترتیب دیے اور اس مجموعۂ قوانین کا نام "یاسا" رکھا۔

یاسا کے مندرجہ ذیل قوانین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ چنگیز خان نے اپنے پہلے قانون میں واضح کیا کہ چوری اور زنا اسے ناپسند ہیں اور ان کی سزا موت ہے۔ اگر کوئی کسی کا گھوڑا چرائے تو اسکی سزا موت ہوگی۔

۱۔ بوگدو اسے کہتے تھے جسے آسمانی دیوتا اپنی تمام طاقتیں دے کر زمین پر اتارتے تھے۔ یوں تہذیب و تمدن سے عاری منگولوں نے چنگیز خان کو بھی ایک دیوتا کا درجہ عطا کر دیا تھا۔

۲۔ چنگیز خان نے دوسرے قانون میں کہا کہ:

"مجھے یہ سوچ کر غصہ آتا ہے کہ بیٹا والدین کی یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی نافرمانی کرے۔ شوہر اپنی بیوی پر اعتبار نہ کرے یا بیوی اپنے شوہر کی فرمانبرداری نہ کرے۔ امیر غریبوں کی مدد نہ کریں یا کمتر لوگ سرداروں کی عزت نہ کریں۔"

چنگیز خان نے ان اخلاقی برائیوں پر اپنے غصے کا اظہار کیا اور اس کے لیے بھی سزا رکھی۔

۳۔ نشہ کرنا مغلوں کی خاص علت تھی۔ اس کے بارے میں چنگیز خان نے کہا:

"جو آدمی نشے میں ہوتا ہے اس کی حالت اس شخص کی سی ہوتی ہے جو سر پر چوٹ کھائے ہوئے ہو۔ وہ عقل و ہنر سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے مہینے میں صرف تین مرتبہ نشہ سے مدہوش ہونے کی اجازت ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ مدہوشی پیدا ہی نہ ہونے دی جائے مگر نشہ سے قطعی پرہیز کون کر سکتا ہے۔"

۴۔ مغلوں میں ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ بجلی کی کڑک اور گرج سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کڑک اور گرج دراصل نیلے آسمان کی روحوں کا غصہ اور قہر ہے جو دنیا والوں پر نازل ہوتا ہے۔ بجلی کی کڑک کے ڈر سے مغل جھیلوں اور دریاؤں میں کود پڑتے اور اکثر غرق ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یاسا میں نہانے کی ممانعت کی گئی تھی اور برق و رعد کے موقع پر پانی کو ہاتھ لگانا بھی منع تھا۔

۵۔ چنگیز خان خود بہت زیادہ مغلوب الغضب تھا مگر اس نے مغلوں کو غیظ و غضب کے اظہار سے منع کر دیا تھا اور ان کو آپس میں جھگڑنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔

۶۔ یاسا کا ایک اور اہم نکتہ یہ تھا کہ "چنگیز خان" نام کا اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا تھا یعنی کسی مغل کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اپنا یا اپنی اولاد کا نام چنگیز خان رکھے پھر یہ کہ مغلوں کو اس بات کی بھی اجازت نہ تھی کہ وہ بلاوجہ عام محفلوں میں چنگیز خان یا اس کی اولاد کے نام لیں۔ اسی طرح اس کا نام اور اس کے بچوں

کے نام صرف سنہرے حروف میں لکھے جا سکتے تھے۔

۷۔ چنگیز خان کی پرورش گوبی کے شکستہ حال مگر چالاک شامانوں میں ہوئی تھی اسلیے اس کا قانون مذہبی معاملات میں نرم تھا۔ دوسرے فرقوں کے پیروکاروں، اماموں پیشواؤں اور مسجد کے مؤذن کو عام الزاموں سے بری سمجھا جاتا تھا۔

چنگیز خان کے خیمہ و خرگاہ کے پیچھے پیچھے رنگ برنگ کے پجاری جوق در جوق چلتے تھے۔ زرد پوش، سرخ پوش، آوارہ گرد، چکر دار ما لاجپتے ہوئے، رنگین لبادے پہنے وہ عیسائیوں کے شیطان سے مشابہ معلوم ہوتے تھے۔

۸۔ یاسا میں جاسوس، غدار غلام، جھوٹی گواہی اور کالے جادو کی سزا موت رکھی گئی تھی۔

چنگیز خان ہر لڑائی سے پہلے نجومیوں سے فال نکلواتا۔ نجومی مسلمان بھی ہوتے اور عیسائی بھی۔ آخری زمانے میں اسے ایک ختائی نجومی پر بڑا اعتماد تھا مگر اس نے ان نجومیوں کی پیش گوئیوں کی وجہ سے کبھی اپنا کوئی منصوبہ ادھورا نہیں چھوڑا۔

۹۔ یاسا کا سب سے پہلا قانون بے حد قابلِ غور ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ:
"حکم دیا جاتا ہے کہ سارے انسان ایک خدا پر یقین کریں جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ جو اکیلا امیری غریبی، زندگی یا موت اپنی مرضی سے عطا کرتا ہے جس کی طاقت اور حکومت ہر شے اور ہر شخص پر کامل اور مکمل ہے۔"
یہ حکم یا قانون نسطوری عیسائیوں کی تعلیمات کی بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ چنگیز خان نہیں چاہتا تھا کہ اپنی رعایا کے درمیان کہیں خطِ امتیاز کھینچے یا فرقہ وارانہ مخالفت کی چنگاریوں کو ہوا دے۔

ماہرینِ نفسیات کا خیال ہے کہ یاسا کے تین مقاصد تھے:

۱۔ چنگیز خان کی اطاعت
۲۔ خانہ بدوش قبائل میں اتحاد و اتفاق
۳۔ غلطیوں کی سخت سزا

یاسا کا تعلق انسانوں سے تھا جانوروں سے نہیں۔ کوئی آدمی اس وقت تک خطاوار نہ سمجھا جاتا تھا جب

خود اقبالِ جرم نہ کرے یا جرم کرتا ہوا پکڑا نہ جائے۔ مغلوں میں انسان کی زبان کو بے حد اہمیت دی جاتی تھی اور اس پر اعتبار کیا جاتا تھا۔

چنگیز خان نے یاسا کے اصولوں پر اس قدر سختی سے عمل کرایا کہ چند ہی ماہ میں ان مغلوں میں بھائی چارہ اور باہمی یگانگت کی صفت پیدا ہو گئی۔

اسے ایسی قوتِ تخیل عطا ہوئی تھی کہ وہ اس بے لگام مجمع کو ایک منظم اور متحد لشکر بنتا دیکھ سکتا تھا۔ اس کے اس لشکر میں عقلمند اور پراسرار تنومند قرایت، جفاکش یاکا (یہ چنگیز خان کا اپنا قبیلہ تھا) خونخوار تاتاری، جری مرکیت، برفانی علاقوں کے خاموش اور انتہائی قوتِ برداشت کے مالک باشندے، شکاری اور ایشیائے بلند کے تمام شہسوار ایک واحد عظیم الشان قبیلہ میں مجتمع ہو رہے تھے جس کا سردار وہ خود تھا۔ چنگیز خان نے اس متحدہ قبیلہ کو مغل (منگول) قوم کا نام دیا تھا۔

یاسا کی صدائے بازگشت تھی:

۱۔ ایکدوسرے کی مدد اور
۲۔ دوسری قوموں کو نیست و نابود کرنا

یہ قبائل جو لڑائی کے بھوکے اور پرانی رقابتوں کے زخم خوردہ تھے، ان لوگوں کو صرف ایک ہی طریقہ سے متحد رکھا جا سکتا تھا اور وہ طریقہ تھا:

"انہیں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری جنگ میں الجھائے رکھنا۔"

ورنہ یہ باہمی خانہ جنگی اور تباہ کاری کا پرانا کھیل شروع کر دیتے۔

چنانچہ قرولتائی ختم ہوتے ہی ایک دن چنگیز خان نے اپنے بورچی گون اور دوسرے سرداروں کو دلون بلداق یعنی اس پہاڑ کے دامن میں جس کا سایہ اس کی پیدائشی زمین پر پڑتا تھا اپنے نو یاکوں کی دموں والے پرچم تلے کھڑے ہو کر کہا:

"یہ لوگ جو مستقبل میں راحت اور مصیبت میں میرا ساتھ دیں گے جن کی وفاداری اور اطاعت آئینے کی طرح صاف و شفاف ہیں، ان سب کو میں "مغل" کا نام دیتا ہوں۔ میری تمنا یہ ہے کہ مغل اس دنیا کے تمام جانداروں سے زیادہ طاقتور ہوں اور سب پہ حکومت کریں۔"

تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم زمانے میں ایک بار پہلے بھی یہ لوگ ہی "الگ نو" بادشاہ کی سرکردگی میں متحد ہوئے تھے اور انہوں نے چین میں داخل ہو کر وہاں قتل عام کیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی روک تھام کے لیے چین کی دیوار عظیم تعمیر کی گئی۔

اور اب — دشت پر حکومت کرنے والا یہ مغل یعنی چنگیز خان یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ دیوار چین کے عقب میں رہنے والا شہنشاہ وزیں اور وہ ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے۔

دوسری طرف چین کا حکمران خاندان "کن" اس کوشش میں تھا کہ خانہ بدوشوں کو شمال میں دھکیل دے مگر اس سے پہلے چنگیز خان نے کاشت شدہ سرزمین کے مال و دولت پر دھاوا بولنے کا ارادہ کر لیا۔

چنگیز خان نے مغل قبیلوں کے بے ترتیب مجمع کو ایک عظیم لشکر کی ترتیب و تنظیم میں پرو دیا تھا۔ اس نے دس دس سواروں کی وحدتیں بنا دی تھیں۔ یہ وحدتیں دس ہزار کے تومانوں کی شکل اختیار کرتی تھیں اور ایک تومان سوار فوج کا ایک دستہ سمجھا جاتا تھا۔

فوجوں کے سردار "ارخان" کہلاتے تھے جو خان چنگیز خان کے سالار کہلاتے تھے۔ ان کی جملہ تعداد گیارہ تھی۔

چنگیز خان کے لشکر میں سوبدائی بہادر بھی شامل تھا جس نے کبھی کسی غلطی کا ارتکاب نہ کیا تھا۔ اس میں کہنہ سال اور تجربہ کار مقولی بہادر بھی تھا اور آتشیں جبی نویان بھی۔

لشکر کے ہتھیار مقرر کردہ افسروں کی نگرانی میں رہتے تھے جہاں ان کی حفاظت اور صفائی کا انتظام ہوتا تھا۔ جب کسی حملہ کے لیے جنگجوؤں کو طلب کیا جاتا تو ان میں یہ ہتھیار یعنی نیزے، دزنی زرہیں اور ڈھالیں تقسیم کیے جاتے تھے۔ سپاہی اور سوار انہیں پہن کر صف آرا ہوتے تھے اور سالار ارخان ان کا معائنہ کرتے تھے۔

عقلمند چنگیز خان یہ خطرہ مول لینے پر تیار نہ تھا کہ کئی لاکھ آدمی آزاد اور پوری طرح مسلح، ایک لاکھ مربع میل کے میدان اور پہاڑی علاقہ میں پھیلے رہیں۔

لشکر کو معروف رکھنے کے لیے یاسا کا حکم تھا کہ،

"موسم سرما میں پہلی سخت برف باری اور بہار میں گھاس کی پتیوں کی پہلی نمود کے درمیان

بڑے پیمانے پر شکار کھیلا جائے اور بارہ سنگھوں، ہرنوں اور گورخروں کا پیچھا کیا جائے۔"

چین کے شہنشاہ زریں کی عملداری میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک اور قرولتائی منعقد کی اور اپنے تمام علاقوں میں اعلان کرا دیا:

"موسم بہار میں قرولتائی کے جشن ہوں گے اور تمام اعلیٰ افسروں سے توقع ہے کہ وہ ضرور شریک ہوں گے۔"

اس اعلان کے ساتھ ایک تنبیہ بھی تھی۔ اعلان کا دوسرا حصہ کچھ یوں تھا:

"جو میرے احکام سننے کے بعد میرے پاس نہ آئے گا اور اپنے ہی رقبہ میں رہے گا اس کی حالت اس پتھر کی سی ہو گی جسے گہرے پانی میں پھینک دیا جائے یا اس تیر کی سی ہو گی جو لمبی لمبی گھاس میں چلایا جائے۔ وہ اسی طرح لاپتہ ہو جائے گا۔"

اب بھلا کون ایسا تھا جو اس اعلان یا حکم کی نافرمانی کرتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ چنگیز خان نے اپنے اجداد کی روایات سے بہت کچھ سیکھا اور ان سے فائدہ اٹھایا لیکن ایک مستقل عسکری تنظیم اس کی اور صرف اس کی خداداد صلاحیت اور ذہنی اپج کا نتیجہ تھی۔

اس نے اس لشکر کو اپنی قوت اور طاقت سے اکٹھا کیا تھا اور اسے برقرار رکھے ہوئے تھا۔ اس کی بھاری منظم مسلح فوج ہر طرح کی زمین پر تیزی سے حرکت کر سکتی تھی۔

ممکن ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایرانیوں یا پارسیوں نے اتنی کثیر فوج اکٹھا کی ہو مگر وہ تیر اندازی وحشیانہ جرأت اور نیست و نابود کر دینے کے ہنر میں مغلوں کے برابر نہ تھے۔

چنگیز خان کا لشکر ایک ایسا زبردست ہتھیار تھا کہ اگر اسے صحیح طور سے استعمال کیا جائے اور ساتھ ہی قابو میں بھی رکھا جا سکے تو اس سے بہت بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلائی جا سکتی تھی اور چنگیز خان نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس ہتھیار کو دیوار چین کے اس پار ملک ختا (چین) کے زریں شہنشاہ کے خلاف ضرور استعمال کرے گا۔

چنگیز خان اور اس کے قبائل کی نسبت دیوار چین کے اس پار کے حالات ایشیائے بلند کے حالات سے بہت مختلف تھے۔ وہاں کا تمدن ۵ ہزار سال پرانا تھا۔ بعض کتبے اور تحریریں ۳۰ صدی پہلے کی لکھی ہوئی بھی تھیں۔ وہاں کے باشندے اپنی زندگی گیان دھیان میں بھی گزارتے تھے اور میدانِ جنگ کے سرخ شعلوں میں بھی۔

ہزاروں سال پہلے چین کے لوگ بھی خانہ بدوش سوار تھے۔ وہ بھی تیر اندازی میں مشاق اور ماہر

تھے لیکن ۲ ہزار سال پہلے انہوں نے خانہ بدوشی اور ہجرت کے طریقے ترک کر کے مستقل بستیاں بنالی تھیں۔ پھر جب ان کی آبادی میں اضافہ ہوا تو انہوں نے آبادی کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر لیا۔

چنگیز خان کی سرزمین گوبی کے برعکس چین میں رہنے والوں میں غلام بھی تھے اور کسان بھی۔ ان میں عالم و فاضل، سپاہی و فقیر، امراء اور ملوک سب طرح اور سب طبقوں کے لوگ موجود تھے۔ ایک ان کا شہنشاہ ہوتا تھا جسے چینی زبان میں

"تی ان" "تسی"

یعنی فرزندِ آسمان کہا اور مانا جاتا تھا۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے اور میں شہنشاہ بابر کی بیٹی، شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔

روایت ہے کہ ۱۲۱۰ء جو بارہ جانوروں کی جنتری میں بھیڑ کا سال کہا جاتا تھا، میں چین کے تخت پر قن یا کن یا چن (خاندانِ زریں) شہنشاہ متمکن تھا۔ اس کا دارالسلطنت ین کنگ تھا جو موجودہ دارالسلطنت بیجنگ کے قریب تھا۔

چونکہ یہ ملک (چین یا ختا) ہزاروں سال پرانا تھا اس لیے اسے ایک ایسی ضعیف خاتون سے تشبیہ دی جا سکتی تھی جو بڑے سلیقے سے اور شاندار ملبوس میں گیان دھیان میں محو ہو۔ جس کے اطراف میں بہت سے بچے ہوں مگر جن کی پرورش و پرداخت نہ ہو سکتی ہو۔

چینی ٹھیک وقت پر سوتے اور ٹھیک وقت پہ بیدار ہوتے تھے۔ ان کی زندگی میں یکسانیت تھی۔ یہ معمر خاتون (شہنشاہ چین) اپنی سواری پہ خادموں کے جلو میں برآمد ہوتی اور قبرستان میں جا کر دعائیں مانگتی تھی۔

اس ضعیف خاتون یعنی شہنشاہ چین کا لباس رنگ برنگے کچے ریشم کا ہوتا تھا لیکن اس کے غلام سوتی کپڑے پہنے ننگے پیر دوڑتے پھرتے تھے۔ اعلیٰ حکام کے سر پر خدام سایہ کے لیے چھتریاں لگاتے تھے۔ ان کے مکانوں کے چوکھٹوں کے اندر پردے کھڑے ہوتے۔ سر جھکا کے رسوم کی پابندی کی جاتی اور ساری توجہ اس بات پر دی جاتی کہ عادات و اطوار میں شائستگی کیسے پیدا کی جائے۔ یعنی سوائے اخلاقیات کے پرچار کے اور کسی امر پر توجہ نہ دی جاتی تھی۔

صرف ۲۰۰ سال پہلے "قن" بھی شمال کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے۔ ان کا تعلق بھی وحشی قبائل سے تھا لیکن یہاں آنے کے بعد وہ دیوارِ چین کی آبادی کے جمِ غفیر میں گھل مل گئے۔ انہی کے عادات و اطوار طور طریقے اور زبان و لباس اختیار کر لیا اور ان کی رسموں کے پابند ہو گئے۔

یہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے۔ تفریح کے لیے جھیلیں بنی تھیں۔ لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر تفریح کے لیے نکلتے، چاولوں کی شراب پیتے اور عورتوں کے ہاتھ میں بجتی ہوئی چاندی کی گھنٹیوں کا خوش کن نغمہ سنتے۔

ان کی کشتیاں جب کیسر بلڈ کے پگوڈوں کے نیچے سے گزرتیں تو وہ مندروں کے گجر کی دل فریب آوازیں سنتے۔

یہ لوگ عہدِ قدیم کے بانس بکے کاغذ پر لکھے ہوئے اوراق کا مطالعہ کرتے اور تانگ خاندان کی قدیم غیبا فتوں پر بحث کرتے۔

یہ لوگ روایات کے غلام تھے اور ان روایات کی سب سے بڑی تعلیم "شہنشاہِ وقت کی اطاعت" تھی۔ یہ روایت بھی مشہور ہے کہ:

استاد کوانگ دکنفیوشس کے زمانے میں ایک بار شہنشاہ ایک طوائف کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر نکلا۔ اس کے پیچھے کی سواری پر کنفیوشس تھا۔ لوگوں نے آوازہ کسا:

"ہوس آگے آگے ہے اور نیکی پیچھے!"

چین کے شہنشاہ کا یہ زمانہ 'عہدِ عباسیہ کے زوال پذیر زمانہ کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ بالکل اسی قسم کی یکسانیت اور بے حسی ہمیں بغداد کے اس عہد میں نظر آتی ہے۔ اس دور کے علمی مشاغل اور ادب پارے بھی اس بے حسی بلکہ "بے ربط" روش کا شکار نظر آتے تھے۔ چنانچہ قن پاکن عہد کا ایک ادیب لکھتا ہے:

"رات کا سناٹا چھایا تھا۔ اب خاموش دیوار سے چڑیا تمک کے چھپنے کی آواز نہیں آتی۔ رات کی تاریکی میں مُردوں کی روحیں ادھر ادھر آوارہ پھرتی ہیں۔ ڈوبتا ہوا چاند گرتی ہوئی برف پہ سلگتا ہے۔
فصیلوں کے نیچے خندقوں میں خون جم گیا ہے اور مُردوں کی داڑھیوں پر برف جم گئی ہے۔ ہر تیر چلایا جا چکا ہے۔ ہر کمان کی زہ ٹوٹ چکی ہے

جنگی رتھوں کی طاقت سلب ہو چکی ہے۔ اس طرح ہان لی کا شہر دشمن کے قبضہ میں آیا ہے!"

ذرا غور کیجیے کہ کیا یہ ہمارے جدید افسانے یعنی "علامتی افسانے" کا ایک ٹکڑا محسوس نہیں ہوتا؟

دراصل جب عوام، ملک اور ادب پر جمود طاری ہو جاتا ہے تو اسی قسم کے ادب پارے جنم لیتے ہیں اور ایسے ہی بے مطلب اور بے مقصد مناظر دیکھنے پڑتے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ بغداد کے زوال پذیر عباسی دور اور چین کے شہنشاہ کے زوال پذیر عہد، دونوں کے دونوں کم و بیش ایک ہی وقت میں اور ایک ہی طاقت کے ذریعہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ شہنشاہ چین کو چنگیز خان نے ختم کیا اور خلافتِ عباسیہ کا چراغ اس کے پوتے ہلاکو خان نے گل کر دیا۔

صدیوں کی بے حسی نے چینیوں کو قناعت پسند بنا دیا تھا اور اہلِ ختن نے تقدیر پر راضی رہنا رہنا میراث سمجھ لیا تھا۔ ان کے پاس جنگی مشینیں بھی تھیں اور پرانے اور بیکار توپ نما ہتھیار بھی جنہیں بیس بیس گھوڑے کھینچتے تھے۔ منجنیق ایسی کہ جن کی کمانیں دس آدمی کھینچ پاتے۔ بعض تو اس قدر بڑی بڑی تھیں جن کی رسیاں کھینچنے کے لیے دو دو سو آدمیوں کی ضرورت پڑتی۔

چینیوں کے پاس اڑتی ہوئی آگ بھی تھی اور ایسی آگ جو بانس کے اندر بھر کر بارود کی طرح اڑائی جاتی تھی۔

ختا کی لڑائی ایک ہنر تھا اور یہ ہنر اس وقت سے تھا جب سے مسلح دستے اور جنگی رتھ ایشیا کے صحراؤں میں نبرد آزمائی کی مشق کرتے تھے۔

اس دور میں فوج کی خیمہ گاہ میں ایک مندر محض اس لیے ایستادہ کیا جاتا کہ اس میں بیٹھ کے لشکر کا سپہ سالار تن تنہا اپنی جنگی تجویزوں پہ غور و خوض کر سکے۔ چین کے جنگ کے دیوتا کا نام کوانتی تھا جس کے بے شمار ہیرو کار تھے۔ ختا کی اصل طاقت اس کی فوج کی افرادی قوت تھی جس کا شمار کرنا ممکن نہ تھا۔

اب رہ گئی چین کے لشکر کی کمزوری، تو اس کے بارے میں سترہ سو سال پہلے ایک سپہ سالار نے کہا تھا:

"کوئی بادشاہ اگر اپنی فوج پر اس طرح حکومت کرے جس طرح اپنی سلطنت پر حکومت کی جاتی ہے تو وہ اپنی فوج کو تباہ کر دے گا۔ کیونکہ وہ فوج کے اندرونی حالات سے اور ان حالات سے جن کا فوج کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے

بے حد ہوتا ہے۔ اس طرح فوج لنگڑی ہو جاتی ہے اور سپاہیوں میں بے چینی اور
بے یقینی پیدا ہوتی ہے۔
جب فوج میں بے چینی اور بے اعتباری ہو تو افراتفری مچ جاتی ہے
اور فتح ہاتھ سے چھن جاتی ہے"۔

خطا کی اصل کمزوری اس کا شہنشاہ تھا جو خود ین کنگ میں رہتا تھا اور اس کے سپہ سالار فوجوں کی سرداری کرتے۔ برخلاف اس کے دیوارِ چین کے اس پار خانہ بدوشوں کی طاقت کا راز ان کے خان کی جنگی جبلت تھی جو بہ نفسِ نفیس فوج کی کمان کرتا تھا۔

چینی شہنشاہ اپنے عروج کے زمانے میں چین کی دیوار پار کر کے خانہ بدوشوں سے خراج وصول کرتا تھا اور کمزوری کے زمانہ میں انہی خانہ بدوشوں کو چاندی، کپاس، ریشم اور شراب کے پیپوں کے لیے رقم بھیجتا اور اسے تحائف کا نام دیا جاتا تھا۔

اس وقت حملہ آور قبائل کو بیش قیمت تحائف بھی یاد تھے اور چینی افسروں کے وہ ظلم و ستم بھی جو وہ خراج وصول کرتے وقت ان پر ڈھاتے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ خطا کے زریں شہنشاہ کی گرفت گوبی کے ان خانہ بدوشوں پر کمزور ہوتی گئی۔ چین کے کھاتوں میں تو انہیں چین کی رعایا ہی لکھا جاتا تھا مگر وہ آزاد اور خود مختار ہو چکے تھے اور ان پر شہنشاہ چین کا تسلط برائے نام رہ گیا تھا۔

پھر چنگیز خان کا دور آیا تو حالات یکسر بدل گئے۔ چین کے کھاتہ لکھنے والوں نے جب گوبی کے خانہ بدوشوں کو شہنشاہ کی رعیت کے تحت لکھے دیکھا تو انہوں نے نادانی سے چنگیز خان کے پاس قاصد بھیجے کہ وہ مویشیوں اور گھوڑوں کا خراج ادا کرے۔

چنگیز خان نے انہیں دھتکار کر بھگا دیا۔ اس کی نظریں تو خود شہنشاہ زریں کی وسیع و عریض سلطنت پر تھیں۔ مگر وہ اس کے بارے میں اپنے انداز سے سوچ رہا تھا۔ اور اس کی سوچ کا انداز تھا:
میٹھے پن سے انتظار"۔

چنگیز خان ہر حملہ سے پہلے پوری طرح ہوشیار اور چوکنا رہتا تھا۔ پھر وہ وقت کا انتظار کرتا اور جب انتظار کا اختتام ہوتا تو اس کا لشکر بحرِ ذخار کے مانند لہریں مارتا دشمن پہ جا پڑتا۔

چنگیز خان نے صحرائے گوبی کی چھوٹی موٹی یورشوں کے دوران اس دیوارِ عظیم کو کئی بار دیکھا تھا جس کے پیچھے خطا کا زریں شہنشاہ بیٹھا تھا۔ اس نے نہ صرف اس دیوار کو دیکھا تھا بلکہ اس کی مٹی، چونا اور اینٹوں تک کو ٹٹول لیا تھا۔

دیوار کے اوپر بنے برجوں کی مضبوطی کا اندازہ لگا یا تھا اور دیوار کی چوڑائی کو نظروں کے پیمانے سے ناپا تھا۔ اس کا اندازہ بالکل درست تھا کیونکہ اس نے ایک بار کہا تھا:
"اس دیوار کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس پر سے چھ سوار سینہ بہ سینہ یعنی برابر برابر دوڑ سکتے ہیں"۔
یہ اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔

پھر ایسا ہوا کہ چنگیز خان نے دیوارِ عظیم سے ذرا ہٹ کر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اپنے پرچم جو نوباکوں کی دموں سے آراستہ ہوتے تھے، لہرا دیے۔

ان پرچموں کی تعداد سینکڑوں سے بھی زیادہ تھی۔ انہیں مغربی صحرا کے محافظ افسروں نے بھی دیکھا اور دیوارِ عظیم کی برجیوں پر بیٹھے فوجیوں کی نظریں بھی ان سے ٹکرائیں مگر کسی نے ان پر توجہ نہ دی۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے چنگیز خان کی طرف سے جنگ کا بگل قرار دیا۔

یہ لوگ وہ غیر جانبدار قبائل تھے جو دیوارِ عظیم کے سایہ میں رہتے تھے اور جب خطا کا زریں شہنشاہ سیر و شکار پر نکلتا تو یہ قبائل اجرت پر شہنشاہ کی خدمت گزاری کرتے تھے۔ ان قبائل کی دور بین نظروں نے مستقبل کے خطرے کو بھانپ لیا۔

ان قبائل کو خطا کے شہنشاہ کے ٹڈی دل لشکر کا بھی اندازہ تھا جس کی گنتی کا شمار ممکن نہ تھا۔ کوئی کہتا پندرہ لاکھ۔ کسی کا اندازہ بیس لاکھ اور بعض تو ۵۰ لاکھ بتاتے تھے۔

انہیں چنگیز خان کے لشکر کی صحیح تعداد کا علم تھا کہ وہ ڈھائی لاکھ سے زیادہ نہیں لیکن یہ ڈھائی لاکھ ایک ایسا پہاڑ ہے جو ۵۰ لاکھ کے ٹڈی دل کو کچل کے رکھ سکتا ہے۔

پھر ایک دن جب ان قبائل کے سردار الاؤ کے گرد بیٹھے تو ایک نے کہا:
"چنگیز خان کے ان پرچموں کو دیکھ کر خطا کے محافظوں کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگی!"
"زریں شہنشاہ اور چنگیز خان میں دوستی ہے"۔
دوسرے نے ہنس کر جواب دیا:
"پھر انہیں کیا فکر ہو سکتی ہے!"
پہلے سردار کی بات کا جواب دوسرے سردار نے ایک زوردار قہقہے کے ساتھ دیا تھا۔ اپنے قہقہے کے اختتام پر اس نے مزید کہا:
"زریں شہنشاہ، چنگیز کا دوست نہیں بلکہ اس کے لشکر سے ڈرتا ہے۔ اس میں اتنی جرأت ہی نہیں کہ

چنگیز خان سے پوچھ سکے کہ اس نے دیوارِ چین کے ساتھ ساتھ پرچم لگا کر کس سرحد کی نشاندہی کی ہے"۔

"تو نے بالکل سچ کہا"

ایک بوڑھے سردار نے تائید کی:

"چنگیز خان آگ کا گولہ ہے۔ ایسا گولہ جس سے ٹکرانے والا بھسم ہو کر رہ جائے گا"۔

پھر جیسے وہ لوگ سہم کر رہ گئے۔ ان کی آنکھوں میں خوف تیرنے لگا اور انہوں نے اس موضوع کو فوراً ہی بدل دیا۔

باتیں دونوں سرداروں نے سچ کہی تھیں۔

چنگیز خان اور زریں شہنشاہ میں دوستی بھی تھی اور زریں شہنشاہ اپنے دوست چنگیز خان سے خائف بھی تھا۔

ان دونوں باتوں کے پس منظر میں ایک داستان بیان کی جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ:

"ختا کے زریں شہنشاہ جس کا ایک لقب "تاجدارِ زریں" بھی تھا، کی دائمی دشمنی خانوادۂ سنگ کے ساتھ تھی۔ سنگ خاندان کے بادشاہ دریائے یانگ سی (جسے چینی فرزندِ بحر کہتے تھے) کے جنوب میں حکمران تھے اور شمال میں قن چن یا کن کا خاندان زریں حکومت کرتا تھا۔

دریائے یانگ سی شمال اور جنوب کی سلطنتوں کے درمیان قدرتی سرحد کا کام دیتا تھا۔ دونوں حکومتوں میں چھڑپیں تو روزانہ ہی ہوتی تھیں لیکن اکثر بڑی جنگ بھی چھڑ جاتی تھی جس میں چالیس پچاس ہزار افراد کا موت کے گھاٹ اتر جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

پس کچھ سال پہلے جب شہنشاہ شمال اور شہنشاہ جنوب کے درمیان جنگ چھڑی تو شمال کے زریں خاندان یعنی ختا کے شہنشاہ کو کمک کی ضرورت پڑی۔ اس نے فوراً ایک سردار کو مغل خانہ بدوش سواروں کے آقا چنگیز خان کے پاس بھیجا۔ چنگیز خان کو معلوم ہوا کہ ختا کے شہنشاہ کا قاصد آیا ہے تو اس نے قاصد

کو بڑی عزت سے اپنے خیمہ میں بلایا۔

چینی سردار نے چنگیز خان کے سامنے پہنچ کر اسے چینی دستور کے مطابق سلام کیا۔ چنگیز خان نے کھڑے ہو کر اس کی عزت افزائی کی اور اس سے پوچھا:

"شہنشاہ زریں کے مزاج کیسے ہیں؟"

"وہ خیریت سے ہیں"۔

قاصد نے جواب دیا:

"اور انہوں نے اپنے دوست چنگیز خان کی خیریت دریافت کی ہے"۔

چنگیز خان نے کہا:

"ہم شہنشاہ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"ہمارے تاجدارِ زریں کی جنوب کے سنگ خاندان کی سلطنت سے جنگ شروع ہو گئی ہے"۔

قاصد نے جواب دیا:

"ہمارے شہنشاہ کی خواہش ہے کہ اس اہم موقع پہ آپ اپنے شہسواروں کے ساتھ ان کی مدد فرمائیں"۔

قاصد کی اس بات پر چنگیز خان چونکا پھر صرف ایک لمحہ کے توقف سے اس نے کہا:

"ہم زریں شہنشاہ کی ضرور مدد کریں گے"۔

چنگیز خان کے یورت میں اس وقت کئی دوسرے سردار بھی موجود تھے، انہیں چنگیز خان کے اس قدر جلد فیصلہ کرنے پر تعجب سا ہوا مگر وہ اس وقت تک اسے مشورہ دینے کی جرأت نہ کر سکتے تھے جب تک ان سے مشورہ طلب نہ کیا جاتا۔

چینی قاصد نے چنگیز خان کا شکریہ ادا کیا:

"میں اپنے شہنشاہ کی طرف سے منگول قوم کے سپہ سالار کا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

"شہنشاہ کو کتنے لشکر کی ضرورت ہے؟"

قاصد نے جواب دیا:

"منگول سپہ سالار فوری طور پر جس قدر لشکر فراہم کر سکتے ہوں شہنشاہ اسے شکریے کے ساتھ قبول فرمائیں گے"۔

چنگیز خان نے ایک فوری فیصلہ کیا۔ اس نے جبی نویان کو مخاطب کیا اور کہا:

"جبی نویان! چار تومان لشکر کے ساتھ آج ہی ختا کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

جبی نویان نے اطاعت میں سر تو جھکا دیا لیکن اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ایک تو
میں دس ہزار کا لشکر ہوتا تھا۔

چنگیز خان نے جبی نویان کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا اور اس کے ساتھ چار اور ارخوان کو مقرر
جبی نویان نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے خود ہی لشکر منتخب کیا پھر جب لشکر تیار ہو کے چنگیز خان کے معا
کے لیے صف آرا ہوا تو وہ جبی نویان کے انتخاب پر مسکرایا۔

"جبی نویان!"

اس نے فخر سے کہا:

"تم اچھے استاد بھی ہو اور اچھے سالار بھی۔ ہم تمہارے انتخاب سے خوش ہوئے۔"

شہنشاہ چین کے قاصد کو بھی یہ امید نہ تھی کہ چنگیز خان بغیر کسی معاوضہ یا شرط کے لشکر دینے پر آ
ہو جائے گا پھر جب اس نے ۴۰ ہزار کا لشکر صف آرا دیکھا تو حیران رہ گیا۔

جبی نویان، جو چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوجی خان کا استاد بھی تھا، اپنے ساتھ چار ارخون اور چھ
سالار اور لشکر کو لے کر شام ہونے سے پہلے روانہ ہو گیا۔

لشکر کی روانگی سے چند لمحے پیشتر چنگیز خان نے جبی نویان کو بلا کر کہا:

"جبی نویان! آنکھیں کھلی رکھنا اور معلومات کے لیے پوچھ گچھ میں کمی نہ کرنا۔"

جبی نویان نے جواب دینے کے بعد سر کو آگے پیچھے کئی بار جنبش دی اور پھر اپنا گھوڑا آگے بڑھا
چین کے چالیس پچاس لاکھ کے لشکر میں چنگیز خان کے ۴۰ ہزار سوار آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے مگر شہن
زرین، خانہ بدوش منگولوں کے لشکر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ منگول لشکر نے تاجدار زرین کی کیا خدمات انجام دیں لیکن اس نے اپنی آنکھیں
کھلی رکھیں اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتا رہا۔

ان خانہ بدوش مغلوں میں یہ خاص صفت تھی کہ جب وہ کسی غیر علاقہ میں جاتے تو راستے کی تصویریں
ذہن کے پردوں پر اتارتے اور انہیں دل کے گوشوں میں محفوظ کر لیتے۔

چینی تاجداروں کی خانہ جنگی کے دوران انہوں نے اپنی اس صفت سے خوب کام لیا۔ پھر جب
صحرائے گوبی واپس آئے تو ملک ختا کا ایک اجمالی نقشہ ان کے ذہنوں میں محفوظ ہو گیا تھا۔ اور ان کی
میں بیش بہا اضافہ ہو چکا تھا۔

جنگ سے واپس آنے والے خانہ بدوش شہسواروں نے ملک ختا کے بارے میں عجیب و غریب حکایتیں سنائیں۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ وہاں دریا کے کنارے پتھروں کے چبوتروں پر پیلی اور صاف ستھری سڑکیں دور تک پھیلی دکھائی دیتی ہیں۔ لکڑی کے بت دریاؤں میں تیرتے پھرتے ہیں۔ وہاں کے بڑے بڑے شہروں کے گرد اتنی اونچی دیواریں ہیں کہ گھوڑا چھلانگ لگا کر انہیں پار نہیں کر سکتا۔

اہل ختا نانکنی پارچے اور رنگ برنگ کے ریشمی کوٹ اور صدریاں پہنتے ہیں۔ بعض غلاموں کے پاس سات سات صدریاں ہوتی ہیں۔

درباروں میں تفریح کا سامان نوجوان شعرا مہیا کرتے ہیں مگر پرانی جنگوں کے منظوم قصے بیان کرنے کے بجائے یہ شعرا ریشم کے پردے پر اشعار لکھتے ہیں۔ ان اشعار میں حسین عورتوں کے سراپے بیان کرتے ہیں۔

وہاں ہر چیز دلچسپ اور حیرت ناک ہوتی ہے۔

چنگیز خان کے سردار بے تاب تھے کہ چین پر حملہ کیا جائے مگر ایسے وقت میں وحشی قبیلوں کی بات مان کر ختا پر حملہ کرنا خود ان کی تباہی تھی۔ اگر کوئی مصیبت آ جاتی یا وہ مشرقی ختا میں شکست کھا جاتے تو چنگیز خان کے پرانے دشمن اس کی خیمہ گاہ کو برباد کر ڈالتے اور کچھ بنائے نہ بنتا۔

چنگیز خان صحرائے گوبی کے اس مقام پر تھا جہاں سے وہ جنوب مغرب اور جنوب مغرب کی تین طاقتوں کو دیکھ سکتا تھا۔

قافلوں کے جنوبی راستہ پر "ہیا" کی عجیب و غریب سلطنت تھی جو قزاقوں کی سلطنت کہلاتی تھی۔ یہاں لوٹ مار کرنے والے دبلے پتلے تبتی پہاڑوں سے اتر کے آتے تھے۔ انہوں نے اس علاقہ سے ایلی ختا کو بے دخل کر دیا تھا۔

اس کے پیچھے قرا ختائیوں کی سلطنت تھی جو ایک طاقتور کوہستانی سلطنت تھی۔

مغرب میں قراغیز خانہ بدوش تھے جن کے گروہ اب تک مغلوں کی دسترس سے باہر تھے۔

ان سب خطرناک ہمسایوں کے مقابلہ میں چنگیز خان نے ارخونوں کی سرکردگی میں اپنے لشکر کے سوار دستے بھیجے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ موسموں کے سرد و گرم کو نظر انداز کرتے ہوئے سلطنت ہیا کے علاقوں میں چنگیز خان نے خود پیش قدمی کی۔

یہ لڑائیاں سلطنت ہیا کے کھلے میدانوں میں لوٹ مار کی صورت میں ہوئیں مگر ان مختصر لڑائیوں نے ایل ہیا کو قائل کر دیا کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ چنگیز خان سے دوستی کا معاہدہ کر لیا جائے۔

چنانچہ سلطنت ہیا سے صلح خون کے رشتوں پر ہوئی یعنی سلطنت ہیا کی طرف سے شاہی خاندان کی ایک عورت چنگیز خان کی زوجیت میں دے دی گئی اور معاہدہ پر یہ مہر تھی۔ مغرب میں بھی اسی طرح کے رشتے قائم کیے گئے۔

یہ دراصل چنگیز خان کی اپنے میمنہ و میسرہ کو مضبوط کرنے کی تدابیر تھیں۔ اس عمل سے اسے بہت سے حلیف مل گئے۔ فوج میں وہاں سے نئے رنگروٹ بھرتی کیے گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ منگول لشکر کو یورش اور حملہ کرنے کا تجربہ حاصل ہوا۔

اس دوران میں ختا کا شہنشاہ انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا ختا کے اس تخت پر جلوہ افروز ہوا جس کی شکل اژدہے کے مانند تھی۔

یہ دراز قد اور گھنی داڑھی والا شہنشاہ جس نے اپنا لقب "وائی وانگ" اختیار کیا تھا مصوری اور شکار کا بہت شائق تھا۔

نئے شہنشاہ کی تخت نشینی کے بعد ختا کے مالگزاری کے عمال نے خراج کے کھاتے کھولے اور تمام ماتحت علاقوں کے امیروں کو خراج بھیجنے کا شاہی حکم بھیجا گیا۔

یہ حکم ایک شاہی فرمان پر لکھا گیا تھا جسے قاصد بڑے احترام کے ساتھ لے جا رہے تھے۔ اس طرح کا ایک فرمان چنگیز خان کے پاس بھی لایا گیا۔

چینی دستور کے مطابق شاہی فرمان کو دو زانو ہو کر قبول کیا جاتا تھا لیکن چنگیز خان نے ہاتھ بڑھا کر وہ

فرمان لے لیا اور قاصد سے سوال کیا:

"تمہارا شہنشاہ کون ہے؟"

قاصد نے جواب دیا:

"وائی وانگ!"

دستور کے مطابق جنوب کی طرف سر خم کرنا چاہیے تھا مگر چنگیز خان نے جنوب کی طرف دیکھ کر زمین پر تھوکا اور حقارت سے کہا:

"میں سمجھتا تھا کہ فرزندِ آسمان بڑا غیر معمولی انسان ہوگا مگر یہ شہنشاہ تو تخت پر بیٹھنے کے قابل ہی نہیں، پھر میں اپنے آپ کو اس کے سامنے کیوں ذلیل کروں؟"

یہ کہہ کے وہ اپنے خیمے میں واپس چلا گیا۔

اس رات چنگیز خان نے اپنے تمام ارخون (سرداروں) کو خیمہ میں طلب کیا اور ان کے ساتھ ہی اپنے حلیفوں کو بھی بلوا لیا۔

یہ حلیف شکاری شہبازوں والے ایغور تھے۔ چنگیز خان نے مشورہ کے لیے مغربی ترکوں کے شیر صفت سردار کو بھی بلایا۔ پھر اس سلسلے میں کافی دیر گفتگو ہوتی رہی۔

صبح کو قاصد کو چنگیز خان نے اپنے حضور بلوایا اور خود اس نے قاصد کو مندرجہ ذیل پیغام دیا:

"اے قاصد! تم اپنے تاجدار زریں سے کہنا کہ منگول قوم کے سپہ سالارِ اعظم چنگیز خان نے اسے یہ پیغام دیا ہے کہ ہمارا علاقہ اب اس قدر منظم ہو چکا ہے کہ ہم ختا کی سیاحت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

کیا ختا کی سلطنت اس قدر مستحکم ہے کہ ہمارا استقبال کر سکے؟

ہم ایک ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے جو سمندر کے طوفانوں کی طرح بپھرتا آئے گا۔ اگر تاجدار زریں ہمارا دوست بننا چاہتا ہے تو ہم اپنے زیر سایہ اسے اپنے علاقہ پر حکومت کرنے کی اجازت دیں گے۔

اگر وہ جنگ کرنا چاہے گا تو یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ایک کو فتح اور دوسرے کو شکست نہ ہو جائے۔"

منگولستان کی طرف سے یہ چین کے زریں تاجدار کو الٹی میٹم تھا مگر اس کا انداز اس قدر حقارت آمیز تھا کہ شاید ہی اس سے پہلے ایسا کوئی الٹی میٹم دیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چنگیز خان سابقہ پانچ سالوں سے

جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔

پہلے اس نے فوجی بھرتی شروع کی۔ پھر ان میں نظم و ضبط پیدا کیا۔ پھر انہیں لڑائیوں میں مصروف رکھ کر جنگ کی عملی تربیت دلوائی۔ اور اب وہ وقت آ گیا تھا کہ چنگیز خان کے لیے چین پر حملہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

چینی قاصد ین کنگ پہنچا اور اسی دن شہنشاہ چین وائی ونگ کے حضور پیش ہو گیا۔ اس وقت دربار پُر تھا اور تاجدار وائی ونگ غرور سے گردن اکڑائے اژدہے کے تخت پر بیٹھا تھا کہ قاصد نے چنگیز خان کا حوالہ پیغام سنانا شروع کیا۔

جب تک قاصد بولتا رہا دربار پر سناٹا طاری رہا۔

زریں تاجدار پہلے تو غصے سے تھرایا۔ اس کا زرد چہرہ سرخ ہو گیا پھر یہ سرخی پھیکی پڑی اور اس کے چہرہ پر سیاہی مائل پیلاہٹ پھیل گئی۔

عجیب بات یہ تھی کہ اہلِ دربار کو نہ غصہ آیا نہ انہوں نے کسی جوش و خروش کا اظہار کیا۔ وہ سر جھکائے خاموش کھڑے رہے جیسے یہ پیغام جو دراصل جنگ کی دھمکی تھی، ان کے لیے شہنشاہ کا کوئی فرمان ہو۔

چینی عوام کے لیے حکم تھا کہ جب شاہی فرمان پڑھا جائے تو وہ مؤدب ہو جائیں۔ یہی حال اس وقت درباریوں کا تھا۔

پیغام ختم ہونے کے بعد بھی دیر تک ہر طرف خاموشی چھائی رہی۔ پھر زریں تاجدار نے بڑے کھوکھلے لہجہ میں حکم دیا:

"مغلوں سرحدوں کے محافظ دستوں کے سردار کو حاضر کیا جائے!"

اہلِ دربار نے چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھا۔ اسی وقت درمیانے قد و کاٹھ کا ایک چینی درباری صفوں سے آگے بڑھا اور زریں تاجدار کو سلام پیش کیا۔

چینی افواج کا یہ دستور تھا کہ فوجی دستے تو اپنے اپنے مقامات پر تعینات رہتے مگر ان کے سردار دارالسلطنت ین کنگ میں شہنشاہ کے دربار میں حاضر رہتے۔ اسی لیے ان سرداروں کو ان علاقوں کے بارے میں بہت کم معلومات ہوتیں جہاں ان کے فوجی دستے مقرر کیے جاتے تھے۔ اور جو معلومات ان کو حاصل ہوتی بھی تھیں وہ انتہائی ناقص ہوتیں۔

زریں تاجدار نے سوال کیا:

"مغلوں کا کیا ارادہ اور کیا اندازہ ہے؟"

سردار نے سادگی سے جواب دیا:

"وہ بہت تیر بنا رہے ہیں اور گھوڑے جمع کر رہے ہیں"۔

زریں تاجدار نے تلخ لہجے میں پوچھا:

"مغل تیر کیوں بنا رہے ہیں اور گھوڑے کیوں جمع کر رہے ہیں؟"

سردار کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا تھا۔

"تم نے مغلوں کو کب دیکھا تھا"۔

زریں تاجدار کی آواز میں گونج پیدا ہو گئی:

"اور اپنے سرحدی دستوں کا معائنہ کب کیا تھا؟"

یہ بھی ایک ہی دو سوال تھے۔ سرحدی سردار اپنے شہنشاہ کے تلخ لہجہ کو نہ پہلے سمجھا تھا اور نہ اس بار شہنشاہ کے لہجے کی گرج میں غصہ کا شائبہ محسوس ہوا۔

"عالیجاہ!"

اس نے پہلے جیسی سادگی سے جواب دیا:

"میں لشکر کے معائنہ پر سال میں ایک بار جایا کرتا ہوں"۔

"تیرا جواب نہایت احمقانہ ہے"۔

زریں تاجدار غصہ سے بے قابو ہو گیا:

"تو سال میں ایک بار اپنی فوج کا معائنہ کرتا ہے اور باقی دنوں میں کیا کرتا رہتا ہے؟"

"عالی جاہ!"

سرحدی سردار کی سادگی اب بھی ختم نہ ہوئی اور اس نے کہا:

"میں روزانہ باقاعدگی کے ساتھ حضور کے دربار میں حاضری دیتا ہوں"۔

زریں تاجدار کا غصہ کچھ اور بڑھ گیا:

"اپنی فوج کے پاس رہنے کے بجائے اس دربار میں حاضری دینے کا حکم تجھے کس نے دیا ہے؟"

"سپہ سالار نے مجھے یہ حکم دیا ہے عالی جاہ!" سرحدی سردار مختصر سا جواب دے کر پھر خاموش

سپہ سالار بھی دربار میں موجود تھا۔ سرحدی سردار کی زبان سے اپنا نام سن کر وہ چند قدم آگے آیا مگر زریں تاجدار نے اس کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے فرمان جاری کیا:

"سرحدی سردار کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جائے۔"

شہنشاہ کا حکم ہوتے ہی دربار کے دو محافظوں نے فوراً سرحدی سردار کو قابو کیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے۔

اس کے بعد پھر خاموشی ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

زریں تاجدار کی طبیعت مکدر ہو گئی تھی۔ اس نے وقت سے پہلے دربار برخاست کر دیا اور چلا گیا۔

یہ ٹھیک ہے کہ جنگ کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے لیکن جنگ سے پہلے بھی اس کا کچھ نہ کچھ ظہور ہو جاتا ہے۔

شہنشاہ چین وائی ونگ اور چنگیز خان کے درمیان جنگ سے پہلے کی سرگرمیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ زریں تاجدار اپنے ایک سرحدی افسر کو قید کر کے مطمئن ہو گیا تھا لیکن چنگیز خان نے جو کہ دعوتِ مبارزت دے دی تھی اس لیے اس نے زیادہ سے زیادہ تلواریں ڈھلنے اور گھوڑے جمع کرنے کا کام جاری رکھا۔ پھر اس جنگ کا جو نتیجہ ہوا وہ اس عمل کے مطابق ہوا۔

چنگیز خان نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ اس نے شمالی ختا کے جنگجو قبیلوں کے سرداروں سے بھی رابطہ قائم کیا جنہیں کسی زمانے میں شہنشاہِ چین نے شکست دے کر اپنی رعیت بنا لیا تھا۔ اس علاقہ کا نام لیاؤ تُنگ تھا۔ چنگیز خان نے قاصد بھیج کر لیاؤ تنگ کے شہزادے کو اپنے دربار میں بلوایا۔

شہزادہ چنگیز خان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اطلاع پاتے ہی چنگیز کے پاس چلا آیا۔

شہزادے نے ادب سے عرض کیا:

"لیاؤ تنگ کا شہزادہ منگولوں کی عظیم قوم کے آقا کو سلام پیش کرتا ہے اور شکر گزار ہے کہ آقا نے اپنے خادم کو حاضری کا اعزاز بخشا۔"

چنگیز خان نے سوال کیا:

"شہزادے تم ہمارے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

شہزادے نے بڑی مستقل مزاجی سے جواب دیا:

"مغلِ اعظم اگر حکم دیں تو میں دریاؤں کی تہوں میں اپنے جنگجوؤں کے ساتھ اتر سکتا ہوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر نیچے چھلانگ لگا سکتا ہوں۔"

"شاباش شہزادہ لیاؤ۔ ہم بہادروں کی قدر کرتے ہیں۔"

چنگیز خان نے اس کی تعریف کی:

"ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارا پورا علاقہ شہنشاہ چین کے تسلط سے آزاد کرا کے تمہارے حوالے کر دیں گے۔"

"میں اور لیاؤ تنگ خاندان کے تمام جنگجو خانِ اعظم کے اشارے کے منتظر ہیں۔"

شہزادہ لیاؤ نے بڑے ادب سے کہا:

"ہمیں حکم دیا جائے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"تم لوگ اپنی طاقت میں اضافہ کرتے رہو۔"

چنگیز خان نے اسے حکم دیا:

"اور جب ہمارا لشکر چین کے دل کے قریب پہنچ کے اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دے تو تم شمالی چین میں شہنشاہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دینا۔

چینی لشکر افراتفری میں پڑا ہو گا تب اسے اپنے علاقے سے مار بھگانا۔ ہم تمہیں لیاؤ تنگ کا شہزادہ تسلیم کر لیں گے اور تم ہمیشہ ہمارے زیرِ سایہ ایک آزاد حکمران کی طرح حکومت کرتے رہو گے۔"

پس چنگیز خان اور شہزادہ لیاؤ اپنے اپنے وعدے پر قائم رہے اور وقت آنے پر چنگیز خان نے اس کی حکومت تسلیم کر لی۔

○

ہزار یا کئی ہزار سال بعد یہ پہلا موقع تھا کہ خانہ بدوش لشکر ایک ایسی متمدن طاقت پر حملے کیلیے بڑھ رہا تھا جس کی فوجی طاقت اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ جنگ کے میدان میں چنگیز خان کی

حکمت عملی صاف صاف نظر آتی تھی۔

منگول لشکر کے ہراول دستے کئی گروہوں کی صورت میں بہت پہلے صحرائے گوبی سے باہر بھیج دیے گئے تھے ان کا پہلا گروہ ان جاسوسوں اور سپاہیوں پر مشتمل تھا جن کا کام مخبروں کو پکڑ کر لانا تھا۔ یہ جاسوس گروہ دیوارِ عظیم کے پیچھے پہنچ چکے تھے۔

ان گروہ کے پیچھے "پیش رو" سوار تھے۔ ان کی تعداد ۲۰۰ کے قریب تھی اور یہ دو دو کی جوڑی میں پھیلے ہوئے تھے۔

ان پیشروؤں کے بہت پیچھے اصل ہراول دستے تھے۔ ان کی تعداد تیس ہزار چنے ہوئے سپاہیوں پر مشتمل تھی جو بڑے نفیس گھوڑوں پر سوار تھے اور ہر ایک سوار کے پاس کم از کم دو گھوڑے تھے۔ یہ دستے ۲ تومانوں میں منقسم تھے اور ان کے ایک تومان (دس ہزار) کا سالار آزمودہ کار "معقولی بہادر" تھا۔ دوسرے تومان پر آتش بلکہ آتش پا جبی نویان اور تیسرے پر عجیب و غریب نوجوان سوبدائی بہادر تعین تھا جس کا کچھ حال آپ کی نظر سے پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

ہراول فوج اور قلب فوج کے درمیان قاصد سواروں کے ذریعہ اطلاعات کا مکمل انتظام موجود تھا۔ چنگیز کی قلب فوج جس میں وہ خود ہمیشہ رہتا تھا، بنجر بلندیوں سے گزرتی، گرد کے بادل اڑاتی ہراول دستوں کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

قلب لشکر کی تعداد ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھی۔ اس میں پرانے تجربہ کار اور چنگیز خان کے قبیلے یاکا کے بڑے بڑے جنگجو موجود تھے۔

میمنہ اور میسرہ بھی ایک ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھا۔ چنگیز خان اپنے سب سے چھوٹے بیٹے تولائی خان کو تربیت دینے کے لیے ہمیشہ اپنے ساتھ قلب فوج میں رکھتا تھا۔

چنگیز خان کا اپنا بھی ایک محافظ دستہ تھا۔ اس دستہ میں ایک ہزار سوار شامل تھے جن کی بہادری اور شہسواری مشہور تھی۔ ان سواروں کی زرہیں چمڑے کی تھیں اور یہ پوری طرح مسلح ہوتے تھے۔ ان کی رانوں تلے مشکی گھوڑے ہوتے تھے۔

چنگیز خان کا یہ لشکر دیوارِ عظیم کے سایہ میں پہنچا اور بغیر ایک سپاہی ضائع کیے پورے کا پورا لشکر دیوارِ عظیم پار کر گیا۔

اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ چنگیز خان ایک عرصہ سے دیوار سے متصل سرحدی قبائل سے دوستی کی پینگیں بڑھا رہا تھا۔ چنانچہ جب لشکر دیوار کے پاس پہنچا تو اس کے سواروں نے لشکر کے لیے دیوار کا ایک دروازہ کھول دیا

اور یہ عظیم لشکر لمحوں میں دیوارِ عظیم کے اس پار پہنچ گیا۔

ایک مؤرخ نے چنگیز خان کے ملک ختا (چین) پر حملہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"چنگیز خان نے ان پر حملہ کرنے سے پہلے اس کے پہلو میں سیاسیا کی جو قزاقوں کی سلطنت تھی، اسے زیر کیا۔ یہاں اس نے اپنے نئے سوار دستوں کے استعمال کا تجربہ کیا۔

جب چین پر حملہ کے لیے رستہ صاف ہو گیا تو وہ اپنے خانہ بدوشوں کو جو اب ایک منظم فوج بن گئے تھے، اس احتیاط سے دیوارِ چین کے اس پار لے گیا جیسے کوئی گلہ بان اپنے گلے کو آگے بڑھاتا ہے۔

اس نے کسی طرح کا خطرہ مول نہیں لیا۔ دیوار پار کرتے ہی اس کا لشکر مختلف حصوں میں بٹ گیا اور وہ شانسی اور چہ لی کے صوبوں کے مختلف اضلاع میں پھیل گئے۔ اس کے لیے انہیں قطعی احکامات دیے جا چکے تھے۔ مغلوں کا پہلا مقابلہ چین کے ان پیدل دستوں سے ہوا جو لاکھوں کی تعداد میں گروہ در گروہ سرحدی سڑکوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ مغل سواروں کو دیکھ کر یہ اور زیادہ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ مغل سواروں نے انہیں گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند ڈالا یا پھر تیز رفتار گھوڑوں کی پشت پر سے اس پیدل فوج کے جم غفیر پر تیروں کی بارش کر کے قیامت مچا دی۔

شہنشاہ چین کی بڑی فوجوں میں سے ایک فوج حملہ آوروں کو تلاش کرتے کرتے گھاٹیوں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی بھول بھلیوں میں جا پھنسی۔ اس چینی فوج کے سپہ سالار کا نیا نیا تقرر ہوا تھا، وہ ان علاقوں کے راستوں سے واقف نہ تھا اور کسانوں سے راستہ پوچھ پوچھ کر آگے بڑھ رہا تھا۔"

سالار جبی نویان جو پہلے بھی ان راستوں سے گزر چکا تھا، وہ ادھر ہی سے آ رہا تھا۔ اسے جب چینی لشکر کے آنے کی خبر ملی تو وہ راستہ کاٹ کر رات کے وقت گھاٹی کے دوسری طرف سے چینی لشکر کے عقب میں پہنچ گیا اور اس نے دوسرے دن ختائی فوج کو بری طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ جو لوگ باقی بچے وہ شرق کی طرف بھاگے وہاں ختا کی سب سے بڑی فوج موجود تھی۔ ان شکست خوردہ فوجیوں

نے ان میں خوف وہراس پھیلا دیا۔

اس بڑی فوج کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ اسی کشمکش میں تھی کہ اس کا سپہ سالار فوج کو چھوڑ کے پایہ تخت بھاگ گیا اور چنگیز خان بغیر مزاحمت کے تاتی تنگ فو پہنچ گیا۔

یہ ایک مضبوط قلعہ تھا جس کی فصیل کافی بلند تھی چنگیز خان نے اس کا محاصرہ کیا مگر پھر فوجوں کو لے کر ین کنگ کی طرف بڑھا جو دارالسلطنت تھا۔ اسکی حکمتِ عملی یہ تھی کہ محاصرہ میں وقت خراب کرنے کے بجائے آگے بڑھا جائے۔

چنگیز خان پایہ تخت ین کنگ کے سامنے نمودار ہوا۔ اسکے لشکر نے اطراف وجوانب میں جو تباہی اور بربادی پھیلائی تھی اس کی خبریں اژدہے کے تخت پر بیٹھنے والے تاجدار زرین وائی ڈنگ تک پہنچ چکی تھیں اور وہ اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ دارالسلطنت چھوڑ کے بھاگنے کی فکر میں تھا۔

اس وقت اس کے امیروں اور وزیروں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اسے سمجھایا کہ پایہ تخت کی فصیلیں نہایت بلند اور مضبوط ہیں۔ دوسرے یہ کہ پایہ تخت کے اندر شہنشاہ پرست اور قوم پرست فوج کے ایسے دستے ہوتے ہیں جو ملک وقوم پر وقت پڑنے پر آگ اور خون کی ہولی کھیلتے ہیں۔

یہ قوم پرست صرف اس وقت حرکت میں آتے تھے جب ملک کی تمام قوتیں دشمن سے زیر ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ان دستوں کے حوصلہ دینے پر شہنشاہ بمشکل پایہ تخت میں ٹھہرنے پر رضامند ہوا۔

ادھر چنگیز خان نے جب پایہ تخت کے گرد چکر لگایا تو اسے معلوم ہوا کہ اس قدر مضبوط قلعے کو وہ اپنے مختصر لشکر سے زمیں دوز نہیں کر سکتا۔ اسکے علاوہ ابھی "تاتی تنگ مو" کا قلعہ بھی فتح نہ ہوا تھا۔ اسلیے اس نے لشکر کو فوری واپسی کا حکم دے دیا اور یہ طوفان لوٹے ہوئے ساز وسامان، مویشی اور اناج وغیرہ کے ساتھ واپس ہوا۔ جب خزاں کا موسم آیا تو اس طوفانی لشکر کے پرچموں کا رخ صحرائے گوبی کی طرف تھا۔

خزاں کا موسم گزرا۔

بہار کی دلہن نے اپنا منہ دکھایا تو مغول لشکر نے پھر دیوارِ عظیم کا رخ کیا۔ چنگیزی لشکر کو راستے میں کوئی

روک سکا۔ مگر جب وہ مغربی دربار والے شہر تاتی تنگ فو پہنچا تو اس نے دیکھا کہ یہ قلعہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو چکا ہے۔ اس کی فصیل پہلے سے زیادہ بلند کی جا چکی تھی اور محافظ پہلے محاصرے سے تین گنا زیادہ تعداد میں نظر آ رہے تھے۔

چنگیز خان نے قلعہ کا محاصرہ تو کر لیا مگر اس پر قبضہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس وقت اس نے اس قلعہ کو فتح کیے بغیر آگے بڑھنا خلافِ مصلحت سمجھا اور وہیں رک گیا۔

اس محاصرے سے چنگیز خان کو یہ فائدہ ضرور پہنچا کہ اس نے اپنے لشکر کو قلعے کے چاروں طرف دور دور تک پھیلا دیا۔ اس لشکر کو اس کام پر لگایا گیا کہ محصور قلعہ کے لیے جو فوجی کمک آئے اسے قلعہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ اس طرح مغلوں نے بے شمار چینیوں کا قتلِ عام کیا اور بے انتہا مالِ غنیمت ان وحشیوں کے ہاتھ آیا۔

اس دوران چنگیز خان کو ایک مشکل اور پیش آئی۔

وہ مشکل یہ تھی کہ چنگیز خان کے حلیف شہزادہ لیاؤ کے سرحدی علاقہ لیاؤ تنگ پر ساٹھ ہزار چینی فوج نے قبضہ کر لیا۔ اس نے چنگیز خان سے مدد کی درخواست کی۔ چنگیز خان نے اس کی مدد کے لیے ایک تومان (دس ہزار) کا لشکر روانہ کیا۔

اس لشکر کا سردار جبی نویان تھا۔ اس جوانمرد سردار نے وہاں پہنچ کے ختائی فوجوں کا عقب سے محاصرہ کیا اور ان پر یورش کر دی۔

جبی نویان کا حملہ بڑا کامیاب تھا مگر اسے کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ ساٹھ ہزار ختائیوں کا دس ہزار مغل کچھ نہ بگاڑ سکے اور ختائی دیوار بن کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

اب جبی نویان نے مغلوں کی ایک اور جنگی چال استعمال کی۔ یہ جنگی چال اس نے چنگیز خان کو اکثر میدانِ جنگ میں استعمال کرتے دیکھا تھا۔

چنانچہ ایک صبح ختائی لشکر نے دیکھا کہ ان پر حملہ آور مغل سراسیمگی کے عالم میں میدانِ جنگ سے واپس جا رہا ہے۔

جبی نویان نے سواروں کو حکم دیا تھا کہ میدان سے کوئی چیز نہ اٹھائی جائے۔ چنانچہ مغل سوار اپنا تمام سامان جس میں خود ان کا لوٹا ہوا سامان بھی تھا، وہیں چھوڑ کے چل دیے۔

ختائی لشکری مغلوں کی اس حرکت سے حیران رہ گئے مگر شام تک انہوں نے مغلوں کے چھوڑے ہوئے سامان کی طرف قدم نہ بڑھایا۔

پھر رات ہوئی۔

نصف شب گزر گئی۔

ختائیوں کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ مغل لشکر شام تک پسپا ہو کر بڑی بے دلی سے واپس جا رہا تھا ختائیوں نے رات بھی خوف کے دھڑکے میں گزار دی اور صبح ہو گئی۔

اب انہیں یقین ہو گیا کہ مغل واقعی ناکام ہو کر واپس ہو گئے ہیں اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر ان کے چھوڑے ہوئے سامان کو لوٹنا شروع کر دیا۔ قلعہ والے بھی تمام دروازے کھول کر باہر نکل آئے اور اس لوٹ میں شامل ہو گئے۔

مگر دوسری طرف یہ ہوا کہ جبی نویان اپنے لشکر کے ساتھ تمام دن آہستہ آہستہ پسپا ہوتا رہا۔ رات کا ایک حصہ بھی اس نے اسی پسپائی میں گزارا۔ پھر انہوں نے نئے گھوڑے بدلے اور اپنے گھوڑوں کا رخ ایک بار پھر لیاؤ ینگ کی طرف کر دیا۔

اب ان کے گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ جبی نویان اس قدر تیزی سے واپس آیا کہ گزشتہ دن اور نصف شب کا طے کیا ہوا فاصلہ اس نے صبح ہونے تک طے کر لیا۔

جبی نویان جب قلعہ لیاؤ تینگ کے سامنے نمودار ہوا تو ختائی فوجوں کے علاوہ اہلِ قلعہ بھی تمام دروازے کھول کے باہر نکل آئے تھے اور مغلوں کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب کو لوٹ رہے تھے: ان کے جاسوسوں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ اب مغلوں کی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔

پھر جب ان کے سامنے دور افق پر گرد اڑی تو وہ ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ آنے والے کون ہو سکتے ہیں؟ مغلوں کی واپسی کا تو تصور بھی ان کے گمان سے پرے تھا۔ ہاں وہ کسی چینی کمک کا خیال کر سکتے تھے۔ چنانچہ بعض سرپھرے اور جلد باز لوٹ مار میں اس لیے مصروف رہے کہ دوسروں کے آجانے سے ان کا حصہ کم نہ ہو جائے!

پھر جب سورج کی چمکتی کرنوں میں مغل شمشیریں انہیں لپکتی نظر آئیں تو ان پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ ان پر جیسے سحر سا طاری ہو گیا اور زمین نے ان کے قدم پکڑ لیے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ختائی لشکری اور لیاؤ تنگ کے شہری جو باہم مل کر مالِ غنیمت سمیٹ رہے تھے مغل شہسواروں کی شمشیروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کا نشانہ بن گئے۔

جبی نویان کے دس ہزار سواروں نے اس قدر قتلِ عام کیا کہ گھوڑوں کو راستہ نہ ملتا تھا۔ کیا شہری اور کیا فوجی، دونوں گاجر مولی کی طرح کٹ گئے۔ جبی نویان جس قدر مال و اسباب چھوڑ کر گیا تھا اس سے پانچ گنا اسے واپس مل گیا۔ قلعہ لیاؤ تنگ پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

پسپا ہو کر واپس آنا دراصل چنگیز خان کی ایک زبردست جنگی چال تھی جو وہ اپنے سے زیادہ مضبوط د
غنیم کے خلاف استعمال کرتا تھا۔ یہ چال محاصروں کے بجائے میدانِ جنگ ہی میں استعمال کی جاتی تھی۔ جبی
اپنے آقا چنگیز خان کا ایک محبوب اور سمجھدار سردار تھا لیکن اس نے یہ چال لیاؤ ڈینگ کے میدان میں
چلی اور اس میں پوری طرح کامیاب ہوا۔

لیکن مغل لشکر کی بدقسمتی کہ ان کا آقا اور سپہ سالار چنگیز خان جو اس دوران مغربی دریا
والے شہر تائی تنگ خو کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، زخمی ہو گیا اور مغل لشکر ملک ختا کو چھوڑ کر اس طرح
واپس ہوا جیسے جوار بھاٹا ساحل سے ٹکرا کر لوٹتا ہے۔

اب ہر موسمِ خزاں میں مغل لشکر ختا پر یلغار کر کے واپس آجاتا تھا کہ تازہ دم گھوڑے فراہم کیے
جائیں۔ گرمیوں میں تو آدمی اور جانور زمین کی پیداوار پہ گزارہ کر سکتے تھے لیکن جاڑوں میں شمال چین میں
گزارہ کے لیے خوراک میسر نہ ہوتی تھی، اس لیے بھی ان کی واپسی ضروری ہوتی۔

اس کے علاوہ ان کی واپسی کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ہمسایہ دشمنوں کو مسلسل خوف میں
مبتلا رکھا جائے۔

چنانچہ اگلی فصل میں چنگیز خان نے اپنے لشکر کو پھر چین پر حملہ کا حکم دیا مگر اس تاکید کے ساتھ کہ
وہ خود کو صرف لوٹ مار اور دہشت پھیلانے تک محدود رکھیں تاکہ چینیوں کو آرام کا ایک لمحہ بھی نہ
ملنے پائے!

چنگیز خان کے ان حملوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ چینی لشکر بڑے بڑے قلعوں میں سمٹ گیا لیکن جب انہوں
نے دیکھا کہ حملہ آور قلعہ فتح کرنے کے بجائے صرف لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے ہیں تو انہیں قدرے
اطمینان ہو گیا۔

پھر چینیوں نے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ مغل حملہ کے دوران وہ قلعہ بند ہو جاتے اور جب چنگیز خان
واپس چلا جاتا تو وہ قلعوں سے نکل کر چنگیز خان کے حلیفوں پر جو دیوارِ عظیم کے قریب رہتے تھے حملے شروع کر دیتے۔
چینیوں کے ان حملوں سے چنگیز خان کے دونوں حلیف یعنی لیاؤ ڈینگ کا شہزادہ اور ہیا کے خانہ بدوش سردار
سخت پریشان ہوتے تھے۔

ان دونوں نے چنگیز خان سے ان حملوں کو روکنے کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ ان میں اتنی طاقت
نہیں کہ وہ ختائیوں کے حملوں کو مزید برداشت کر سکیں۔

چنگیز خان کے لیے یہ صورت حال بڑی پریشان کن تھی۔ وہ کئی بار یلغار کر کے زرین تاجدار کے صدر مقام
ین کنگ تک تو پہنچ چکا تھا مگر وہ قلعہ اس کے لیے ناقابلِ تسخیر تھا۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں اگر کوئی اور مغل سپہ سالار ہوتا تو وہ اسی پر مطمئن ہو جاتا کہ وہ ہر سال ختا پر
یلغار کر کے کافی مالِ غنیمت اور خوراک سمیٹ لیتا ہے اس لیے ختائیوں سے کسی بڑی جنگ کا خطرہ مول لینا
ضروری نہیں ہے۔

لیکن چنگیز خان جو ختائی فوجوں کے ہاتھوں زخمی شیر بن چکا تھا، وہ اطمینان سے نہیں بیٹھا۔ اس نے
اپنے حلیفوں کو بھی تسلی کے پیغامات بھیجے اور انہیں انتظار کرنے کو کہا۔

اب وہ پہلے سے زیادہ بے چینی سے ین کنگ کے قلعہ سے شہنشاہ چین کو نکال باہر کرنے کی فکر میں
رہنے لگا۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔
میں تاجدارِ ہند بابر بادشاہ کی بیٹی، مغل شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔
میرے باپ دادا سے روایت ہے کہ چنگیز خان جو اپنے زخم چاٹ رہا تھا ۱۲۱۴ء کے موسمِ بہار میں
انگڑائی لے کر اٹھا اور جب موسم کا پہلا سبزہ پھوٹا تو اس کے تین مغل لشکروں نے تین اطراف سے ملک ختا یعنی

چین پر یورش کی۔

میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ چنگیز خان کے چار بیٹے تھے:

1۔ جوجی خان
2۔ اوغدائی خان
3۔ چغتائی خان
4۔ تولوئی خان

یہ چاروں بیٹے ایک ہی ماں سے تھے لیکن جوجی خان کا باپ ایک اور قبیلے کا سردار تھا جس کی تفصیل بیان گزر چکی ہے۔

جنوب سے جو لشکر ختا پر حملہ آور ہوا وہ چنگیز خان کے تین بیٹوں چغتائی خان، اوغدائی خان اور تولائی کے زیر کمان تھا۔ اس لشکر نے ختائی کے صوبہ کے آرپار ایک چوڑی سی پٹی کاٹ لی۔

شمالی لشکر نے جوجی خان کی سرکردگی میں خنگان کا سلسلۂ کوہ عبور کیا اور شہزادہ لیاؤ کی فوج کے ساتھ جا کر مل گیا۔

خود چنگیز خان قلب لشکر کے ساتھ ین کنگ کے عقب میں بڑے سمندر کے کنارے جا پہنچا اور خیمہ زن ہو گیا۔

ان تینوں لشکروں نے بالکل انوکھے انداز میں پیش قدمی کی۔ یہ ایک دوسرے سے الگ الگ رہے اور انہوں نے مضبوط اور طاقتور شہروں کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ سے پہلے چنگیز خان نے ہر قلعہ دار کو ایک پیغام بھیجا:

"اپنے قلعے کی فصیلیں توڑ دو اور دروازے کھول دو۔ اس صورت میں تمہاری
جان بخشی ہو سکتی ہے۔ ورنہ کیا ہو گا؟ اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے!"

چنگیز خان کے اس پیغام سے بہت کم قلعہ داروں نے فائدہ اٹھایا اس لیے کہ ان کے قلعے مضبوط تھے چنگیز خان اپنے پہلے حملوں میں ان قلعوں کا محاصرہ کرنے کے بجائے اپنے لشکر کو آگے ہی آگے لے گیا تھا پھر اس کے بعد اپنے مستقر کو لوٹ گیا تھا۔

پس جس قلعہ دار نے سمجھداری سے کام لیا اس نے قلعہ کے دروازے کھول دیے اور مغل سپہ سالار کا استقبال کیا اور جان کی امان پائی۔

دوسری صورت میں چنگیزی لشکر نے قلعہ کی فصیلیں توڑ کے انہیں زمین کے برابر کر دیا اور پوری آبادی کا

قتل کر ڈالا۔ سوائے ان ہنرمندوں اور نوجوانوں کے جو مغل لشکر کے لیے مفید ثابت ہو سکتے تھے، کسی کو نہ چھوڑا گیا۔

مغل لشکر جس راستے سے گزرتا اس کے اردگرد کی تمام آبادیوں کو تہس نہس کر دیتا۔ مویشی پکڑ لیے جاتے اناج کو لوٹ کے سامان کی گاڑیوں پر لاد لیا جاتا اور ہر گھر بے چراغ کر دیا جاتا۔ بچے، عورتیں اور بوڑھے بھی ان کی تلواروں سے محفوظ نہ رہتے۔

دراصل یہ مغلوں کی ایک جنگی پالیسی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں جہاں تک ان کی غارت گری کی خبر پہنچتی وہاں تک کی آبادیاں خالی ہو جاتیں اور لوگ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا پناہ گزین ہوتے۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اس دور کے مغلوں کے بارے میں ایک چینی نے بڑے استعجاب کے پیرائے میں لکھا تھا:

"دنیا کی آفرینش سے لے کر اب تک کسی قوم نے اتنی طاقت حاصل نہیں کی،
جتنی ان مغلوں نے۔ وہ سلطنتوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتے ہیں جیسے کوئی گھاس
اکھاڑتا ہے۔ فلک نے انہیں اتنی طاقت کیوں دی ہے؟"

مغلوں نے ہر طرف سے یلغار کر کے ختا کے تمام بڑے بڑے قلعوں کا محاصرہ کیا تھا۔ یہ محاصرہ بڑا خطرناک اور خوفناک تھا۔

مغل فوجوں نے قلعوں پر حملہ کرنے سے پہلے آس پاس کے دیہاتوں سے لوگوں کو پکڑ کے آگے آگے رکھا اور ان کی آڑ میں حملہ کیا۔ اکثر ایسا ہوا کہ فصیل کے اندر کے لوگوں نے دروازے کھول دیے۔ ایسی صورت میں ان کی جان بخشی کی گئی مگر مغلوں سے جان بچا لینے والے یہ لوگ مشکل ہی سے زندہ رہ سکے ہوں گے کیونکہ چاروں طرف کے گاؤں اور دیہات نیست و نابود کر دیے گئے تھے اور فصلیں جلا اور تباہ کر دی گئی تھیں۔

اس ہیبت ناک جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ختائی سردار معہ اپنے لشکر کے زریں تاجداروں سے باغی ہو کر چنگیز خان سے آملے۔

میرے جد اعلیٰ نے ان کی عزت افزائی کی اور لیاؤ شہزادوں کی طرح انہیں بھی مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال پر مامور کر دیا۔

جب جنگ ختم ہونے کو آئی تو ایک بیماری نے مغل لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کے گھوڑے لاغر ہونے لگے اور سوار کئی طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے مگر طاقتور دل و دماغ کے مالک مغل سپہ سالار نے اپنے

قلب لشکر کے ساتھ ین کنگ کے اس قلعہ کی فصیل کے قریب اپنا خیمہ نصب کر دیا جس میں زریں تاجدار رہتا تھا

چنگیز خان کے چند سرداروں نے عرض کی:

"اے ہمارے آقا۔ سپہ سالار اور مغلوں کے سربراہ! ہمیں ملک ختا کے سب سے بڑے قلعہ پر حملہ کی اجازت دی جائے۔"

چنگیز خان نے صرف ایک لفظ میں جواب دیا:

"نہیں!"

ایک بار نہیں بلکہ ان سرداروں نے اس قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے پہلے بھی کئی بار چنگیز خان کی منت سماجت کی تھی مگر اس نے صرف "نہیں" کہہ کر ان کی درخواست رد کر دی تھی۔

یہی چنگیز خان کی اعلیٰ دماغی کی دلیل تھی۔

مغل سپہ سالار کو معلوم تھا کہ یہ قلعہ ناقابل تسخیر ہے۔ اگر اس پر حملہ کیا گیا تو سوائے مغلوں کے جانی زیاں کے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اس کی جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ شہنشاہ چین کو خوفزدہ کرو۔ اسے اس قدر پریشان کر دو کہ وہ خود ہی ہتھیار ڈال دے۔

پھر مغلوں کے بے تاج تاجدار نے زریں تاجدار کے پاس ایک رکنی وفد بھیجا۔ ایک مغل سردار صلح کا پرچم اٹھاتا قلعہ کے صدر دروازے پر پہنچا۔

قلعہ کے عظیم الشان دروازے میں بنے ایک چھوٹے دروازے کو کھولا گیا اور سوار کو اندر لے کر دروازہ پھر بند کر دیا گیا۔

اس مغل سردار کو جو چنگیز خان کا قاصد اور ایک رکنی وفد تھا، اژدہے کے تخت پر بیٹھے زریں تاجدار کے سامنے پیش کیا گیا۔

تاجدار نے اس کے لیے ایک زرنگار کرسی منگوائی مگر مغل سردار نے اس پر بیٹھنے سے انکار کیا! شہنشاہ چین کا پیلا چہرہ کچھ اور پیلا ہو گیا۔

پھر شہنشاہ نے اپنے قریب کھڑے وزیر اعظم چین کے ذریعہ وفد سے دریافت کیا:

"شہنشاہ پوچھتے ہیں کہ شمال کے مغلوں کا وفد کس لیے آیا ہے؟"

مغل سردار نے جواب دیا:

"میں تمام مغلوں کے آقا اور مغل لشکروں کے سپہ سالار چنگیز خان کا، چین کے شہنشاہ کے لیے ایک پیغام لایا ہوں۔"

وزیر اعظم نے شہنشاہ کے حکم پر کہا:

"وفد اگر تحریر کی صورت میں پیغام لایا ہے تو پیش کرے!"

وفد نے جواب میں کہا:

"پیغام تحریری نہیں، زبانی ہے۔"

وزیر اعظم نے کہا:

"پیغام بیان کیا جائے!"

"میرے آقا نے پیغام دیا ہے۔"

مغل سردار نے پیغام سنانا شروع کیا:

"کہ دریائے ہوانگ ہو کے شمال کے سارے صوبے میرے قبضے میں ہیں۔ اب ہماری اور تمہاری لڑائی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

اتنا کہہ کر مغل سردار سانس لینے کو رکا تو چینی وزیر اعظم سمجھا کہ پیغام ختم ہو گیا ہے۔ اس نے فوراً پوچھا:

"بس۔ اتنا ہی پیغام ہے کیا؟"

"پیغام ختم نہیں ہوا۔"

مغل سردار نے کہا:

"میں سانس لینے کو رکا تھا۔"

وزیر اعظم چین نے کہا:

"بقیہ پیغام بھی سنایا جائے۔"

مغل سردار نے بیان شروع کیا:

"میرے آقا نے یہ بھی پیغام دیا ہے کہ میں اپنے گھر واپس جا رہا ہوں لیکن کیا تم میرے سرداروں کو تحائف دیے بغیر واپس جانے دو گے۔ پیغام ختم ہوا۔ اس کا جواب دیا جائے تاکہ میں واپس جا کر اپنے آقا کے سامنے بیان کروں!"

میرے جدِ اعلیٰ نے بڑا عجیب قسم کا پیغام بھیجا تھا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ درخواست ہے یا شہنشاہ کو آئندہ جنگ کی اطلاع دی گئی ہے!

اگر اسے درخواست سمجھا جائے تو اس کی منظوری کی صورت میں جو تحائف حاصل ہوں گے انہیں چنگیز خان کے سرداروں میں تقسیم کر کے ان کی بے تابیوں پہ بند باندھا جاسکے گا۔

دوسری طرف چینیوں کی نظر میں اژدہے والے تخت کی وقعت اور زرین تاجدار کی عزت میں کمی واقع ہو جائے گی!

چینی وزیر اعظم نے چنگیز خان کی درخواست یا مطالبہ کی سخت مخالفت کی۔ اس نے آہستہ سے ہنشاہ سے کہا:

"اے دنیا کے عظیم ترین شہنشاہ! اس مغل لٹیرے کو آپ کوئی تحفہ نہ دیجیے۔ مجھے جاسوسوں نے اطلاع ملا ہے کہ مغل لشکر کے گھوڑوں میں کوئی بیماری پھیل گئی ہے اور وہ لاغر ہو کر مر رہے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

شہنشاہ نے اسے گھور کے دیکھا:

"صاف صاف کہو۔"

"اے عظیم شہنشاہ!"

وزیر اعظم نے دست بستہ عرض کی:

"مغلوں کی حالت ابتر ہو رہی ہے۔ وہ ناکام ہو کر پسپا ہو رہے ہیں۔ ہمارا لشکر تازہ دم ہے اپ سپہ سالار کو حکم دیجیے کہ وہ قلعہ سے باہر نکل کر مغلوں پر حملہ کر دے اور انہیں گیہوں کی طرح پیس کر رکھ دے۔"

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اگر شہنشاہ اپنے وزیر اعظم کا مشورہ مان لیتا اور ختائی لشکر قلعوں کے سے باہر نکل کر مغلوں پر حملہ کرتا تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا لیکن چن (کن، ین) خاندان کا یہ تاجدار اس قدر مصائب داشت کر چکا تھا کہ اس میں ذرا سا حوصلہ بھی باقی نہ رہا تھا۔

پس زریں تاجدار نے اپنے وزیراعظم کو تند لہجے اور تیز الفاظ میں ڈانٹ دیا:

"تم نرے احمق ہو۔"

زریں تاجدار کا اژدہے والا تخت مغل سردار سے اتنی دور تھا کہ وہ شہنشاہ چین اور اس کے [illegible] کی گفتگو نہ سن سکا تاہم اسے ان دونوں کی حرکات و سکنات سے یہ اندازہ ہو گیا کہ وزیراعظم [illegible] شہنشاہ کے سامنے چنگیز خان کی مخالفت کر رہا ہے جبکہ شہنشاہ صلح پر آمادہ ہے۔

زریں تاجدار کی ڈانٹ سے وزیراعظم کا منہ اتر گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ شہنشاہ نے اسی کو حکم دیا:

"وزیراعظم، مغل قاصد کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ شام تک تمہارا مہمان رہے گا۔"

وزیراعظم دل میں تو بہت جلا لیکن کیا کر سکتا تھا۔ اس نے سر جھکا کے کہا:

"شہنشاہ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

وزیراعظم تعمیلِ حکم کے لیے اپنی جگہ سے ذرا اٹھا۔

"سنو وزیراعظم!"

شہنشاہ نے دوسرا حکم صادر کیا:

"شام کو تم اور ہمارے تمام بڑے سردار مغل قاصد کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرو گے۔ قاصد کے ساتھ چنگیز خان کے افسروں کے لیے تحائف میں بہترین پانچ سو جوان غلام، پانچ سو کنیزیں، نفیس گھوڑوں کے ریوڑ، کپڑے ریشم کے ۱۰۰ تودے اور سونے کے ایک سو ڈھیر بھیجے جائیں گے۔ یہ سب تحائف تمہاری نگرانی میں گاڑیوں پر بار ہوں گے۔"

وزیراعظم نے ایک بار پھر شہنشاہ کے سامنے سر جھکایا اور مغل قاصد کو اپنے ہمراہ لے کر دربار سے نکل گیا۔

مغل قاصد کو وزیراعظم نے ایک آراستہ و پیراستہ محل میں رکھا۔ اس کی آنکھیں محل کے ساز و سامان کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

شام کو شہنشاہ کے حکم کے مطابق مغل قاصد کو رخصت کیا گیا۔ اس موقع پر ملک ختا کے تمام بڑے بڑے فوجی سردار اور امیر و وزیر موجود تھے۔

مغل سردار تقریباً ایک سو چھکڑوں اور اتنی ہی گاڑیوں پر تحائف لادے ہوئے اپنی خیمہ گاہ میں پہنچا تو خانِ اعظم اور دوسرے لوگ حیران رہ گئے۔

اس سامان کے علاوہ ایک سو چھکڑوں پر وہ غلام اور کنیزیں سوار تھیں جو شہنشاہ نے چنگیز کو

روانہ کی تھیں۔

میرے دریا دل اور نبض شناس جدِ امجد نے تمام تحائف اسی وقت اپنے سرداروں اور لشکریوں میں تقسیم کر دیے۔ یہاں تک کہ وہ تمام سونا جو زریں شہنشاہ نے اس کے لیے بھیجا تھا، اسی دم تمام لشکریوں میں بانٹ دیا گیا۔

اب سوائے غلاموں اور کنیزوں کے کوئی اور چیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ غلاموں سے تو کسی کو بھی دلچسپی نہ تھی۔ کیونکہ مغلوں میں غلام رکھنے کا رواج نہ تھا۔ ہاں ان حسین کنیزوں پر مغل سرداروں کی نظریں ضرور جمی ہوئی تھیں جو شاید چنگیز خان کی خوشنودی کے لیے زریں تاجدار نے بھیجی تھیں۔

یہ کنیزیں تھیں بھی قابلِ توجہ۔ اس لیے کہ ان کنیزوں کا انتخاب شہنشاہ چین کے حکم سے کیا گیا تھا اور یہ انتخاب اس قدر معیاری تھا کہ شاید پورے ملک ختا میں (سوائے شاہی خاندان کے) ان حسین دوشیزاؤں سے بڑھ کر کوئی حسینہ نہ رہ گئی تھی۔

تمام حسین کنیزوں کو ایک بڑے خیمہ میں جمع کر دیا گیا۔ مغل سرداروں نے یہ سوچ کر کہ یہ سب کنیزیں خانِ اعظم کو پسند آ گئی ہیں، اپنی بوالہوس نظریں ان کی طرف سے پھیر لیں مگر کچھ ہی دیر بعد چنگیز خان نے اپنے تمام بڑے بڑے سرداروں کو اپنے بڑے خیمے میں طلب کر لیا۔

ان کے آنے پر خانِ اعظم نے کہا:

"میرے ساتھیو۔ مالِ غنیمت میں اگرچہ سپہ سالار کا بھی حصہ ہوتا ہے لیکن تم نے اب تک یہی دیکھا ہو گا کہ میں نے یہی حکم دے رکھا ہے کہ لوٹ مار کے دوران جو چیز جس مغل کے ہاتھ آ جائے وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔ میں نے تمہارے لوٹے ہوئے مال میں سے کوئی چیز نہیں لی۔

تم جانتے ہو کہ میں نے ختا کے شہنشاہ سے اپنے افسروں کے لیے تحائف طلب کیے تھے۔ پس وہاں سے آنے والا تمام سامان اور مال و زر میرے افسروں کے لیے ہے اور میں نے فوراً ہی اس کی تقسیم کر دی۔

لیکن — عورت ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے اکثر بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ ختا سے آنے والی ان حسین کنیزوں کو میں نے اپنی خدمت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ یہ بات نہیں ہے یہ سب کی سب کنیزیں بھی میرے افسروں کے لیے ہیں جو میری خاطر اور مغل پرچم کی سربلندی کے لیے اپنی جان لڑا دیتے ہیں۔

چونکہ ان کی تقسیم ذرا مشکل تھی اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج کی رات جب ہر طرف تاریکی پھیل جائے اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے، اس وقت تم میں سے ایک ایک افسر اس خیمے میں داخل ہو جس میں کنیزوں

کو رکھا گیا ہے۔

ہر افسر کو اجازت ہے کہ اندھیرے میں وہ جس کنیز کا ہاتھ پکڑے گا وہ کنیز اس کی ملکیت ہو جائے گی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے جا سکے گا۔"

چنگیز خان کی اس ترکیب کو سب نے سراہا اور ان کا یہ خیال غلط ہو گیا کہ چنگیز خان نے ان کنیزوں کو اپنی خدمت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔

شام ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ کنیزوں کو چنگیز خان کا حکم پہنچا دیا گیا تھا کہ خیمہ میں اندھیرا رہے گا اور باری باری ایک ایک مغل سردار خیمہ میں داخل ہو کر اندھیرے میں ایک کنیز کا ہاتھ پکڑے گا اور کنیز کو بلا عذر اس کے ساتھ جانا ہو گا۔

دوسری طرف چنگیز خان نے اس عجیب و غریب انتخاب سے پہلے اپنے افسروں کے لیے ایک اور حکم صادر فرمایا۔ اس نے حکم دیا:

"مغل افسر اس طرح کا منتخب کی گئی کنیز کو اپنی باقاعدہ بیوی نہ بنا سکیں گے بلکہ اسے صرف کنیز کے درجہ پر رکھیں گے ان کی اولادیں مغل بچوں میں شمار نہ ہوں گی۔ افسران کنیزوں کو جب چاہیں آپس میں تبدیل کر سکتے ہیں۔"

کنیزوں کی تقسیم بڑے پُرسکون ماحول میں ہوئی۔ خانِ اعظم کا ایک سردار کنیزوں کے خیمے میں داخل ہوتا ٹٹول کر ایک کنیز کا ہاتھ پکڑتا اور اسے باہر لے آتا۔

اس طرح نصف شب تک تمام کنیزوں کی تقسیم مکمل ہو گئی۔ صرف چار کنیزیں باقی رہ گئی تھیں۔ انہیں چنگیز کے حکم سے دوسرے درجہ کے چار افسروں میں تقسیم کر دیا گیا۔

چنگیز خان کے اس عمل سے اس کے سرداروں کا اس پر اور زیادہ اعتماد پختہ ہو گیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا آقا لالچی اور بدمعاملہ نہیں ہے بلکہ وہ جو کچھ کر رہا ہے مغل قوم کے لیے ہے۔

چنگیز خان نو سفید یاکوں کی دُموں والے پرچم کو بلند رکھنا چاہتا تھا اور اپنی قوم کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ مغل دنیا کی سب سے بہادر قوم ہے اور وہی حکومت کرنے کا حق رکھتی ہے جو قوم قبضۂ شمشیر پر گرفت مضبوط رکھ سکتی ہو۔

گزشتہ پانچ چھ سالوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ چنگیز خان موسمِ خزاں میں واپس نہیں گیا بلکہ صحرا کے کنارے اپنے لشکر سمیت مقیم رہا۔

کنیزوں کی اس انوکھی تقسیم کے بعد چنگیز خان نے شہنشاہِ چین سے ایک انوکھا مطالبہ کیا۔ اس نے اسی مغل سردار کو بلوایا جسے اس نے پہلے بھی قاصد بنا کر دربارِ ختا میں بھیجا تھا۔

قاصد حاضر ہوا تو چنگیز خان نے بھرے دربار میں قاصد کو حکم دیا:

"ختا کے زریں تاجدار کے دربار میں جاؤ اور ہمارا یہ پیغام پہنچاؤ کہ مغل آقا خانِ اعظم نے اس سامان، غلاموں اور کنیزوں کے لیے شہنشاہ کا شکریہ ادا کیا ہے جو اس نے ہمارے افسروں کے لیے تحفے کے طور پر بھیجی ہیں۔

اب خانِ اعظم کا خیال یہ ہے کہ اگر صلح ہو گئی ہے تو چین کے شاہی خاندان کی سب سے حسین عورت کو مغل خانِ اعظم کے عقد میں دیا جائے اور اسے ہماری خیمہ گاہ میں بھیجا جائے۔"

چنگیز خان کے اس مطالبہ پر اس کے سرداروں میں سے بعض تو مسکرا کر رہ گئے اور بعض نے اس کی تعریف کی کہ خانِ اعظم کے اس مطالبہ میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے جسے ان کی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ مغلوں پر چنگیز خان کا اس قدر اثر تھا کہ وہ اس کی ہر بات کو آسمانی حکم سمجھ کر فوراً اور بلا چون و چراں قبول کر لیتے تھے۔

مغل قاصد گھوڑا اڑاتا ہوا این کنگ کے قلعہ میں پہنچا۔ اسے وہاں سب ہی پہچانتے تھے۔ چین سے جو تحائف مغلوں کو بھیجے گئے تھے وہ اسی مغل سردار کی سرکردگی میں روانہ کیے گئے تھے۔

شہنشاہِ چین کو مغل قاصد کے آنے کی اطلاع دی گئی اور زریں تاجدار نے اسے فوراً طلب کر لیا۔ قاصد گردن اکڑائے ہوئے دربار میں پہنچا۔ وزیرِ اعظم چین اس کے استقبال کے لیے دربار کے پہلے حصہ میں موجود تھا۔

"معزز مغل قاصد!"

وزیرِ اعظم چین نے اس سے کہا:

"میں آپ کو شہنشاہ کی تعظیم کا طریقہ بتاتا ہوں۔ آپ ان کے سامنے پہنچ کر اسی طریقے سے تعظیم بجا لائیے گا۔"

مغل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مغل سوائے اپنے آقا چنگیز خان کے کسی اور کی تعظیم نہیں کرتے۔ میں کسی کو

تعظیم پیش نہیں کروں گا۔"

وزیراعظم گھبرا گیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو مغل قاصد۔"

اس نے بے حد نرمی سے کہا،

"ہمیں معلوم ہے کہ تم کسی کی تعظیم نہیں کرتے لیکن یہ تو ایک سفارتی رسم ہے۔ جب ایک ملک کے بادشاہ کا قاصد دوسرے ملک کے بادشاہ کے پاس سفارت لے کر جاتا ہے تو وہاں کی رسم کے مطابق بادشاہ کو تعظیم پیش کرتا ہے۔"

"میں کسی رسم کا پابند نہیں کروں گا۔"

مغل اپنی بات پر اڑ گیا اور بولا:

"پھر تمہارا بادشاہ ہمارے خانِ اعظم کے برابر کا تو نہیں۔ وہ تو ہمارے آقا کا محکوم ہے۔ میں کسی محکوم کو تعظیم کیسے پیش کر سکتا ہوں؟"

"یہ تم کیسے کہتے ہو کہ ہمارا شہنشاہ تمہارے خانِ اعظم کا محکوم ہے؟"

وزیراعظم چڑ گیا:

"دونوں برابر کے بادشاہ اور آپس میں دوست ہیں۔"

مغل سردار نے ڈپٹ کر جواب دیا:

"کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ ہمارے بادشاہ نے تمہارے بادشاہ سے اپنے افسروں کے لیے تحائف طلب کیے اور تمہارے بادشاہ نے یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے تحائف بھیجے۔

کان کھول کے سن لو خطا کے وزیر! میرے آقا نے پہلے جو مطالبہ کیا وہ پورا کیا گیا اور جو مطالبہ میں اب لے کر آیا ہوں وہ بھی تمہارا بادشاہ پورا کرے گا۔"

وزیراعظم کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے کہا:

"وہ تمہارے آقا کی درخواست تھی جو قبول کر لی گئی۔ اب تم کیا مطالبہ لے کر آئے ہو؟"

"تم کون ہوتے ہو مجھ سے پوچھنے والے۔"

مغل سردار نے ہلکا سا قہقہہ لگایا:

"میں تمہارے بادشاہ کے سامنے مطالبہ پیش کروں گا۔"

اتنے میں شہنشاہ چین کا ملازم خاص جو تخت کے بائیں جانب کھڑا تھا، بھاگتا ہوا آیا اور وزیراعظم سے

سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"شہنشاہ بہت ناراض ہو رہے ہیں۔ مغل قاصد کو اب تک پیش کیوں نہیں کیا گیا؟"

وزیراعظم کو پسینہ آ گیا۔ اس نے مغل قاصد کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود آگے آگے تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل پڑا۔

مغل قاصد اژدہے والے تخت سے اتنی دور جا کر خود ہی رک گیا جہاں اسے پہلے کھڑا کیا گیا تھا۔ تخت کے دائیں جانب پہنچ کر وزیراعظم کھڑا ہو چکا تھا۔ شہنشاہ خطا سرگوشیوں میں اپنے وزیراعظم کو جلدی جلدی کچھ سمجھا رہا تھا۔

شہنشاہ سے گفتگو کے بعد وزیراعظم نے مغل قاصد سے کہا:

"بادشاہوں کے بادشاہ ہمارے شہنشاہ خطا اپنے دوست چنگیز خان کے قاصد کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

مغل سردار نے بغیر سر جھکائے اور کسی قسم کے احساسِ کمتری کا شکار ہوئے بغیر بڑے سادہ الفاظ میں جواب دیا:

"میرے آقا اور مغلوں کے سب سے بڑے خان چنگیز خان نے چین کے زریں تاجدار کے مزاج پوچھے ہیں!"

"ہم مغلِ اعظم کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

شہنشاہ کی طرف سے جواب آیا:

"کیا مغلِ اعظم کی طرف سے کوئی خاص پیغام ہے؟"

"ہاں!"

مغل قاصد نے جواب دیا:

"میرے آقا نے چین کے زریں تاجدار سے ایک خوبصورت اور دلچسپ مطالبہ کیا ہے۔"

یہ کہہ کر قاصد خاموش ہو گیا۔ مطالبہ کے لفظ پر پورے دربار میں سناٹا چھا گیا تھا۔ جب خاموشی طول کھینچ گئی اور قاصد نے کوئی لفظ نہیں کہا تو شہنشاہ کی طرف سے سوال کیا گیا:

"کیا ہمارے دوست مغلِ اعظم نے کوئی خاص چیز مانگی ہے؟" چینی شہنشاہ اور وزیراعظم مطالبہ کے لفظ کو بالکل گول کر گئے۔

مغل سردار نے کہا:

"شہنشاہ چین کا خیال درست ہے۔ میرے آقا نے شہنشاہ سے ایک خوبصورت چیز طلب کی ہے"۔

اس وقت شہنشاہ اور وزیر اعظم میں کچھ دیر گفتگو ہوئی۔ مغل سردار تک ان کی آواز تو نہ پہنچ رہی تھی مگر دونوں کے چہرے کے تاثرات سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ شہنشاہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے وزیر اعظم اس کی مخالفت کر رہا ہے مگر شہنشاہ آخر شہنشاہ تھا۔ اس نے وزیر کو شاید کچھ سخت سست کہا جس پہ وزیر اعظم نے منہ لٹکاتے ہوئے جواب دیا:

"شہنشاہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دوست مغلِ اعظم کے لیے ملک ختن کی حسین ترین چیز تحفہ میں پیش کر سکتے ہیں۔ اس چیز کا نام بتایا جائے جس کی اس نے خواہش کی ہے"۔

"میرے آقا نے کہا ہے"۔

مغل سردار نے گلا صاف کرتے ہوئے فرمایا:

"تاجدار زریں نے اس کے افسروں کے لیے جو تحائف بھیجے تھے وہ تمام کے تمام مغل افسروں میں اسی دن تقسیم کر دیے گئے جس دن وہ وہاں پہنچے تھے۔ میرے آقا نے ان میں سے ایک تحفہ بھی نہیں لیا کیونکہ زریں تاجدار نے ان کے لیے کوئی تحفہ نہیں بھیجا تھا"۔

مغل قاصد خاموش ہوا تو شہنشاہ نے اپنے وزیر سے مشورہ کر کے جواب دلوایا:

"ہمارے بادشاہوں کے بادشاہ، شہنشاہ چین فرماتے ہیں کہ انہیں اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ انہوں نے مغلِ اعظم کو کوئی تحفہ نہیں بھیجا۔ اس مرتبہ وہ اپنے دوست کے لیے شایانِ شان بلکہ بے نظیر تحفہ بھیجیں گے"۔

"اے ملکِ ختا کے زریں تاجدار"۔

مغل سردار نے سنبھل کر کہا:

"میرے آقا نے کہا ہے کہ اگر ہم دونوں میں صلح ہوتی ہے تو شہنشاہ کو ان کے ساتھ رشتہ داری کرنا ہو گی تاکہ صلح میں پختگی پیدا ہو جائے"۔

مغل قاصد کی بات کسی کی سمجھ میں نہ آ سکی۔

"اے مغل قاصد!"

وزیر اعظم نے اس کی وضاحت چاہی اور بولا:

"تم رشتے داری کرنے کو کہہ رہے ہو۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔ وضاحت کی جائے!"

مغل قاصد نے نہ صرف وضاحت کی بلکہ صاف صاف الفاظ میں کہا:

"یہ رشتے داری اس طرح ہو سکتی ہے کہ چین کے شاہی خاندان کی ایک خاتون ہمارے آقا کے عقد میں دی جائے۔ یہ خانِ اعظم کی خواہش ہے"۔

قبل اس کے کہ شہنشاہ کوئی جواب دیتا، وزیر اعظم بغیر اس کے مشورے اور صلاح کے بہت زور سے چیخ کر بولا:

"نہیں نہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چین کی شہزادی کی شادی چنگیز خان سے نہیں ہو سکتی۔ یہ شاہی خاندان کی توہین ہے"۔

وزیر اعظم کی بات ابھی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ شہنشاہ چین اچھل کر اپنے اژدہے والے تخت پر کھڑا ہو گیا اور پوری آواز سے چیخا:

"تم نرے احمق ہو۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ تمہیں وزیر اعظم کس بے وقوف نے بنایا ہے؟" اور حقیقت یہ تھی کہ خود اسی نے اس کو وزیر اعظم بنایا تھا۔

شہنشاہ کی چیخ سے پورا دربار لرز اٹھا۔

وزیر اعظم نے واقعی غلطی کی تھی۔ مغل قاصد کا مطالبہ درست تھا یا غلط، اس کا فیصلہ شہنشاہ کو کرنا تھا۔ وزیر اعظم کو کیا حق تھا کہ اس نازک معاملے میں اپنی ٹانگ اڑاتے۔ اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی اور وہ آہستہ آہستہ دربار سے نکل گیا۔

زریں تاجدار کا غصہ کچھ کم ہوا تو وہ دوبارہ تخت پر بیٹھ گیا اور اپنے ملازم خاص کو حکم دیا کہ مغل قاصد کا ہاتھ پکڑ کے اسے تختِ شاہی کے اس قدر قریب لے آئے کہ وہ قاصد سے براہِ راست سوال و جواب کر سکے۔

ملازمِ خاص مغل قاصد کو تخت کے بالکل قریب لے آیا۔

"اے ہمارے مغل دوست کے قاصد!"

زریں تاجدار نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ہمیں سن کر بہت خوشی ہوئی کہ تمہارا آقا چین کے شاہی خاندان میں رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس کی اس خواہش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی خواہش کے مطابق چین کے چن (کن) یاقن خاندان کی حسین ترین شہزادی کو اس کے عقد میں دینے کے انتظامات کا حکم دیتے ہیں"۔

ذرا رک کر اس نے مزید کہا:

"چونکہ یہ ایک شہزادی کی شادی ہے اس لیے اس کے انتظامات میں چند دن ضرور لگیں گے۔ ہم چاہتے ہیں

کہ جب مغلِ اعظم کی ہونے والی ملکہ کا جلوس مغل لشکر گاہ میں پہنچے تو ہر شخص پکار اٹھے کہ یہ واقعی چین کی کسی شہزادی کا جلوس ہے۔"

دربار پہ بالکل سناٹا طاری رہا۔

کسی کو چوں کرنے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ وہاں موجود ہر سردار ایک ایک کر کے شہنشاہ کے قریب گیا اور ہر ایک نے اس کے فیصلے کو سراہا۔

ایک سردار نے تو دبے الفاظ میں کہہ بھی دیا کہ اگر شہنشاہ وزیر اعظم کی بات پر عمل کرتے تو عین ممکن تھا کہ مغل لشکر ایک بار پھر ین کنگ پر حملہ آور ہو جاتا۔

دربار برخاست ہونے کے بعد شہنشاہ اپنے محل میں پہنچا اور اس نے فرمان جاری کیا:

"شاہی خاندان کی وہ تمام شہزادیاں جو اب تک کنواری ہیں اور انہیں گمان بھی ہے کہ وہ خوبصورت ہیں، وہ آج رات ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔"

ملکہ چین جو بوڑھی ہو چکی تھی اور اس وقت شہنشاہ کے ساتھ تھی، اسے خیال ہوا کہ شاید وہ اس عمر میں کسی دوشیزہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

"اے بادشاہوں کے بادشاہ اور میرے سر کے تاج!"

ملکہ نے اپنے اندیشے کے تحت فوراً اعتراض کیا:

"کیا ولی عہد شہزادہ کی والدہ شہنشاہ کے دل سے اس قدر اتر چکی ہے کہ وہ اس عمر میں ایک نئی نویلی دلہن بیاہنا چاہتے ہیں؟"

"نادان ملکہ!"

شہنشاہ چین ٹھٹھا مار کے ہنس پڑا:

"تمہاری عقل سٹھیا گئی ہے۔ ہم اس عمر میں ایسی کوئی حماقت نہیں کر سکتے جس سے ہمارے ولی عہد اور ملکہ چین کو ذرا سی بھی تکلیف ہو۔"

"مجھے اپنے پیارے شہنشاہ سے یہی امید تھی"۔ ملکہ خوش ہو کے بولی:

"مگر آپ ان لڑکیوں کو کیوں جمع کر رہے ہیں؟"

"ہمیں سب سے پہلے یہ بات تمہیں بتانا چاہیے تھی"

شہنشاہ نے جواب دیا:

"بات یہ ہے کہ سلطنتِ ختا کا سب سے بڑا دشمن یعنی شمال کا لیڈر خان جس سے اب ہماری دوستی ہو گئی ہے، اس نے اس دوستی کو مزید پختہ کرنے کے لیے یہ پیغام بھیجا ہے کہ شاہی خاندان کی ایک خوبصورت لڑکی اس کے عقد میں دی جائے۔

یہ سلطنتِ ختا کے لیے مبارک شگون ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم چنگیز خان کے عقد میں چین کی حسین ترین دلہن کریں جسے دیکھ کر اس وحشی کی عقل ٹھکانے آ جائے"۔

"شہنشاہ نے جو سوچا وہ بالکل درست ہے"۔

ملکہ نے زریں تاجدار کی رائے سے پورا پورا اتفاق کیا:

"مگر حسین ترین دوشیزہ کا انتخاب اتنی جلدی نہیں ہو سکتا"۔

"کیوں نہیں ہو سکتا"۔

شہنشاہ نے برا سا منہ بنایا:

"کیا شاہی خاندان والے ہمارے حکم پر عمل نہیں کریں گے اور اپنی لڑکیوں کو گھروں میں چھپا لیں گے؟"

"شہنشاہ کا یہ خیال بھی درست ہے"۔

ملکہ نے جواب دیا:

"ہو سکتا ہے کہ شاہی خاندان والوں کے دماغ میں فتور پیدا ہو جائے اور وہ اپنی بیٹیوں کو شاہی محل بھیجنے سے گریز کریں۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ شاہی خاندان کے بعض لوگ دارالسلطنت سے کچھ فاصلے پر آباد ہیں اور ممکن ہے ان تک شاید یہ خبر نہ پہنچ پائے اور وہ اس انتخاب میں حصہ نہ لے سکیں۔

اگر شہنشاہ مناسب سمجھیں تو لڑکیوں کو انتخاب کے لیے دو چار دن بعد بلایا جائے۔ اس کے علاوہ دور نزدیک ہر جگہ اس بات کی تشہیر کی جائے کہ شمال کے سفاک مغلوں سے ہماری صلح ہو گئی ہے اور اس صلح کو مضبوط بنانے کے لیے چین کی ایک شہزادی چنگیز خان کے عقد میں دی جائے گی"۔

شہنشاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اس کے مطابق اعلان کرا دیا گیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہی خاندان کی ہر شہزادی نے چنگیز خان کی ملکہ بننے کے لیے دل و جان سے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔

ملکہ چین کے پاس تو ہر دم دوشیزاؤں کا جمگھٹا لگا رہتا شروع ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ شہزادیاں اس کے گرد اس لیے منڈلا رہی ہیں کیونکہ انتخاب کا کام صرف شہنشاہ نہیں بلکہ ملکہ بھی اس کی مددگار ہو گی اس لیے اب ہر شہزادی ملکہ کی خدمت میں لگ گئی کہ وہ اسے چنگیز خان کے لیے پسند کرائے۔

چار دن بعد جب چینی دوشیزائیں زرق برق لباس پہنے، اٹکھیلیاں کرتی اور تبسم بکھیرتی شاہی محل کے دربار ہال میں جمع ہوئیں تو یوں معلوم ہوا جیسے وہاں نور و نکہت کا دریا امڈ آیا ہو۔

پُرغرور حسینائیں گردن تانے اکڑی اکڑی پھر رہی تھیں جیسے دلوں کی دنیا کو زیر و زبر کر کے رکھ دیں گی۔

باحیا اور شرم دار دوشیزائیں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی تھیں کہ ان کی شرمیلی نگاہوں سے کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔

ہر رنگ، ہر روپ، ہر ادا اور ہر بانکپن کی ناکتخدا چینی شہزادیاں پورے دربار ہال میں تتلیوں کی طرح اڑتی پھر رہی تھیں۔

زریں تاجدار اور ملکہ چین انتخاب کے لیے ہال میں داخل ہوئے تو تمام دوشیزائیں باادب ہو گئیں اور دلربائی کے انداز اختیار کر لیے تاکہ اسے پسند کر لیا جائے۔

اس وقت ہال میں تقریباً ۲۰۰ شعلہ جوالہ لڑکیاں موجود تھیں اور ہر لڑکی اس قدر خوبصورت تھی کہ اس پر آنکھ نہ ٹھہرتی تھی۔

ان لڑکیوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

شہنشاہ چین اور ملکہ نے دوشیزاؤں کی صفوں کے درمیان پہلا چکر لگایا۔ یہ چکر اگرچہ سرسری سا تھا لیکن شہنشاہ کے کہنے پر ملکہ نے ہر صف میں دس دس لڑکیاں الگ کر لیں۔

ان لڑکیوں کو ہال میں روک لیا گیا اور باقی سب لڑکیوں کو ایک ایک جڑاؤ ہار دے کر محل سے رخصت کر دیا گیا۔

منتخب کردہ ان تیس لڑکیوں کی بھی تین قطاریں بنا دی گئیں۔ اس طرح انتخاب کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا لڑکیوں کے سانس رکے ہوئے تھے۔

اس دفعہ ملکہ نے شہنشاہ کے مشورے سے ہر قطار سے ایک دوشیزہ کو پسند کر کے الگ کر لیا اور باقی کو وہ وہ جڑاؤ ہار دے کر رخصت کر دیا۔

منتخب کی ہوئی یہ تین لڑکیاں اس قدر حسین تھیں کہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق معلوم ہوتی تھیں۔ مصری اپسرائیں یا جنت کی حوریں۔ انہیں کوئی بھی نام دیا جا سکتا تھا۔

انتخاب کا آخری مرحلہ بہت وقت طلب ثابت ہوا۔

شہنشاہ اور ملکہ جب ایک لڑکی کو دیکھتے تو کہہ اٹھتے:

"یہی سب سے زیادہ خوبصورت ہے"۔

مگر جب ان کی نظریں دوسری پر پڑتیں تو ان کے دل پکارتے:

"یہ اس سے بہتر ہے"۔

اسی طرح جب تیسری لڑکی پر نگاہ پڑتی تو اسی پر جم کے رہ جاتی۔ جب وہ انتخاب کرنے سے عاجز آگئے تو شہنشاہ نے ایک نئی ترکیب نکالی۔

"ملکہ چین!"

اس نے بوڑھی ملکہ کو مخاطب کیا:

"تم حسین ترین لڑکی کا انتخاب کرو گی؟"

"میں آپ کے ساتھ انتخاب میں شریک ہوں"۔

ملکہ نے جواب دیا:

"مگر کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتی۔ پھر میں کس طرح انتخاب کروں گی!"

شہنشاہ نے وضاحت کی:

"تم انتخاب کرو گی لیکن کھلی آنکھوں سے نہیں، بند آنکھوں سے"۔

ملکہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا:

"میں سمجھ نہیں سکی، بند آنکھیں کس طرح انتخاب کر سکتی ہیں؟"

"میں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھے دیتا ہوں"۔

شہنشاہ نے سنجیدگی سے کہا:

"یہ لڑکیاں جس ترتیب سے کھڑی ہیں ان کی ترتیب بدل دیتا ہوں۔ تم ان لڑکیوں کے پاس جاؤ گی اور جس لڑکی کو پہلے ہاتھ لگاؤ گی وہی اوّل منتخب ہو گی"۔

"آپ نے تو بڑی پُر لطف ترکیب نکالی"۔
ملکہ نے مسکرا کر کہا:
"میں تیار ہوں مگر کیا اس طرح اندھوں کی طرح ٹٹولنا کچھ اچھا لگے گا؟"
"بس اب چوں چرا کی ضرورت نہیں"۔
شہنشاہ نے فیصلہ کر لیا:
"میں تمہاری آنکھوں پر رومال باندھ رہا ہوں۔ اپنا سر ادھر لاؤ"۔
ملکہ نے اپنا سر جھکا دیا۔ شہنشاہ نے اس کی آنکھوں پہ رومال باندھا۔ لڑکیوں کی ترتیب بدل دی اور ملکہ کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا:
"ملکہ اب تم سیدھی ان لڑکیوں کی طرف جاؤ گی اور جس لڑکی کو سب سے پہلے چھو لو گی، وہی منتخب سمجھی جائے گی"۔
ملکہ نے آہستہ آہستہ لڑکیوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہ محض ایک انداز سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اسے بالکل پتہ نہیں تھا کہ کون لڑکی کس جگہ کھڑی ہے۔
اس طرح ملکہ آگے بڑھتے بڑھتے ایک لڑکی سے ٹکرا گئی اور اس نے ٹٹول کر لڑکی کا ہاتھ نرمی سے گرفت میں لے لیا۔
شہنشاہ ملکہ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ملکہ کی آنکھوں سے رومال ہٹا دیا۔ ملکہ نے جس لڑکی کا ہاتھ تھاما تھا وہی منتخب ہو گئی۔
شہنشاہ نے لڑکی سے دریافت کیا:
"تیرا نام کیا ہے لڑکی؟"
"میرا نام سابوچی ہے"۔
لڑکی نے شرماتے ہوئے جواب دیا:
"میں کوتوالِ شہر کی بیٹی ہوں"۔
"بہت خوب!"
شہنشاہ نے خوش ہو کر کہا پھر اس سے پوچھا:
"سابوچی۔ کیا تو مغلِ اعظم کی بیوی بننا پسند کرے گی؟"
سابوچی کی نظریں جھک گئیں۔ اس نے کہا:

"اگر شہنشاہ اس سے میری شادی کر دیں تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی"۔
شہنشاہ خوش ہو گیا اور بولا:
"سابوچی۔ تو خوبصورت ہونے کے علاوہ عقلمند بھی ہے جب تو مغلِ اعظم کی بیوی بن کر اس کے پاس پہنچے تو اپنے شہنشاہ اور اپنے ملک ختا کو بھول نہ جانا"۔
"ہرگز نہیں"۔
سابوچی نے بھولے پن سے جواب دیا:
"میں اپنے ملک اور اپنے شہنشاہ اور ملکہ کو کبھی نہ بھولوں گی"۔
دوسرے دن شہر اور قلعہ میں اعلان ہو گیا کہ کوتوالِ شہر کی بیٹی سابوچی کا عقد مغلِ اعظم چنگیز خان کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اس لیے جو لوگ دلہن کو چڑھاوا دینا چاہتے ہیں وہ چڑھاوے کا سامان لا یا سونا شاہی خزانچی کے پاس جمع کرا دیں۔
اس اعلان کے ہوتے ہی شہر اور قلعہ کے ہر گھر سے چڑھاوے آنا شروع ہو گئے حسب حیثیت ہر گھر سے کچھ نہ کچھ چڑھاوا ضرور آیا۔
خزانچی اور میر منشی چڑھاوے لانے والوں کا نام اور ان کے چڑھاووں کی تفصیل ایک فہرست میں درج کرتے جا رہے تھے۔ جب یہ فہرست مکمل ہو گئی تو معلوم ہوا کہ شہر اور قلعہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے چڑھاوا نہ دیا ہو۔
اس دوران چین کے وزیر اعظم کو زریں تاجدار نے معاف کر دیا تھا اور اس شادی کے تمام انتظامات اسی کے سپرد تھے۔
وزیر اعظم چین اس کام میں اس قدر دلچسپی اور پھرتی دکھا رہا تھا جیسے وہ اپنی بیٹی بیاہ رہا ہے۔ سابوچی سے اس کا تھوڑا سا تعلق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ شہنشاہ چین نے سابوچی کے باپ کو کوتوالِ شہر سے اپنا نائب وزیر اعظم بنا دیا تھا۔
عقد کے موقع پر شہنشاہ، ملکہ، شاہی خاندان کے تمام افراد کے علاوہ بعض امرا اور وزرا کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر عقد کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔
اس کی وجہ یہ تھی کہ مغلوں میں شادی کی رسومات اور طرح کی تھیں اور چین میں کچھ اور طرح کی تھیں۔ اس لیے صرف یہ کیا گیا کہ چنگیز خان کے قاصد کو چنگیز خان کا نمائندہ بنا کر کھڑا کیا گیا اور دوسری طرف دلہن سابوچی کے باپ کو کھڑا کیا گیا۔

پھر سابوچی کے باپ نے اعلان کیا:

"میں زریں تاجدار اور شہنشاہ چین کی حقیر رعایا اور کنیز یعنی اپنی بیٹی شہزادی سابوچی کو مغلِ اعظم چنگیز خان کے عقد میں دیتا ہوں۔"

شہزادی سابوچی جو اس وقت عروسی لباس میں پری معلوم ہو رہی تھی، اپنے عقد کی رسم کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ پھر جب اس کے باپ نے چنگیز خان کا نام لیا تو اس نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

سابوچی کے باپ کے بعد چنگیز خان کی طرف سے اس کے قاصد نے اعلان کیا:

"میں اپنے آقا مغلِ اعظم چنگیز خان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ میں نے چین کی شہزادی سابوچی کو اپنے آقا چنگیز خان کے عقد میں قبول کیا۔"

اس کے ساتھ ہی مبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا۔ تمام موجود خواتین نے سابوچی کو اور مردوں نے اس کے باپ کو مبارک باد دی۔ اس طرح عقد کی یہ سادہ اور پُروقار تقریب اختتام کو پہنچی۔

مغل قاصد کو آئے ہوئے بہت دن ہو چکے تھے اس لیے اس نے اگلے ہی دن شہنشاہ سے واپس جانے کی اجازت لے لی!

ط

"اے زریں تاجدار۔ میرا آقا میری واپسی کا انتظار کر رہا ہے اس لیے مجھے واپس جانے کی اجازت دی جائے!"

"مغل قاصد!"

شہنشاہ نے ہنس کے جواب دیا:

"یاد رکھو اب ہم تمہارے آقا کے رشتہ دار ہو گئے ہیں کیونکہ چین کی شہزادی سابوچی اب مغلِ اعظم چنگیز خان کی بیوی ہے۔ پس شاہی خاندان کی اس دلہن کو پہلے ہم ضیافت دیں گے۔ اس کے بعد شاہی خاندان کے تمام افراد باری باری دلہن کو اپنے محل میں مدعو کر کے رونمائی کی رسم ادا کریں گے۔

ان محفلوں کے بعد امرا اور وزراء کو اجازت ہو گی کہ وہ دلہن کو اپنے اپنے گھر مدعو کریں اور حسبِ حیثیت نذریں پیش کریں۔ تم تو ابھی سے گھبرا گئے قاصد۔"

مغل قاصد سوچ میں پڑ گیا۔

"اے زریں تاجدار۔"

کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور بولا:

"آپ اپنے ملک میں جو رسمیں ادا کرنا چاہیں ضرور کریں لیکن یہ بھی خیال رکھیں کہ میرا آقا اس غیر معمولی تاخیر پر کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔"

شہنشاہ نے بھی ایک لمحہ سوچا پھر جواب دیا:

"ہم تمہیں اور شہزادی سالوچی کو جلد از جلد رخصت کرنے کی کوشش کریں گے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ شہزادی کو دربار ہال میں ضیافت دی جائے جس میں شاہی خاندان کے علاوہ ہمارے تمام ارکین سلطنت بھی بلائے جائیں۔ پھر ایک ہی دربار میں رسم رونمائی ادا کی جائے اور نذرانے پیش کیے جائیں۔"

مغل اس بات سے بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا:

"میں اس مہربانی کے لیے شہنشاہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

دربار ہال کی ضیافت بڑی شاندار تھی۔ اس رات شاہی خاندان کی تقریباً تمام حسیناؤں کا اجتماع تھا اور حسن کی ضیائیں فضا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مختلف قسم کی خوشبوؤں سے سارا ہال مہک رہا تھا۔ مغل قاصد کو اس محفل میں خاص طور پر بلایا گیا تھا۔ چونکہ وہ مغل اعظم کا نمائندہ تھا اس لیے اسے شہزادی سالوچی کے بالکل مقابل بٹھایا گیا تھا۔

قاصد نے پہلے شہزادی کو دور سے دیکھا تھا مگر اب وہ اس کے مقابل بیٹھی حسن کی کرنیں بکھیر رہی تھی۔ اس نے مغل خواتین اور چینی خواتین میں بڑا فرق محسوس کیا۔ چینی خواتین عام طور پر دبلی پتلی اور چھوٹے قد کی ہوتی ہیں جبکہ مغل خواتین تندرست و توانا اور دراز قامت ہوتی ہیں۔

شہزادی سالوچی کی رخصتی کے وقت بھی پورا شاہی خاندان، امرا اور وزرا معہ اپنی بیگمات کے موجود تھے۔

قلعہ کے باہر عام شہری صبح ہی سے قطاریں باندھے اپنی شہزادی کی رخصتی کا منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

ین کنگ کے قلعہ کو اس لیے بھی ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا کہ اس کے گرد چار مضبوط اور بلند فصیلیں تھیں۔ وہاں موجود افواج کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ چنگیز کو یہ تمام حالات معلوم تھے اسی لیے اس نے محاصرہ اٹھا لیا تھا۔

شام کے وقت شہزادی کی رخصتی کا جلوس ترتیب دیا گیا۔

سب سے آگے سو چھکڑوں پر کمخواب، ریشم اور ریشمی پارچہ جات تھے۔ اس کے بعد ۵۰ چھکڑوں پر شہزادی کی آرائش کا سامان تھا۔ پھر ۵۰ چھکڑوں پر شہزادی کی مشاطائیں اور گیسو سنوارنے والیاں،

دینے والی کنیزیں تھیں۔ ان کے علاوہ صرف لباس تبدیل کرنے والی درجن بھر سے زیادہ کنیزیں تھیں۔

مغل قاصد نے کنیزوں کی اس فوج پر سخت اعتراض کیا اور ان سب کو ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا اس لیے کہ مغل معاشرہ میں کنیزیں اور غلام رکھنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔

شہنشاہ چین کے بے حد اصرار پر صرف دو کنیزوں کو شہزادی سالوچی کی آراستہ و پیراستہ گاڑی میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔

ان کے پیچھے اس سامان سے بھرے ہوئے ۲۰۰ چھکڑے تھے جسے جہیز کہا جاتا ہے۔ اس سامان میں چینی محلات میں آرائش کے لیے استعمال ہونے والی تمام چیزوں کے علاوہ خالص سونے اور بہترین چینی سے بنے ہوئے کھانے اور پینے کے برتن تھے۔

کئی چھکڑوں پر شہزادی سالوچی کے زیورات بار کیے گئے تھے جن میں جواہرات کے ہاروں کے دس ڈبے تھے اور ہر ڈبے میں دس دس مختلف قسم کے ہار تھے۔ اتنے ہی چھکڑے خالص سونے سے بھرے تھے۔ یہ سونا اینٹوں کی شکل میں تھا۔

سب سے آخر میں دلہن سالوچی کی گاڑی تھی۔ اس پوری گاڑی کے گرد سونے کے پتر منڈھے ہوئے تھے۔ گاڑی کے ساتھ ایک ہزار چینی محافظ سواروں کا دستہ تھا اور دیگر سامان کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے ۵۰۰ مزید محافظ سوار مقرر کیے گئے۔ جو جلوس کے دونوں اطراف میں چل رہے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق شہزادی کے رخصتی کے اس جلوس کی لمبائی ۴ میل تھی۔

مغل قاصد کا گھوڑا جلوس کے آگے آگے چل رہا تھا اور وہ فخر و غرور سے سر بلند کیے گھوڑے پر یوں اکڑ کر بیٹھا تھا جیسے ملک ختا کو فتح کر کے واپس جا رہا ہو۔

یہ بات کچھ غلط بھی نہ تھی۔ چنگیز خان کا چین کے شاہی خاندان کی خاتون کو اپنی زوجیت میں مانگنے کا مقصد نہ تھا کہ اسے چین کی خوبصورتی پسند تھی اور مغل خواتین بدصورت اور بھدی ہوتی تھیں۔ یہ بات ہرگز نہ تھی

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔

میں شہنشاہ اکبر کی بیٹی، شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔

مجھے یقین ہے اور تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ میرا جد امجد مغل اعظم چنگیز خان اپنی جوانی کے زمانہ میں

عیاش نہ تھا پھر اب تو وہ سن رسیدہ ہو گیا تھا اور اس کے بیٹے جوان ہو گئے تھے۔

بات دراصل یہ تھی کہ چنگیز خان نے شاہی خاندان کی ایک خاتون کو اپنے عقد میں اس لیے طلب کیا تھا کہ اس سے چین کے کن خاندان کی تذلیل اور توہین ہو اور شہنشاہ چین کا غرور پاش پاش ہو کر رہ جائے۔ چین کے وزیر اعظم نے اسی وجہ سے اس رشتہ کی مخالفت کی تھی مگر شہنشاہ چین میں اتنی سکت نہ رہ گئی تھی کہ وہ چنگیز کے مطالبہ کو رد کر کے ایک نئی جنگ کو دعوت دیتا۔

چنگیز خان صحرا کے کنارے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔

شہنشاہ چین کے پاس بھیجا ہوا قاصد اب تک واپس نہ آیا تھا۔ اس نے قاصد کی واپسی کا جو اندازہ لگایا تھا' دن اس سے زیادہ گزر گئے تھے۔ اس کا فکر مند ہونا لازمی تھا۔

فکر اور الجھن کے زمانہ میں چنگیز خان کا مزاج ایک دم برہم ہو جایا کرتا تھا۔ اس کا برہم ہونا اس کے لشکر کے لیے اعلانِ جنگ ہوا کرتا تھا۔ پس مغل لشکر نے اپنا پھیلا ہوا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔

چنگیز خان کا غصہ بڑا اجلادی تھا مگر وہ غصہ کے عالم میں بھی عقل و خرد سے بیگانہ نہ ہوتا بلکہ بڑے تحمل سے حالات کا مشاہدہ کرنے اور جائزہ لینے کے بعد کوئی حکم صادر کیا کرتا تھا۔

اس نے زریں تاجدار کے پاس اپنا قاصد بھیجتے وقت ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر شہنشاہ چین نے شاہی خاندان کی ایک خاتون کو اس کے عقد میں دینے سے انکار کیا تو وہ پلٹ کر ایک بار پھر ین کنگ کا محاصرہ کرے گا خواہ اسے اس میں کچھ نقصان ہی اٹھانا پڑے۔

چنگیز خان نے دوبارہ جنگ شروع کرنے سے پہلے ایک اور تیز رفتار قاصد ین کنگ کی طرف روانہ کیا۔ اس قاصد کے جانے کے دوسرے دن اس نے ایک اور قاصد اس کے پیچھے روانہ کر دیا۔ اسی طرح مسلسل سات دن تک ایک ایک قاصد ین کنگ کی طرف بھیجا جاتا رہا۔

یہ تمام قاصد یکے بعد دیگرے شہزادی سالوچی کے جلوس سے ملتے گئے جو کئی روز پہلے ین کنگ سے روانہ ہو چکا تھا۔

شہزادی سالوچی کا جلوس چنگیز خان کی صحرائی خیمہ گاہ میں پہنچا تو مغل لشکری اس کی آن بان اور شان دیکھ کر حیران رہ گئے۔

چنگیز خان کو دلہن کے جلوس کے آنے کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے اپنے خاص ارخون (سپہ سالار) جبی نویان کو تاکید کر دی تھی کہ شہزادی کے ساتھ آنے والا سامان حفاظت کے ساتھ خیموں میں رکھوا دے۔

چینی شہزادی سالوچی کے استقبال کے لیے وہ خود اپنے خیمے سے نہیں نکلا بلکہ اس کے بیٹوں نے باپ

کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی سوتیلی ماں کی پیشوائی کی۔

دلہن کو سواری سے اتار کر اس کی دو کنیزوں کے ساتھ جو اس کی سہیلیاں تھیں، خیمہ خاص میں بھیج دیا گیا، جسے حجلۂ عروسی کہا جا سکتا ہے کیونکہ چنگیز اس خیمہ میں اپنی نئی نویلی دلہن سے ملاقات کے لیے گیا تھا۔

حسبِ معمول شہزادی کے ساتھ آنے والا تمام مال و اسباب سوائے ان زیورات کے جو اس وقت اس کے جسم پر تھے، مغل لشکریوں میں اسی طرح تقسیم کر دیا گیا جس طرح مالِ غنیمت بانٹا جاتا تھا حالانکہ یہ تمام سامان شہنشاہ چین نے شاہی خاندان کی ایک شہزادی کے جہیز میں دیا تھا اور اصولی طور پر اس سامان پہ شہزادی سالوچی کا حق تھا لیکن مغلوں میں تو اب چنگیز خان کے "یاسا" کا قانون رائج تھا جس کی رُو سے باہر سے حاصل ہونے والی ہر چیز پہ لشکر کا حق تھا۔

شہزادی سالوچی کے ین کنگ سے رخصت ہو کے مغل خیمہ گاہ میں ایک نئی جنگ کی تیاریاں جو شروع ہو گئی تھیں ان کا خاتمہ ہو گیا اور اب لشکر اپنے مستقر یعنی قراقرم واپس جانے کی باتیں ہونے لگیں۔

اسی دوران چنگیز خان نے حکم دیا کہ وہ تمام قیدی جنہیں مغل لشکر اپنے ساتھ پکڑ کر لایا تھا' ان سب کو تہ تیغ کر دیا جائے۔

پس صحرا کے کنارے قیدیوں کے جمِ غفیر کو قتل کر دیا گیا۔

مجھے اپنے دادا کی اس سفاکی کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ تاریخوں میں اس بربریت کی یہ تاویل بیان کی گئی ہے کہ مغلوں کا قاعدہ تھا کہ وہ قیدیوں میں سے ہنرمندوں، عالموں اور فاضلوں کو الگ کر کے باقی سب کو قتل کر دیتے تھے۔ اسی لیے کہ اس وقت تک مغلوں کے یہاں غلاموں اور کنیزوں کے رکھنے کا کوئی رواج نہ تھا۔

اسی طرح کے واقعات صرف اس وقت پیش آتے تھے جب مغل لشکر کسی بڑی مہم سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس جا رہا ہوتا تھا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ قیدی فاقہ کشی کے عالم میں ہزاروں میل طویل بنجر صحراؤں کو ننگے پیر طے بھی نہ کر سکتے تھے جن کے پار مغلوں کا وطن تھا۔ چنانچہ انہیں قید سے آزاد کرنے کے بجائے مغل انہیں قیدِ حیات سے ہی آزاد کر دیتے تھے بالکل اس طرح جیسے کوئی پرانے کپڑے اتار پھینکتا ہے۔

مغلوں کی نظر میں انسانی جانوں یا ہری بھری کھیتیوں کی کوئی اہمیت یا قیمت نہ تھی۔ ان کی خواہش تو یہ ہوتی تھی کہ زرخیز زمینوں کو ویران کر کے انہیں اپنے ریوڑوں کی چراگاہوں میں تبدیل کر دیں۔ جنگِ ختا کے بعد

مغل لشکری بڑے فخر سے کہتے تھے کہ انہوں نے ملک ختا کے بعض شہروں کو مسمار کر کے اس طرح زمین کے برابر کر دیا ہے کہ اگر اس تباہ شدہ شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوڑا دوڑایا جائے تو اسے کسی مقام پہ ٹھوکر نہ لگے۔

چینی شہنشاہ نے چنگیز خان کی ہر خواہش پوری کر دی تھی۔ اس نے اپنے افسروں کے لیے تحائف مانگے جو ایک خواہش نہ تھی بلکہ ایک فاتح کا حکم تھا جس کا مطلب تھا کہ:

"اگر تم یہ حکم نہ مانو گے تو ہم پھر واپس آ کر تمہارے شہروں کو تاراج کریں گے"۔

شہنشاہ اپنے شہروں کی تاراجی پر پہلے ہی پریشان تھا۔ شہر تاراج نہ ہوتے تھے بلکہ انہیں زمین کے برابر کر دیا گیا تھا۔

شہروں کی اس ویرانی کو اگر چشم تصور سے دیکھا جائے تو انسانی ذہن کے تمام دریچے پھڑ پھڑانے لگتے ہیں۔ چین کے شہنشاہ یعنی زریں تاجدار کے تصور میں یہی خوف ہو گا جس نے اسے مجبور کیا کہ وہ مغلِ اعظم کو اپنے سرداروں میں تقسیم کرنے کے لیے اس قدر کثیر تعداد میں تحائف بھیجے جس کا وہ تصور بھی نہ کر سکیں۔

چنگیز خان کا شہنشاہ سے تحائف طلب کرنا دراصل اسے چینی رعایا اور سرداروں کی نظروں میں ذلیل و خوار کرنا تھا۔ چنانچہ جب تحائف سے بھرے ہوئے چھکڑے دارالسلطنت ین کنگ سے روانہ ہوئے تو ہر ایک زبان پہ ایک ہی جملہ تھا:

"ان چھکڑوں میں شہنشاہ چین کا وقار اور طنطنہ مغلِ اعظم کے دربار میں بھیجا جا رہا ہے"۔

اور یہ بات ٹھیک بھی تھی۔ مغل اعظم نے ان تحائف کے قافلے کو ایک پھیکی اور مضحکہ خیز نظر سے دیکھا اور حکم دیا:

"ان تمام تحائف کو مغل دستوں کے سرداروں میں تقسیم کر دیا جائے"۔

چین کے زریں تاجدار کی اس تضحیک اور ذلت سے شاید چنگیز خان کا قہر انگیز دل مطمئن نہ ہوا اور اس نے فوراً زریں تاجدار سے اس کے تخت و تاج جیسی قیمتی چیز طلب کر لی۔ یہ تھی عوام و خواص کی عزت اور تخت و تاج کی حرمت۔

اس طلبی کے لیے اس نے بڑی ستم ظریفی سے کام لیا۔ اس نے شہنشاہ کو لکھا:

"اگر مغلوں اور چینیوں میں صلح ہی ہونی ہے تو شاہی خاندان کی ایک عورت میرے عقد میں دی جائے"۔

یہ بھی ایک فاتح کا شاطرانہ اور پُر جلال مطالبہ تھا۔ چین کے زریں تاجدار نے اس مطالبہ پر بھی سرِ تسلیم

خم کر دیا۔

دراصل شہنشاہ کے حوصلے اس قدر پست ہو چکے تھے کہ وہ چنگیز خان کا ہر مطالبہ پورا کرنے کو تیار تھا۔ اور اس کے صلے میں یہ چاہتا تھا کہ یہ بلائے ناگہانی پھر ین کنگ کا رخ نہ کرے۔

مغلِ اعظم کے اس جابرانہ مطالبہ پر زریں تاجدار نے سالوچی کو دلہن بنا کر چین کی تقریباً ایک چوتھائی دولت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق چینی شہزادی سالوچی کو مغلِ اعظم کے حضور میں ایک ہفتہ یا ایک مہینہ تک باریابی نصیب نہ ہوئی۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔

میں شہنشاہ بابر کی بیٹی، شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور شہنشاہ اکبر کی پھوپھی ہوں۔

میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ شہزادی سالوچی پر ایک ہفتہ یا ایک ماہ کے دوران جو کیفیت گزری، اگر وہ مجھ پہ گزرتی تو یا میں اس غم اور ذلت میں اپنی جان سے گزر جاتی یا پھر اپنے خیمہ کے سامنے اس بڑے خیمہ میں، جس میں چنگیز خان رہتا تھا اور جس کے دروازے پر دن رات میری آنکھیں اس کی آمد کے انتظار میں جمی رہتی تھیں، میں موقعہ پا کر اس خیمہ میں گھس جاتی اور خنجر اس کے سینے میں اتار دیتی یا اس کے خنجر کا نشانہ بن جاتی۔ اگرچہ اس میں دوسری بات کا امکان زیادہ تھا۔

مگر ـــ

بے چاری شہزادی سالوچی کچھ نہ کر سکی اور اس ذلت آمیز فراق میں صرف اپنا خون جلاتی رہی۔ پھر ایک رات اس کے خزاں رسیدہ چمن پر اچانک بہار سی آ گئی۔

مغلِ اعظم کا ایک ارخون شہزادی کے خیمے میں داخل ہوا اور پُر رعب لہجے میں بولا:

"ہمارے آقا چنگیز خان نے چینی شہزادی کو طلب کیا ہے"۔

ایک دلہن جو ایک ملک کی معزز شہزادی بھی تھی، اسے پہلی شب کو شوہر کی طرف سے بلائے جانے کا یہ انداز کس قدر ستم انگیز تھا جبکہ وہ نہ تو مغل رسم و رواج سے واقف تھی اور نہ اس وقت تک اسے کسی عورت نے دلہن کے رسم و رواج کی تربیت دی تھی۔

شہزادی سابوچی کا معصوم دل شاید کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ اس لیے اس نے نہ تو آنے والے کو کوئی جواب دیا اور نہ اس پُر رعب طلبی کی پروا کی۔

"ہمارے آقا نے چینی شہزادی کو طلب کیا ہے"۔

مغل ارخون نے اسی رعب سے دوبارہ مطالبہ کیا:

"اس کے حکم کی تعمیل کی جائے"۔

شہزادی کی طرف سے اب بھی کوئی ردِعمل نہ ہوا۔ ارخون نے شہزادی کی خاموشی کو اپنی توہین خیال کیا اور سخت لہجے میں بولا:

"چینی شہزادی کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں مغلِ اعظم کا تومان باشی ارخون ہوں۔ دس دس گیارہ گیارہ ہزار سوار میرے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔

آپ میرے آقا کا حکم نہ مان کر ان کی اور میری توہین کر رہی ہیں۔ آپ خود سے میرے ساتھ جانے پر تیار نہیں تو میں آپ کو زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا"۔

اتنا سننا تھا کہ شہزادی سابوچی جو بظاہر سیدھی سادی معلوم ہوتی تھی اور چپ چاپ مغل ارخون کی باتیں سن رہی تھی، ایک دم تڑپ کے اپنی جگہ سے اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے شعلہ جوالہ بن گئی۔ اس نے اپنے لباس کے کسی حصہ میں چھپا ہوا چھوٹا سا خنجر نکالا اور خیمہ کے جلتے بجھتے چراغ کی روشنی میں اسے چمکاتے ہوئے بولی:

"او مغل غلام! تجھے جرأت کیسے ہوئی کہ چینی شہزادی کو اٹھا لے جانے کا تصور بھی کرے۔ کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میرا پاک اور کنوارہ بدن تیرے آقا کی امانت ہے۔ میں لوٹ کا مال نہیں کہ تیرے ہاتھ میرے جسم کے نشیب و فراز کو ٹٹول سکیں۔

کاش اس وقت ین کنگ کا قلعہ ہوتا تو میں شاہی غلام کو حکم دیتی کہ شہزادی سابوچی کے جسم کو چھونے کے تصور کی پاداش میں تیری دونوں آنکھیں نکال کر تجھے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا جائے"۔

تند و تیز اور اکھڑ ارخون نے شہزادی سابوچی کو واقعی ایک معمولی ہستی خیال کیا تھا مگر جب اس نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تو ہوش ٹھکانے آ گئے۔

"چینی شہزادی.....

اس نے گھگھیانا شروع کر دیا:

"میں نے تو آپ کو مغلِ اعظم کا حکم ماننے کو کہا تھا مگر آپ خواہ مخواہ....

"چپ ہو جا گستاخ!"

شہزادی سابوچی چیخ پڑی:

"تو ایک ادنیٰ سردار، چین کی شہزادی اور مغلِ اعظم کی بیوی کو حکم دینے والا کون ہوتا ہے۔ میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جا ورنہ میں یہ خنجر تیرے سینے میں اتار دوں گی"۔

ارخون اور زیادہ گھبرا گیا۔

ایک طرف چنگیز خان کا حکم دوسری طرف چینی شہزادی کا غصہ۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کہے اور کیا کرے۔

اب اسے یہ فکر بھی لگ گئی تھی کہ شہزادی سابوچی کہیں چنگیز خان سے اس کی شکایت نہ کر دے۔ پس اس نے معذرت کا انداز اختیار کیا:

"شہزادی محترم۔ میرے کہنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا میں تو آپ کے لیے اپنے آقا کا پیغام لے کر.....

"جا نکل جا خیمے سے"۔

شہزادی غصہ سے کانپ رہی تھی:

"اپنے آقا سے جا کے کہہ دے کہ کیا تو نے چین کی شہزادی سے اس لیے شادی کی تھی کہ اس کے جسم کو تیرے ملازم اپنی انگلیوں کے مس سے ناپاک کریں"۔

ارخون، شہزادی سابوچی کو مزید کوئی جواب دیے بغیر چپ چاپ خیمے سے نکل گیا۔ پھر جب وہ چنگیز خان کے خیمے میں داخل ہوا تو اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

چنگیز خان اس وقت تنہا تھا۔ اس نے اپنے سرداروں کو خیمے سے رخصت کر دیا تھا کہ اس کے پاس اس کی نئی نویلی دلہن آ رہی تھی۔

ارخون کو خیمے میں تنہا آتے دیکھ کر وہ چونکا۔

پھر اس کی پتلیاں گھومیں اور وہ بھوکے شیر کی طرح دھاڑا:

"تجھے میں نے ایک کام سے بھیجا تھا"۔

"جی آقا"۔

ارخون نے مردہ آواز میں جواب دیا:

"میں آپ ہی کے کام سے گیا تھا"۔

چنگیز خان چند لمحے انتظار کرتا رہا کہ شاید ارخون آگے کچھ بیان کرے گا لیکن وہ گم صم کھڑا رہا۔ اب تو

چنگیز خان کا پارہ چڑھ گیا۔

"او پاگل۔"

وہ گرجا: "تو جواب دینے سے کیوں کترا رہا ہے۔ کہیں تو نے کوئی حماقت تو نہیں کی؟"

"جی ہاں آقا۔"

ارخون کا پورا بدن تھر تھرانے لگا:

"مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے۔"

"غلطی؟"

اور چنگیز خان سفید نمدے کی مسند سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا:

"تجھ پر آسمانی روحوں کی مار ہو۔ کہیں تیرے ہاتھ شہزادی کے جسم تک تو نہیں پہنچ گئے؟"

"نہیں آقا۔"

ارخون نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا:

"میں اس حد تک تو گستاخی نہ کر سکا۔ ہاں اگر شہزادی مجھے نہ روکتی تو میرے ہاتھ اس کی کمر تک ضرور پہنچ جاتے۔"

"میں تیرے ان ہاتھوں کو جسم سے الگ کر کے تیرے خیمے کے اوپر لٹکوا دوں گا۔" یہ کہتا ہوا چنگیز خان اپنے عظیم الشان خیمے سے نکلا۔

ارخون بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔

چنگیز خان نے پیروں کی آواز سنی تو رک کے پوچھا:

"کون ہے؟"

"میں ہوں آپ کا غلام۔ آپ کا مجرم"۔ ارخون کی آواز لرز رہی تھی۔

"تو کیوں آ رہا ہے؟"

چنگیز کا غصہ ابھی کم نہ ہوا تھا:

"کیا تجھے اپنے سر کی فکر نہیں۔"

"ہے آقا۔"

ارخون نے ہکلاتے ہوئے کہا:

"میں اس لیے آ رہا تھا کہ شاید شہزادی کو میری نادانی پر رحم آ جائے اور میرا سر سلامت رہ جائے"۔

"تیرا خیال غلط ہے او کتے۔"

چنگیز خان نے کمر میں لگا خنجر کھینچ لیا:

"کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ شہزادی تجھے معاف کر دے گی تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔ ہرگز نہیں۔ میں تیری بوٹیاں کتوں کو ڈلواؤں گا۔ واپس جا اور میرے یورت کے آگے کھڑے ہو کر اپنی موت کا انتظار کر۔"

چنگیز خان نے خنجر واپس کمر میں اڑس لیا اور قدرے پرسکون ہو کر شہزادی سابوچی کے خیمے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

شہزادی کی خدمت پر چنگیز خان نے صرف ایک کنیز مقرر کی تھی۔ دن میں وہ کنیز شہزادی کے ساتھ رہتی اور رات ہوتے ہی شہزادی اسے رخصت کر دیتی کہ کیا پتہ رات کے کس پہر اس کے خوابوں کا شہزادہ اس کا سجیلا شوہر چنگیز اس کے پاس آ جائے۔ مگر اس کا یہ خیال ایک ماہ سے خیال ہی رہا تھا۔ چنگیز نے بھول کر بھی اس کا رخ نہ کیا تھا۔

تاہم آج اس کا خیال حقیقت کا روپ دھار رہا تھا۔ وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ ایک سایہ بڑی بے نیازی مگر پورے وقار کے ساتھ اس کے خیمے کی طرف آ رہا تھا۔

شہزادی سابوچی نے کئی بار اپنے خیمے سے چنگیز خان کو چلتے پھرتے دور سے دیکھا تھا۔ اس نے سائے کے بڑھتے ہوئے انداز سے ہی پہچان لیا تھا کہ وہ سوائے چنگیز کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

چنگیز خان بے دھڑک شہزادی کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں اسے شہزادی کی پشت نظر آ رہی تھی جو اس کے آنے سے پہلے ہی منہ گھما کر کھڑی ہو گئی تھی۔

چنگیز خان نے خیمے میں داخل ہوتے ہی اپنے خیال میں بڑے نرم لہجے میں کہا:

"شہزادی! مجھے بہت افسوس ہے"۔

اس کا لہجہ نرم ہونے کے باوجود اتنا کرخت تھا کہ شہزادی چونک پڑی۔ اس نے پلٹ کر چنگیز خان کو دیکھا۔ پھر ایک عالم محویت میں بولی:

"میرے آقا، میرے سرتاج۔ آپ کس بات پر افسوس کر رہے ہیں؟"

"اس بات پر جو آج تمہیں پیش آئی"۔

چنگیز نے اسی کرخت لہجے میں کہا:

"کیا یہ بات کسی حادثہ سے کم ہے!"

شہزادی نے چھلکتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے ساتھ تو کوئی حادثہ پیش نہیں آیا میرے دیوتا"۔

اس نے بھیگی ہوئی آواز میں جواب دیا:

"ہاں ایک طربیہ ضرور پیش آیا ہے اور وہ یہ کہ میں اس وقت شہنشاہوں کے شہنشاہ، جرأت و شجاعت کے پیکر، منگول قوم کے آقا اور مغلِ اعظم کو اپنے خیمے میں دیکھ رہی ہوں۔

کیا یہ دیوتاؤں کی مہربانی نہیں کہ انہوں نے میری آرزوؤں کے پیکر کو میری دعاؤں کے صلے میں میرے پاس بھیج دیا ہے"۔

چنگیز خان کو پوری بات معلوم نہ تھی اس لیے اس نے شہزادی کی باتوں کا الٹا ہی مطلب سمجھا اور چونک کر بولا:

"تو کیا تم نے اس ذلیل کتے کے ہاتھوں کو اپنی طرف بڑھنے کی خود اجازت دی تھی؟"

"میرے سرتاج۔ میرے آقا"۔

شہزادی تڑپ کر بولی:

"کس کی ہمت ہے کہ وہ میری طرف ہاتھ بڑھائے۔ میں حکومت ختا کا وقار اور دنیا کے عظیم ترین تاج چنگیز خان کی آبرو ہوں۔

میں اس وقار اور آبرو کی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔ اگر کوئی ہاتھ بھولے سے بھی میرے بدن کی طرف بڑھے تو میں اسے قلم کر دوں گی"۔

"تو پھر..... تو پھر وہ کتا اپنی کس غلطی کا اعتراف کر رہا تھا؟"

چنگیز خان الجھتے ہوئے بولا:

"میں نے تو اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے"۔

"اس توماں باشی نے ایک غلط فقرہ ضرور کہا تھا"۔

شہزادی نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا:

"اس نے کہا کہ میرے آقا نے آپ کو طلب کیا ہے۔ میں خاموش رہی۔ اس نے یہ بات پھر دہرائی۔ میں پھر بھی اس خیال سے خاموش رہی کہ پتہ نہیں یہ کون ہے جو بغیر اجازت کے میرے خیمے میں گھس آیا ہے۔ میری خاموشی کو وہ غلط سمجھا اور اس نے بڑے غرور سے اعلان کیا کہ اگر میں اس کے ساتھ نہ گئی تو وہ مجھے زبردستی اٹھا لے جائے گا۔

اس پر مجھے طیش آ گیا اور میں خنجر کھینچ کے اس کے سامنے ہو گئی۔ میں نے اسے صاف الفاظ میں بتا دیا

کہ اگر اس نے زریں تاجدار کے وقار اور مغلِ اعظم کی آبرو کو چھونے کی کوشش کی تو میں خنجر اس کے سینے میں اتار دوں گی"۔

چنگیز خان حیران نظروں سے شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

"شہزادی سابوچی"۔

اس نے بے یقینی سے کہا:

"کیا تم نے توماں باشی کو واقعی یہ جواب دیا تھا؟"

"میرے سرتاج"۔

شہزادی نے فی الفور کہا:

"کیا آپ جیسی شہزادی کو اس قدر بے غیرت سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے جسم پر کسی غیر کو ہاتھ لگانے دے گی۔ ایسے موقعے پر تو صرف یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی اور دوسرے کی جان ایک کر دے۔ آبرو پر قربان ہو جانا ہی تو عورت کا اولین فرض ہے"۔

"شہزادی۔ میں تمہیں شاباش دیتا ہوں"۔

چنگیز خان نے بڑے خلوص سے کہا:

"مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ چین کے خاکستر ہوتے ہوئے شاہی ایوانوں میں ابھی غیرت کی چند چنگاریاں باقی ہیں"۔

اور شاید چینی شہزادی سابوچی کا یہ اظہارِ غیرت ہی تھا کہ چنگیز خان جیسا جابر و قاہر منگول اس وقت تک شہزادی کے خیمے کو شب باشی کا شرف بخشتا رہا جب تک چین سے یہ خبر نہ آئی کہ چین کا زریں تاجدار اپنا دارالسلطنت چھوڑ کے بھاگ گیا ہے۔ اس خبر نے اس علاقے کی سیاست کو ایک بار پھر جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

چنگیز خان پچھلے کئی برسوں سے چین پر مسلسل تاخت و تاراج کرتا اور موسمِ خزاں گزرنے پر شمال میں اپنے مستقر کی طرف واپس چلا جاتا تھا مگر یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس موسم میں واپس جانے کے بجائے صحرا کے کنارے ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔

یہ بات اس کے معمول کے خلاف تھی اور اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ اس بار اس کے ارادے کچھ اور ہی ہیں۔

چنگیز خان کا کسی جگہ قیام بھی تلاطم خیز سمجھا جاتا تھا پھر اس قیام کے دوران شہنشاہ چین سے اس کا اپنے افسروں کے لیے تحائف منگوانا، اس کے بعد ایک چینی شہزادی کو اپنی زوجیت میں دینے کا مطالبہ کرنا۔ یہ ایسی باتیں تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس سال واپس جانے کے بجائے شہنشاہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کر رہا ہے تاکہ اپنے تھکے ہوئے لشکر کو چین پر دوبارہ حملے کے لیے آمادہ کر سکے۔

پھر اچانک اس نے حکم دیا کہ تمام گرفتار شدہ قیدیوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ یہ وہ آخری کام تھا جو چنگیز خان اپنی واپسی سے پہلے کیا کرتا تھا۔

وہ اپنے لشکر کے ساتھ ان بھوکے پیاسے قیدیوں کو اپنے علاقوں میں لے جانا نحوست سمجھتا تھا اور انہیں قیدِ دُنیا اور قیدِ حیات دونوں سے آزاد کر دیا کرتا تھا۔

چنانچہ قیدیوں کے اس قتلِ عام کے بعد مغل لشکر کو یقین ہو گیا کہ اب ان کی واپسی میں کوئی بات حائل نہیں ہو سکتی۔ مگر اچانک خبر آئی کہ:

"چین کا زریں تاجدار اپنے سب سے بڑے بیٹے کو ین کنگ میں چھوڑ کر مغرب کی طرف بھاگ گیا ہے۔"

اس خبر یا افواہ کے پھیلتے ہی واپسی کے لیے چھکڑوں پر سامان لادنے کا کام روک دیا گیا۔ چنگیز خان کی شہزادی سالوچی کی طرف بھٹکی ہوئی نظریں ٹھہر گئیں اور اس کا رخ ین کنگ کی طرف ہو گیا۔ پھر مغلوں کے آقا نے حکم دیا:

"ٹھہرو اور انتظار کرو۔"

یہ قول مغل بزرگوں سے منسوب کیا جاتا ہے مگر زیادہ امکان ہے کہ یہ خود چنگیز خان کا قول تھا۔ اس سے پہلے اور بعد میں کوئی دوسرا مغل ایسا نہ پیدا ہوا جو چنگیز خان کی بہادری اور سفاکی و ذہانت کو پہنچ سکتا اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ یہ قول بھی اسی ذہین ستم گر اور لرزندۂ جہاں کا تھا جس نے عہدِ قدیم کے تمام اصولوں کو جھٹلا کر اپنا ایک الگ مذہب اور دستور بنایا۔ جس کا نام تھا:

"یاسا۔"

مغلوں کی اس دستوری کتاب میں درج ہے کہ:

"جب کوئی اہم فیصلہ کرنا ہو یا کسی اہم فیصلے میں کوئی دقت پیش آ رہی ہو

تو عجلت سے کام نہ لو بلکہ قدم روکو اور اس وقت تک انتظار کرو جب تک مطلع صاف نہ ہو جائے۔"

چنانچہ چنگیزی حکم ہوا کہ واپسی کی تیاریاں روک دی جائیں۔ تیروں کی نوکیں اور تلواروں کی دھاریں تیز کی جائیں۔

اس عرصہ میں مغلوں کی صحرائی خیمہ گاہ سے چین کے دار السلطنت ین کنگ تک تیز رفتار جاسوسوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر جاسوس سیدھا چنگیز کے خیمے میں جاتا اور رپورٹ دے کر فوراً واپس چلا جاتا تھا۔

پھر ایک دن چنگیز خان کا وہ جاسوس واپس آیا جسے ذہین چنگیز خان نے شہنشاہ چین کے دربار میں اپنا نمائندہ بنا کے رکھا تھا۔

شہزادی سابوچی کی شادی کی تمام رسومات اس نمائندے نے ادا کی تھیں مگر وہ شہزادی سابوچی کے ساتھ واپس نہ آیا تھا۔

یوں تو چنگیز خان تک ین کنگ کی بہت سی خبریں پہنچی تھیں مگر اسے اب تک اطمینان نہ ہوا تھا۔ پھر جب اس کا خاص جاسوس اس کے خیمے میں اچانک داخل ہوا تو چنگیز خان کے تفکر اور غم کی سلوٹوں سے لبریز چہرے سے اچانک مسکراہٹ جھانکنے لگی۔

"مجھے تمہارا ہی انتظار تھا قلیبا خان!"

چنگیز نے جیسے اپنے جاسوس کا استقبال کیا:

"ٹھیک تو ہو؟"

"بالکل ٹھیک ہوں آقا۔"

قلیبا خان نے سر جھکا کر عرض کی:

"آپ نے غلام کو یاد کیا اور میں حاضر ہو گیا۔"

چنگیز خان نے چبھتا ہوا سوال کیا:

"قلیبا خان۔ کیا تم نے آنے میں دیر نہیں کی، بہت انتظار کرنا پڑا مجھے۔"

"بے شک میرے آقا۔"

قلیبا خان نے سنبھل کے جواب دیا:

"اس تاخیر کا میں ذمے دار ہوں مگر یہ میری مجبوری تھی۔"

"کیا مجبوری تھی تمہیں؟"

چنگیز خان کا لہجہ سخت ہو گیا:

"کیوں اتنا انتظار کرایا تم نے؟"

دراصل اسے جاسوس کے اقبالِ جرم پر غصہ آ گیا تھا۔

"میرے آقا!"

جاسوس نے بڑی بے باکی سے جواب دیا:

"مجھ سے یہ گستاخی دراصل آپ کے حکم کی تعمیل میں ہوئی۔ آپ نے مجھے سفیر کے فرائض سونپتے ہوئے سختی سے تاکید کی تھی کہ میں شہنشاہ چین کے دربار سے ایک دن بھی غیر حاضر نہ رہوں۔ ملک ختا کو کسی صورت میں بھی نہ چھوڑوں۔

چنانچہ چین سرکار اور دربار میں کئی انقلاب آئے اور گزر گئے مگر میرے قدم شاہی دربار میں حاضری سے باز نہ آئے۔ میں واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہا اور اب جبکہ میں نے محسوس کیا کہ دربار ختا بے رونق ہو گیا ہے اور میرا وہاں ٹھہرنا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا تو پر لگا کے اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔"

"بہت خوب!"

چنگیز خان خوش ہو گیا:

"ہم نے تمہارا انتخاب سفارت کے لیے درست کیا تھا۔ تم اس پر پورے اترے۔ اس کی ہمیں خوشی ہے۔ اچھا اب تفصیل بتاؤ کہ وہ کیا حالات تھے جنہوں نے شہنشاہ چین کو ین کنگ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔"

"میرے آقا!"

قلیبا خان نے اطمینان سے کہنا شروع کیا:

"ملک ختا کا زریں تاجدار اگر ایک طرف بزدل ہے تو دوسری طرف اس کا دماغ بہت تیز ہے۔ ین کنگ کے قلعہ کا محاصرہ اٹھا کر جب مغل لشکر واپس ہوا تو زریں تاجدار کو یہ اطمینان ہوا تھا کہ آپ اس مرتبہ بھی سابقہ روایت کے مطابق لوٹ مار کر کے اور دولت سمیٹ کر واپس جا رہے ہیں بس اس نے قلعہ ین کنگ کے علاوہ تمام مسمار قلعوں کو از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دے دیا۔ فوجوں میں زور شور سے بھرتی شروع ہو گئی اور ین کنگ کی حفاظت

کے لیے کئی اور فصیلیں بننا شروع ہو گئیں۔

میں ان باتوں کو غور سے دیکھ رہا تھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ شاید زریں تاجدار خود کو اس قابل بنانا چاہتا تھا کہ ملک ختا پر حملہ کی صورت میں وہ قلعہ بند ہو کے لڑنے کے بجائے میدانِ جنگ میں حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے انداز اور لہجے میں آہستہ آہستہ وقار اور تمکنت پیدا ہو رہا تھا کہ اچانک آپ کے قاصد نے ین کنگ کے دربار میں پہنچ کے بڑی بے باکی سے مطالبہ کیا:

"تمام مغلوں کے بادشاہ اور ہمارے آقا چنگیز خان نے پیغام دیا ہے کہ ہماری اور تمہاری لڑائی کے متعلق اب تمہاری کیا رائے ہے؟

دریائے ہوانگ ہو کے شمال کے سارے صوبے میرے قبضے میں ہیں۔ میں واپس جا رہا ہوں لیکن کیا تم میرے افسروں کو تحائف سے خوش کیے بغیر واپس جانے دو گے؟"

آپ کا یہ پیغام دوستی کے پردے میں ایک نئی جنگ کی دھمکی تھی اور زریں تاجدار نے اسے انہی معنوں میں سمجھا۔ تاہم وہ کوئی نئی جنگ چھیڑنے کے لیے کسی طور آمادہ نہ تھا۔ اس کے بیٹوں، کن خاندان کے معمر اشخاص، فوج کے سرداروں اور تمام دانشوروں نے اسے سمجھایا کہ چنگیز خان کا لشکر تھکا ہوا ہے۔ اس کے سپاہی واپس جانا چاہتے ہیں۔ پس یہ جنگ کے لیے بہترین موقع ہے۔ چینی فوجوں کو قلعہ سے باہر نکالیے اور مغلوں پہ حملہ کر کے ہمیشہ کے لیے اس خطرے کا سدِباب کر دیجیے۔

مگر — شہنشاہ نے اپنے سرداروں کے مشورہ کے خلاف پیغام کے جواب میں تحفے ارسال کر دیے اور جب آقا نے شاہی خاندان کی ایک شہزادی کو اپنے عقد میں مانگا تو شہزادی سابوچی کو دھوم دھام سے ادھر بھیج دیا۔ میرے آقا...."

"چپ ہو جا قلیبا!"

چنگیز خان نے اپنے جاسوس کو ڈانٹا:

"کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تیری ان کہانیوں سے ہم تیرے مرتبے میں اضافہ کر دیں گے۔ تیرے پاس کہنے کیلیے کوئی نئی بات نہیں تھی تو ین کنگ کا دربار چھوڑ کے کیوں آیا۔

ہم تو یہ بھی جانتے ہیں کہ زریں تاجدار اپنا تخت و تاج اپنے بیٹے کے حوالے کر کے چلا گیا ہے۔ اس سے آگے کچھ بتانا چاہے تو کہہ۔ ورنہ چپ چاپ خیمے سے نکل جا!"

جاسوس خوف سے لرز گیا۔ اس نے کہا:

"مجھ سے غلطی ہوئی میرے آقا۔ میں سمجھا کہ یہ خبریں اب تک خیمہ گاہ میں نہیں پہنچیں...."

"یہ تو دوسری غلطی کر رہا ہے قلیبا خان۔"

چنگیز خان کا لہجہ ایک دم نرم پڑ گیا:

"تو نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ تیرا آقا صحرا کے کنارے پڑاؤ ڈالے عیش و عشرت کے مزے لوٹ رہا ہے۔ یاد رکھ قلیبا۔ مغل بادشاہ جاگتا ہے۔ اس کی رعایا سوتی ہے۔ اگر بادشاہ خود سو جائے تو رعیت اس سے بغاوت کر دیتی ہے۔

مغلوں کا یہ عظیم لشکر اس لیے یکجا ہے کہ اس کا بادشاہ دیکھنے میں تو لشکر گاہ میں ہے مگر اس کا دل، دماغ اور ذہن سب کے سب دشمن کے خیموں میں جھانکتے پھرتے ہیں۔"

"سچ کہتے ہیں میرے آقا۔"

قلیبا خان نے لجاجت سے کہا:

"میں نادان ایسی باریک باتوں کو کس طرح سمجھ پاتا!"

"تو پھر بہکنے لگا قلیبا۔"

چنگیز خان نے ایک بار پھر اسے ٹوکا:

"ہمیں زریں تاجدار کے بھاگ جانے کے بعد کے واقعات بتا۔ کسی تمہید کے بغیر خالص حقائق بیان کر۔"

"بہتر ہے میرے آقا۔"

اور جاسوس نے ایک جھرجھری لے کر کہنا شروع کیا:

"جس وقت شہنشاہ نے اعلان کیا کہ وہ ین کنگ کے بجائے جنوبی مستقر پہ قیام کے لیے جا رہا ہے تو چینیوں کے مشیروں، ین کنگ کے حاکموں اور خاندان کے عمر رسیدہ امرا میں سخت بے چینی پیدا ہوئی اور ان کے ایک وفد نے زریں تاجدار سے ملاقات کی۔ اسے سلطنتِ ختا کے وقار کا واسطہ دیا کہ وہ ین کنگ نہ چھوڑے ورنہ ملک بھر میں بغاوت ہو جائے گی لیکن شہنشاہ نے کسی کی نہ مانی اور صاف الفاظ میں کہا کہ یہ فیصلہ شہنشاہ کے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور اس پر اب کوئی بات نہ کی جائے...."

"تمہیں اس کے علاوہ کچھ اور بھی کہنا ہے؟" چنگیز خان نے سخت لہجہ میں پوچھا۔

"صرف ایک بات اور کہنا ہے میرے آقا۔" قلیبا نے عرض کیا۔

"کونسی بات...."

چنگیز خان کو غصہ آ گیا تھا:

"جلد کہو اور میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔"

"میرے آقا!"

قلیبا نے جواب میں بتایا:

"شہنشاہ کے دارالسلطنت سے نکلتے ہی بغاوت ہو گئی....."

"نکل جاؤ میرے یورت سے"۔

چنگیز خان شیر کی طرح دھاڑا:

"تم جاسوسی کے قابل نہیں ہو۔ ختا کے دربار میں ہم دوسرا آدمی بھیجیں گے"۔

چنگیز خان کو قلیبا کی طرف سے بہت مایوسی ہوئی تھی۔ جس روز قلیبا کو معزول کیا گیا، اسی دن چنگیز کے ایک گشتی جاسوس نے اسے اطلاع دی:

"ملک ختا کا شہنشاہ اپنے محل کے لوگوں کو ساتھ لے کر بھاگا ہے۔ وہ اپنے ملک کے قلب کو اس طرح خالی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ین کنگ میں بادشاہت کا خول بھی نہ رہے، اس لیے اس نے شاہی خاندان کے سب سے اہم رکن یعنی ولی عہد کو وہاں چھوڑا ہے تاکہ اس کی رعایا کو تسلی رہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ین کنگ کی حفاظت کے لیے وہ ایک طاقتور فوج بھی چھوڑ گیا ہے....."

اس کے بعد دوسری خبر یہ آئی کہ:

"پرانے امرا کو جس افراتفری کا اندیشہ تھا وہ شروع ہو گئی ہے۔ بعض سپاہی، جنہیں شہنشاہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، وہ اس سے باغی ہو کر راستے ہی سے واپس آ گئے ہیں اور ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے ہیں"۔

چین کے دارالسلطنت میں ایک طرح کی بغاوت شروع ہو گئی تھی۔ اس موقع پر چین کے اعلیٰ نسب امرا، شہزادوں اور عمالِ سلطنت نے چین کی روایتی "قسم کھانے اور حلف اٹھانے" کا فیصلہ کیا۔

اس قسم کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ جو لوگ قومی روایتی قسم کھانے کے لیے تیار ہوتے وہ سڑکوں پر جمع ہو جاتے اور بارش ہونے کا انتظار کرتے۔ پھر جب تک بارش نہ ہوتی یہ لوگ وہاں سے نہ جاتے۔ ان کے کھانے پینے اور شب بسری کا سامان سرکاری طور پر کیا جاتا۔

اس طرح کے حلف اور قسم کا مظاہرہ عام طور پر اس وقت ہوتا جب ملک ختا پر کسی بڑے غنیم کے حملہ کا خطرہ ہوتا تھا۔

چنگیز خان نے ملک ختا پر حملہ کر کے اسے بہت زیادہ نقصان پہنچایا تھا مگر شہنشاہ نے حلف یا قسم کھانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

دراصل چین کے زریں تاجدار نے شروع میں چنگیز خان کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ چین کا کروڑوں کا لشکر اسے پیس کر رکھ دے گا اس لیے اس نے حلف یا قسم کھانے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی لیکن جب ضرورت محسوس ہوئی تو وہ ملک چھوڑ کر ہی بھاگ گیا۔

اب ملک کی حفاظت اور کاروبارِ سلطنت چلانے کا پورا بوجھ عوام پر آن پڑا تھا۔ ان عوام میں شہزادے تھے، ملک کے دانشور تھے، امرا اور عمالِ سلطنت تھے۔ فوجی اعلیٰ افسر تھے اور ادنیٰ سپاہی بھی تھے۔ اب ان میں کوئی بڑا چھوٹا نہ تھا۔ انہیں حکم دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ وہ خود ہی حاکم اور خود ہی محکوم تھے۔ ان سب کا مقصد نصب العین اور مطمح نظر ایک تھا اور وہ یہ کہ وہ ملک ختا کے وفادار رہیں گے اور دشمن سے جنگ جاری رکھیں گے۔

اس طرح قسم کھانے والوں کا یہ گروہ جس میں ہر پیشہ اور ہر مکتبِ فکر کے نمائندے شامل ہوتے، وہ ننگے سر ین کنگ کی سب سے بڑی شاہراہ پر جمع ہو جاتے اور جادوانی نیلے آسمان کی طرف صبح سے شام تک دیکھتے رہتے کہ کب بارش ہو اور ان کے سر بھیگیں تاکہ وہ گڑگڑا کر قسم کھائیں اور دعا مانگیں۔

روایت ہے کہ یہ نمائندہ گروہ دس دن تک اسی طرح کھلے آسمان تلے پڑا رہا۔ ان لوگوں کو کھانا اور پانی دینے کے لیے چاق و چوبند غلام ان کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے اور انہیں جس چیز کی ضرورت ہوتی وہ ان کے اشارے پر مہیا ہو جاتی۔

دس دن کے بعد ان کی سنی گئی اور جھاجھم الیاٹوٹ کے پانی برسا کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ یہ پوری بارش ان کے کھلے ہوئے سروں سے گزر گئی۔ کپڑے اور جوتے تک پانی میں شرابور ہو گئے مگر وہ سب اپنی اپنی جگہ ڈٹے اور جمے رہے۔

پھر اس بارش کے دوران چینیوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کی آواز بلند ہوئی:

"ہم صدقِ دل سے قسم کھاتے ہیں کہ ہم کن خاندان کے ولی عہد اور امرا کا ساتھ دیں گے۔

اے آسمان سے برسنے والے پانی! تو ہماری قسم کا گواہ رہنا۔ ہم تیرے سامنے حلف اٹھاتے ہیں کہ ہم شاہی خاندان کے وفادار رہیں گے۔

ہمارا تاجدار ہمیں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے مگر ہم دشمنوں سے جنگ جاری رکھیں

گے۔ اے آسمان سے برسنے ہوئے پانی! تو ہمارا گواہ رہنا"۔

بھیگے ہوئے چینیوں کی اس قسم کا ایک عجیب ردِعمل ہوا۔ چین کے شہنشاہ وائی وِنگ کے ملک و قوم کو بے سہارا چھوڑ جانے سے عوام دلبرداشتہ، پژمردہ اور بے دل ہو گئے تھے اور ان کی تمام سپاہیانہ قوتوں کو جیسے کسی نے سلب کر لیا تھا مگر چینی قوم کے نمائندوں نے جس دن یہ قسم کھائی اسی دن وفاداروں کی پرانی اور جاگتی روحِ عمل جیسے نئے سرے سے بیدار ہو گئی۔ ان کے پیلے چہروں پر سرخی دوڑ گئی اور رگوں میں جیسے پارہ گردش کرنے لگا۔

ادھر چینی رعایا اور عمالِ حکومت میں ایک نئی قوتِ عمل پیدا ہوئی اور دوسری طرف بھگوڑے شہنشاہ نے ایک اور بری حرکت کی۔

خود ساختہ معزولی اختیار کرنے والے شہنشاہ نے ایک قاصد کے ذریعے ایک شاہی فرمان بھیجا جس میں صرف ایک جملہ لکھا تھا:

"ولی عہد شہزادے کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے"۔

فرمان کے نیچے شہنشاہ وائی وِنگ کے دستخط تھے اور تاکیداً لکھا تھا:

"اس فرمان پر فوراً عمل کیا جائے"۔

چین کے بہادر اور جری سپاہیوں نے اس فرمان کی سخت مخالفت کی! ایک نے کہا:

"ہم ولی عہد کو جنوب میں نہیں جانے دیں گے"۔

دوسرے نے کہا:

"شہنشاہ کے جانے کے بعد ولی عہد ہی ہمارا شہنشاہ ہے۔ ہم اپنے شہنشاہ کو کیسے جدا کر سکتے ہیں؟

"شہنشاہ نے ہم سے بے وفائی کی ہے"۔

ایک اور بہادر جس کے خون میں زیادہ گرمی تھی، چیخ کے بولا:

"پھر ہم اس کے وفادار کیوں رہیں۔ فرمان پھاڑ کے پھینک دیا جائے"۔

ایک جوان جو اس سے بھی زیادہ منچلا تھا، اس نے لپک کے قاصد کے ہاتھ سے فرمان چھین لیا اور اس کے پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دیے۔

"ہم شہنشاہ کے حکم کی پابندی نہیں کر سکتے۔ ولی عہد اب ہمارا شہنشاہ ہے۔ ہم نے بارش میں ننگے سر کھڑے ہو کر اس سے وفاداری کی قسم کھائی ہے۔ ہم اس عہد سے کیسے پھر سکتے ہیں"۔

پھر تمام بڑے بڑے امرا، جرنیلوں اور دانشوروں نے ولی عہد سے درخواست کی کہ وہ اپنی رعیت

کے لیے تازہ احکامات جاری کریں۔

شہزادہ بڑے پُروقار انداز میں کھڑا ہوا۔

"آپ لوگوں نے جو کچھ کیا۔ درست کیا ہے"۔

اس نے بڑے دبنگ لہجے میں کہا:

"میں اس سے پورا اتفاق کرتا ہوں مگر ہم سب نے دیوتاؤں کے سامنے شہنشاہ سے وفاداری کی قسم کھائی ہے اور اس کے ہر حکم کو بجا لانے کا عہد کیا ہے۔ پھر ہم شہنشاہ کے فرمان کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں۔ ہم دیوتاؤں سے کیے ہوئے عہد کو کیسے توڑ سکتے ہیں۔ مجھے جنوب میں اس کے پاس جانا ہوگا"۔

ولی عہد یہ کہہ کر بیٹھ گیا۔

امیروں، وزیروں اور فوجیوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ حیرت اور بے بسی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔

"ولی عہد بہادر"۔

کمن سال چینیوں نے کہا:

"آپ ہمیں چھوڑ کر نہ جائیے۔ آپ تو ملک ختا کے نیّرِ درخشاں ہیں۔ آپ چلے گئے تو ہر طرف اندھیرا پھیل جائے گا۔ ہمیں راستہ کون دکھائے گا"۔

"میرے بزرگو"۔

شہزادے نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا:

"ہماری زندگی شہنشاہ سے وفاداری کے عہد سے بندھی ہوئی ہے۔ اس زندگی میں تو ہم شہنشاہ کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ میں اپنا عہد نہ توڑوں گا۔ تم لوگ چاہو تو اپنی مرضی سے جو چاہو کر سکتے ہو"۔

شہنشاہی اپنے پورے جاہ و جلال اور طمطراق کے باوجود پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھی جاتی۔ شہنشاہی میں رعایا کے لب بند اور صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں۔ شاہ کے ہر حکم کو خدائی حکم جان کے اس کے سامنے سر جھکانا ہی وفاداری سمجھا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ شہنشاہی میں افراد کی "نفی" ہو جاتی ہے۔ وہ صرف حکم ماننے کے علاوہ اور کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔

دوسرے دن ولی عہد کے ساتھ جانے کے لیے صرف تین سپاہی تیار ہوئے جن کے ساتھ وہ ین کنگ سے روانہ ہوا۔

ولی عہد کو کسی نے الوداع نہیں کہا۔ کسی کی آنکھوں میں اشک نہیں آئے۔ ولی عہد کے جانے کا افسوس تو سب کو ہوا مگر غصہ کسی کو نہیں آیا۔ حالانکہ وہ اس سے پوچھ سکتے تھے کہ:

اے بھگوڑے! تو نے جس قلعہ میں آنکھ کھولی۔ جس ملک کی آب و ہوا نے تیرے جسم کی پرورش کی اور جن پیاروں کی محنتوں اور محبتوں نے تجھے عزت و وقار دیا تو ان سب سے اس لیے منہ موڑ رہا ہے کہ تجھے ملک ختا اور قلعہ ین کنگ کے گرد اپنی موت منڈلاتی نظر آتی ہے!"

مگر کسی نے زبان نہ کھولی اور بُت بنے وہ سب ولی عہد کو جاتا دیکھتے رہے!

ملک ختا کا شہنشاہ ہو یا ولی عہد، اور صرف ملک ختا کا ہی کیا منحصر، بادشاہوں اور ولی عہدوں کی ذات ہی ایسی ہوتی ہے کہ جب ملک پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ رعایا کو مصیبت کے حوالے کر کے خود کسی محفوظ مقام پر چلے جاتے ہیں۔

پھر جب یہ مصیبت گھروں کے گھر صاف کر کے ہزاروں کو مجہول و معذور کر کے چلی جاتی ہے تو وہ ایکبار پھر اس اجڑے بکھرے ملک میں اپنی بادشاہت کا دعویٰ جتانے واپس آ جاتے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ معصوم اور بھولی بھالی رعایا انہیں پھر اپنے سروں پر اٹھا لیتی ہے۔ اسے کہتے ہیں بادشاہ گردی اور بادشاہ پرستی!

مگر۔۔۔ اس دفعہ معاملہ الٹا ہو گیا۔

ختا کے شہنشاہ اور ولی عہد کے چلے جانے کے بعد قلعہ ین کنگ میں شہنشاہ کی جو باقیات رہ گئی تھیں ان میں شاہی خاندان کی چند خواتین، خواجہ سرا اور کنیزیں تھیں۔ جنہیں شاہ نے خود اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور ولی عہد کے ساتھ انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔

شاہی خاندان کے رخصت ہوتے ہی رعایا نے ایک نئی کروٹ لی۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ ہر طبقۂ فکر کے نمائندوں نے موسلا دھار بارش میں کھڑے ہو کر قسم کھائی تھی کہ وہ ولی عہد اور ملک و ملت کے وفادار رہیں گے۔ اب شہزادہ تو نا پید ہو گیا صرف ملک و ملت باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ پوری رعیت نے یک زبان ہو کر ملک و ملت سے رشتہ جوڑا۔ اس رشتہ نے

انہیں نیا عزم اور ولولہ دیا۔

وہ برہنہ تلوار کی طرح ملک و ملت کے نام پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے پاس نہ ذرائع کی کمی تھی اور نہ افرادی قوت کی کمی۔

چینیوں نے اپنے طور پر ایک مجلس عمل قائم کی اور بڑے بڑے سرداروں میں انتظامی اور عسکری ذمے داریاں تقسیم کر دیں۔

فوری طور پر چند فوجی دستے تیار کیے گئے جو کہنے کو تو دستے تھے مگر ہر دستے میں فوجیوں کی تعداد کم از کم ۲۰ ہزار تھی اور یہ دستے تعداد میں ۲۰ سے زیادہ تھے۔ اس طرح چینیوں نے چار دن کے اندر چار لاکھ فوج میدان میں کھڑی کر دی۔

فوج کے یہ دستے نمائشی نہ تھے۔ پس انہیں فوری فوجی کارروائی کا حکم دیا گیا تاکہ مغلوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔

چنگیز خان نے اپنی واپسی کے وقت جگہ جگہ محافظ دستے مقرر کیے تھے۔ اس طرح اس نے ایک درجن سے زیادہ فوجی چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ ان چوکیوں میں مختصر مغل فوج رہتی تھی۔ یہاں تازہ دم گھوڑے ہر دم تیار رہتے تھے اور چین میں رونما ہونے والے چھوٹے بڑے واقعات و حالات کی خبریں چنگیز خان کو روانہ کرتی رہتی تھی۔

چین کے وفادار امراء نے جو آگ جلائی تھی وہ آتش کدہ بن گئی۔ چینی فوجی دستے برق و باراں بن کر مغل محافظ دستوں اور چوکیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ وہ اس قدر جوش و خروش سے لڑے کہ مغل فوجی حیران و پریشان رہ گئے۔

مغلوں کی تعداد بہت کم تھی اور چینی بیس بیس ہزار کے ٹڈی دل سے حملہ آور ہو رہے تھے جس کے نتیجے میں مغل چوکیوں کا صفایا ہو گیا اور ان کا بہت جانی نقصان ہوا۔

ان وفادار چینی دستوں کے ہاتھوں سب سے زیادہ تباہی لیاؤ تنگ کے شہزادوں پر آئی۔ چنگیز خان کے چین پر حملوں سے پہلے لیاؤ تنگ کا علاقہ دیوار چین کے ساتھ ساتھ تھا اور اس کے حکمران شہزادے شہنشاہ چین کے باجگزار تھے اور دیوار چین کے محافظ کہلاتے تھے۔

پھر جب مغلوں نے چین پر حملے شروع کیے اور دیوار چین بھی ان کو نہ روک سکی تو لیاؤ تنگ کے ان شہزادوں نے چنگیز خان کی چاکری کر لی۔

چینی افسران شہزادوں کے سخت خلاف تھے اور انہیں غدار کہتے تھے۔ اب جو چین میں نئی فوج تیار

ہوئی تو اس نے صرف مغل چوکیوں ہی کا صفایا نہیں کیا بلکہ لیاؤ تنگ پر ایک زبردست حملہ کیا۔

لیاؤ تنگ کے شہزادے بڑے بہادر تھے پھر ان کی پشت پر چنگیز خان تھا۔ ان پر حملہ[1] ہوا تو انہوں نے فوراً خیمہ گاہ کی طرف قاصد دوڑائے۔

چنگیز خان اب تک "ٹھہرو اور انتظار کرو" کے عالم میں صحرا کے جنوبی کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور حالات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کے تیز رفتار قاصد ہر طرف سے خبریں لے کر پہنچ رہے تھے۔ پھر جب حالات پوری طرح اس کی سمجھ میں آگئے تو اس نے تیزی سے اقدام کیا۔

چنگیز خان کے پاس جو دستہ سب سے زیادہ کارآمد تھا اسے اس نے جنوب میں دریائے ہوانگ ہو[1] کی طرف روانہ کیا کہ وہ ختا کے تاجدار کا تعاقب کرے۔

ایک جرار اور تیز رفتار دستہ لیاؤ تنگ کے شہزادوں کی مدد کے لیے بھیجا گیا۔ شہزادوں کے لیے یہ مدد بڑی بروقت تھی کیونکہ چینی فوجوں نے ان پر یلغار کر رکھی تھی۔

چونکہ چینی فوجیں ان سے انتقامی جنگ لڑ رہی تھیں اور لیاؤ شہزادوں کو غدار سمجھتی تھیں اس لیے ان کے خلاف بڑے جوش میں تھیں مگر جب اچانک چنگیزی مدد پہنچی اور چینیوں نے مغلوں کا روایتی پرچم دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔ میں شہنشاہ بابر کی بیٹی، شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور تاجدار ہند اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔

میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ میرے اجداد کے پرچم کے ساتھ یاک (پہاڑی بیل) کی دُمیں لٹکتی رہتی تھیں۔ یاک منگولیا اور شمالی چین کے تمام علاقوں میں محنت اور جفاکشی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ ان دُموں

۱۔ شاید یہ دریائے ہوانگ ہو تھا جسے چین کا غم کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دریا میں ہر سال شدید سیلاب آتا تھا جس سے آبادیوں کی آبادیاں صاف ہو جاتی تھیں اور ہزاروں جانوں کا زیاں ہوتا تھا۔

کے علاوہ مغل پرچم میں ایک انسانی کھوپڑی بھی لٹکتی تھی جو موت کا نشان تھی۔

مغلوں کے اس جھنڈے کو دیکھ کر بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔ یہی حال چینیوں کا ہوا۔ کہاں تو وہ بڑی بہادری سے لیاؤ شہزادوں کے خلاف جنگ کر رہے تھے اور کہاں یہ خوفناک جھنڈا دیکھتے ہی ان کے ہاتھ سست پڑ گئے اور پیر کانپنے لگے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود ہی پسپا ہو گئے اور لیاؤ تنگ کے جتنے علاقے پر ان کا قبضہ ہوا تھا وہ سب آزاد کرا لیا گیا۔

دوسری طرف چنگیز خان کا خاص دستہ جسے اس نے شہنشاہ چین کے تعاقب میں روانہ کیا تھا، بے دھڑک دشمن کے ملک میں گھستا چلا جا رہا تھا۔

چینیوں پر مغلوں کی اس قدر دہشت طاری تھی کہ مقابلہ کرنا تو درکنار، مغلوں کو دیکھتے ہی سر پہ پیر رکھ کے بھاگ نکلتے تھے۔

مغلوں کے اس دستہ کے راستے میں صرف وہ چینی یا جنگلی حائل ہوتے جنہوں نے پہلے نہ تو مغلوں کو دیکھا تھا نہ ان کے بارے میں کچھ سنا تھا۔

مغل دستہ ان رکاوٹوں کو ہٹاتا اور صاف کرتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ انہیں راستوں کا کوئی علم نہ تھا صرف یہ بتایا گیا تھا کہ شہنشاہ دریائے ہوانگ ہو کی طرف بھاگا ہے۔ بس یہ دستہ مارتا کاٹتا اور لوٹتا بھٹکتا اسی دریا کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پھر انہیں ایک ایسا پہاڑ نظر آیا کہ مغل حیران رہ گئے۔

یہ پہاڑ نیچے سے اوپر تک جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے صبح کے وقت دریا پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوں اور لہریں جھلمل جھلمل کر رہی ہوں یا جیسے جمی ہوئی برف پر زرد کرنیں جھلملا رہی ہوں۔

پہاڑ کا یہ نظارہ بڑا دلفریب تھا۔ مغلوں کو اپنا وطن یاد آ گیا۔ ٹنڈرا یعنی منگولیا کے چٹیل برفیلے میدانوں پر جب سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو ایسی ہی جگمگاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ شمال کے یہ وہی علاقے ہیں جہاں چھ ماہ تک برابر سورج چمکتا ہے اور رات کا اندھیرا نہیں چھاتا۔ پھر رات شروع ہوتی ہے اور چھ ماہ تک وہاں رات ہی رہتی ہے۔

مگر قدرت کا یہ انتظام ہے کہ اس رات کے دوران اتنی روشنی ضرور رہتی ہے کہ انسان آسانی سے چل پھر سکتا ہے اور اپنے کام بھی انجام دے سکتا ہے۔

یہ جگمگاتا ہوا پہاڑ دراصل "ابرق" کا تھا۔ ابرق یا ابرک دراصل ایک چمکیلی تہ دار چیز ہوتی ہے، جو

اس طرح تہ بہ تہ کان سے نکلتی ہے کہ جیسے پیاز کے پرت۔ لیکن یہاں کسی کان کے بجائے ابرق کا ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا جو دھوپ میں جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ پھر جب سورج ذرا بلند ہوا تو وہاں کی زمین بھی جگمگا اٹھی کیونکہ زمین پر بھی ابرق بکھرا ہوا تھا۔

دراصل مغلوں کا یہ دستہ اس جگہ رات کے وقت پہنچا تھا اس لیے اس منظر سے لطف اندوز نہ ہو سکا۔ یہ منظر بڑا دل خوش کن تھا۔

سامنے جگمگاتی پہاڑی اور زمین پر بکھری ہوئی ابرق بھی جھلملا رہی تھی۔ اس جگمگاہٹ میں اس وقت اور بھی زیادہ اضافہ ہوا جب مغلوں نے دیکھا کہ چند جگمگاتے ہوئے ہیولے ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

یہ ہیولے اس علاقے کے جنگلی باشندے تھے جو اپنے تمام بدن پر ابرق کے ورق جمائے ہوئے تھے۔ ان غولوں میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ ان کا رنگ سیاہ، آنکھیں سفید، جسم گٹھا ہوا مگر قد چھوٹا تھا۔ مرد یا عورت کسی کے جسم پر کوئی لباس نہ تھا۔ صرف مردوں اور عورتوں کے نچلے دھڑ کے مخصوص حصوں کو کیلے کے پتوں سے ڈھانپا گیا تھا۔ اور یہ پتے بھی کسی ڈوری سے نہ بندھے ہوئے تھے بلکہ محض اوپر ہی اوپر چپکا دیے گئے تھے۔

رنگت کالی ہونے کے باوجود ان جنگلی عورتوں کے چہرے بہت جاذب نظر تھے۔ ان کی آنکھیں بڑی بڑی اور روشن تھیں۔ سیاہ بال ان کے پیروں تک لٹکتے تھے اور ان میں بے شمار چوٹیاں گندھی ہوئی تھیں۔ ان کے جسم گداز اور مضبوط تھے۔

ہر جنگلی مرد اور عورت کے ہاتھ میں چھوٹے چھوٹے تیر کمان تھے مگر ان کی کمانیں کاندھوں پہ آویزاں تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہ پُرامن ہیں اور دوستی چاہتے ہیں۔

قریب پہنچ کے مردوں نے اپنے تیر کمان زمین پر ڈال دیے۔ یہ ان کی اطاعت کی نشانی تھی۔ مغل جو انہیں آتے ہوئے غور سے دیکھ رہے تھے اور مقابلے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے جب ان کو ہتھیار ڈالتے دیکھا تو ان کے خوفناک چہروں پر مسرت نمودار ہوئی۔ وہ پہلے مسکرائے پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

مغلوں کی اس ہنسی میں جنگلی مرد بھی شامل ہو گئے اور ہنسنے لگے۔ اس وقت ان کی عورتیں جن کی تعداد درجن کے قریب تھی، آگے بڑھیں اور ملے تڑنگے مغلوں کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

پھر جس مغل کے قریب جو عورت کھڑی تھی، اس نے اسے اپنی بغل میں دبوچ لیا۔ اس پر جنگلی بہت ہنسے۔ شاید یہ ان کی خوشی کا اظہار تھا۔

زبان کا مسئلہ یہاں بھی درپیش ہوا۔

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم۔

مگر جب اجنبی زبان والے آپس میں ملتے ہیں اور باتیں بھی کرنا چاہتے ہیں تو اشاروں سے کام لیتے ہیں چونکہ ماحول دوستانہ تھا اس لیے دونوں طرف سے اشاروں کا تبادلہ ہوا۔ جنگلیوں نے وحشی مغلوں کو رات کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

رات ہوئی۔ جنگلیوں کا ایک آدمی مغلوں کو بلانے کے لیے ان کی خیمہ گاہ میں آیا۔ یہ لوگ پہلے ہی تیار تھے چند آدمیوں کو حفاظت پر چھوڑ کے باقی تمام کے تمام ہتھیاروں سے مسلح ہو کر رہبر کے ساتھ ہو لیے۔

یہ تمام کا تمام علاقہ جنگلی تھا مگر درخت دور دور تھے۔ زمین پر بے شمار جھاڑیاں تھیں۔ جنگلیوں کی بستی زیادہ دور نہ تھی۔

یہ جنگلی ایک کھلے میدان میں رہتے تھے جہاں پھوس کی گول گول جھونپڑیاں تھیں۔ کچھ چھوٹی اور کچھ بڑی۔ یہ جھونپڑیاں کسی ترتیب میں نہ تھیں بلکہ دور دور تھیں۔ شاید وہ لوگ ایک دوسرے کے قریب رہنا پسند نہ کرتے تھے۔

ان جھونپڑیوں کے قریب بڑے میدان میں ایک بڑا الاؤ روشن تھا جس کے گرد وہاں کی تمام آبادی بیٹھی تھی۔

یہ تمام مرد اور عورتیں ننگے تھے۔ صرف آگے اور پیچھے دو دو کیلے کے پتے چپکے ہوئے تھے۔ یہی ان کا لباس تھا۔

ان جنگلیوں میں دو آدمی معتبر معلوم ہوتے تھے جن کے سروں پر سینگ اور پروں کا تاج تھا۔ مغل ارخون سیدھا ان کے سامنے جا رُکا۔

یہ دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ اسی وقت ایک جنگلی دوڑ کر ان کے پاس آیا۔ اس نے اپنے دونوں سرداروں کو نہ جانے کیا کہا کہ وہ دونوں سردار مغلوں کے سامنے رکوع تک جھک گئے۔

مغل سردار نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دونوں کو باری باری گلے ملا۔ یہ جنگلیوں اور وحشیوں کی دوستی کا مظاہرہ تھا۔

زمین پر چٹائیوں کا فرش تھا۔ مغل ایک طرف اور جنگلی دوسری طرف آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ جلتے ہوئے الاؤ کی

تیز روشنی کے علاوہ جگہ جگہ جانوروں کی کھوپڑیوں کے اندر کوئی سیال مادہ بھرا ہوا تھا اور جل رہا تھا جس سے تیز بدبودار دھواں اٹھ رہا تھا۔

پھر ضیافت شروع ہوئی۔

اس دعوت میں کھانے کے لیے گوشت اور پینے کے لیے شراب تھی۔ گوشت ہر قسم کے چوپایوں اور پرندوں کا تھا اور یہ مسلّم بریاں تھا۔ یعنی ہر جانور کو آگ پر لٹکا کر بھون لیا گیا تھا۔ پرندوں اور چوپایوں کو بعہ بال و پر اور کھال کے بھونا گیا تھا۔ نمک یا کسی اور قسم کے مصالحے کے استعمال سے یہ جنگلی قطعاً ناواقف تھے۔

گوشت بھوننے کے لیے قریب ہی ایک اور الاؤ دہک رہا تھا۔ وہاں سے مسلّم پرندے اور چوپائے وہاں کر کر کے بھیجے جاتے جنہیں مغل بغیر ٹھنڈا کیے چبانا اور بھنبھوڑنا شروع کر دیتے۔

شراب لکڑی کی بڑی بڑی کنڈالیوں میں بھری ہوئی تھی جو لکڑی کے پیالوں اور کھوپڑی میں پی جا رہی تھی۔

شاید یہ بہت تیز قسم کی شراب تھی کہ مغل تھوڑی ہی پینے کے بعد بدمست ہو کر جنگلی مردوں اور عورتوں کے ناچ میں شریک ہو گئے اور الٹے سیدھے ہاتھ پیر مارنے لگے۔

رقص کرنے والے مرد اور عورتیں لباس سے بالکل بے نیاز تھے۔ انہوں نے جسم کے کسی بھی حصے کو چھپانے کا تکلف نہ کیا تھا۔

جب نشہ اور رقص میں شدت پیدا ہوئی یعنی محفل رنگ پر آئی تو ان ناچنے والوں اور والیوں نے اپنے لمبے لمبے ناخنوں سے مغلوں کے کپڑے پھاڑ کر انہیں بھی تقریباً برہنہ کر دیا۔

نہ جانے رات کب تک یہ بے ہنگم رقص ہوتا رہا اور شراب لنڈھائی جاتی رہی۔ پھر مردوں نے عورتوں کے ہاتھ پکڑے اور انہیں لے کر چھوٹی بڑی جھونپڑیوں میں گھسنے لگے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ایک ایک جھونپڑی میں کئی کئی جوڑے داخل ہو رہے تھے۔

ان کی دیکھا دیکھی مغلوں نے بھی یہی حرکت کی مگر ان کی جھونپڑیوں میں داخل ہونے کے بجائے وہ اپنی پسند کی عورتوں کو لے کر اپنی خیمہ گاہ میں آ گئے اور وہاں صبح تک اودھم مچاتے رہے۔ پھر جو بے خود ہو کر سوئے تو شام تک کسی نے آنکھ نہ کھولی۔

شام کو شاید انہیں ایک دم خیال آیا کہ وہ شہنشاہ چین کے تعاقب میں بھیجے گئے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے اپنا مختصر سامان جانوروں پر بار کیا اور تیزی سے جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے

روانگی میں اتنی تیزی دکھائی کہ اپنے سیز بانوں یعنی برہنہ جنگلیوں سے بھی نہ ملے جو دوسری شب کی ضیافت کے انتظام میں لگے ہوئے تھے۔

جس طرح یہ مغل دستہ شہنشاہ چین کے تعاقب میں تھا اسی طرح شہنشاہِ چین کے جاسوس اس دستہ کے تعاقب میں چل رہے تھے۔

○

○

شہنشاہ چین کو معلوم ہو گیا تھا کہ چنگیز خان اپنے وطن جانے کے بجائے چین پر پھر حملہ آور ہوا ہے۔ اور اس نے شہنشاہ کی گرفتاری کے لیے ایک فوجی دستہ روانہ کیا ہے۔

چنانچہ شہنشاہ نے بھی اپنے جاسوس چھوڑ دیے تا کہ وہ تعاقب میں آنے والے حملوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں اور ان سے شہنشاہ کو باخبر رکھیں تا کہ وہ اپنی حفاظت کر سکے۔

پھر جب شہنشاہ کو معلوم ہوا کہ مغل دستہ دریائے ہوانگ نو تک پہنچنے کو ہے تو اس نے فوراً اپنے دشمن بادشاہ کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ اس مصیبت میں شہنشاہ کو پناہ دے۔

چین یعنی ملک ختا دو حصوں میں تقسیم تھا:

جو علاقہ دریائے ہوانگ نو کے شمال میں تھا اس پر چینیوں کا قن (کن۔ چن) خاندان حکمران تھا جس کا شہنشاہ وانی ونگ اس وقت بھاگ کے دریائے ہوانگ نو کے کنارے آ رکا تھا۔

اس دریا کے جنوبی حصے یعنی جنوبی چین پر سونگ خاندان کی حکومت تھی۔ شمال اور جنوب کی یہ دونوں سلطنتیں صدیوں سے لڑتی جھگڑتی آ رہی تھیں۔ کبھی ایک کو شکست ہوتی تو کبھی دوسرے کو مگر ان میں سے کوئی دوسری سمت یعنی دریا پار کر کے علاقہ پر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ پاتا اور آخر انہیں صلح کرنا پڑتی جو زیادہ دیر برقرار نہ رہتی۔

سلطنت کن کا قاصد سلطنت سونگ کے دربار میں پناہ کی درخواست لے کر پہنچا تو وہاں کا شہنشاہ بہت خوش ہوا اور اپنے پرانے دشمن کو فوراً پناہ دے دی۔

شہنشاہ چین وانی ونگ دریائے ہوانگ ہو پار کر کے مع اپنے بیٹے یعنی ولی عہد اور دوسرے عملے کے سلطنت سونگ میں پناہ گزین ہو گیا۔

چنگیز خان کا تعاقب کرنے والا دستہ ان حالات سے بے پرواہ دریائے ہوانگ ہو کی طرف آگے ہی آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

اس دستہ کے رستے میں جنگل بھی پڑے اور پہاڑ بھی آئے مگر کوئی ان کے قدم نہ روک سکا اور یہ مسلسل تعاقب میں رہا۔

پہاڑوں کا سخت موسم تھا۔ مغل پہاڑوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کے راستے نکالتے رہے۔ انہوں نے پہاڑوں کے کٹاؤ کو نیزوں کی چوب اور درختوں کی شاخوں کو زنجیروں سے باندھ باندھ کر دریا پار کیے۔

دراصل مغل دستہ اجنبی ملک میں اتنی دور تک گھس آیا تھا کہ اس کا رابطہ اپنے لشکر سے کٹ کر رہ گیا تھا مگر وہ مفرور شہنشاہ کا تعاقب کرتا رہا۔

یہ ان کے آقا مغل اعظم کا حکم تھا۔

انہیں ہر صورت میں اس حکم کی تعمیل کرنا تھی۔

شہنشاہ چین نے جائے پناہ تلاش کر لی تھی مگر مغلوں کی کوشش جاری تھی۔ پھر چنگیز خان نے اس تعاقب کو بے سود خیال کرتے ہوئے دو تیز سواروں کو جنوب کی طرف بھیجا کہ وہ تعاقب کرنے والے دستے کو تلاش کر کے واپس لے آئیں۔

جب یہ دونوں سوار اس دستے کے پاس پہنچے تو وہ دریائے ہوانگ ہو کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ اپنے آقا چنگیز خان کا حکم ملتے ہی یہ دستہ اپنے مستقر کی طرف واپس ہوا۔ اس واپسی میں اس دستے کو جنوب کی سونگ حکومت کے کئی شہروں کا چکر کاٹنا پڑا۔

چنگیز خان نے اپنے خاص ارخون جبی نویان کو گوبی (وطن) کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ وہاں پہنچ کے مغلوں کو بتلائے کہ اس دفعہ وہ لوگ وطن واپس کیوں نہ آسکے اور اس وقت کیا کیا کارنمایاں انجام دے رہے ہیں اور کس حال میں ہیں!

چنگیز خان نے اپنے دوسرے معتمد سردار سوبدائی بہادر کو شمالی ختا کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ ارخون کئی ماہ تک غائب رہا۔

یہ خیال ہے کہ ہر ارخون کے ساتھ تقریباً ۲۰ ہزار سواروں کا لشکر ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ لشکر جدھر سے گزرتا وہاں کی آبادیاں ہی خالی نہ ہوتیں، چرند پرند بھی اپنے ٹھکانے چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ یہ

مغلوں کی دہشت کا اثر تھا۔

ارخون سوبدائی بہادر نے اس دوران چنگیز خان کو اپنے اور شمالی چین کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم کیں۔ پندرہ بیس دن بعد کوئی قاصد چنگیز خان کے پاس پہنچتا تو وہ سوال کرتا:

"سوبدائی نے کیا پیغام بھیجا ہے؟"

"سوبدائی بہادر نے پیغام دیا ہے کہ....."

قاصد ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بتاتا:

"لشکر کے تمام گھوڑے تندرست و توانا ہیں اور کمزور گھوڑوں کی جگہ توانا اور تندرست گھوڑے مل کر لیے گئے ہیں۔"

"شمالی ختا کا کیا حال بتایا ہے اس نے؟" چنگیز خان گرج کر پوچھتا۔

"شمالی ختا میں بالکل امن ہے۔"

قاصد لاپرواہی سے جواب دیتا:

"سوبدائی بہادر کو تلوار چلانے کی ضرورت نہیں پڑی گا۔"

"اور کوئی خاص بات؟" چنگیز خان چیخ پڑتا۔

"نہیں۔"

قاصد نفی میں سر ہلا دیتا:

"اور کچھ نہیں کہا سوبدائی بہادر نے۔"

"پھر تو کس لیے آیا ہے؟"

"سوبدائی بہادر نے اپنے آقا کی خیریت معلوم کرنے بھیجا ہے مجھے۔"

"جاؤ دور ہو جاؤ میری نظروں سے!"

اسی طرح سوبدائی بہادر نے کئی بار چنگیز خان کے پاس قاصد بھیجے مگر وہ سوائے گھوڑوں کی صحت کے بارے میں بتانے کے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ اس پر چنگیز خان کو بے حد غصہ بھی آیا مگر اس نے سوبدائی بہادر کی واپسی کا انتظار کیا۔

پھر جب کئی ماہ شمالی ختا میں غائب رہنے کے بعد سوبدائی بہادر چنگیز خان کے سامنے پہنچا تو اس نے اپنے آقا کو سخت غصہ میں دیکھا۔

سوبدائی نے بولنے میں پہل نہ کی بلکہ چنگیز کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ چنگیز خان چند لمحے تیز

نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر کرخت لہجے میں دریافت کیا:

"سوبدائی! تجھے شمالی ختا کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔"

"جی ہاں آقا۔"

سوبدائی نے انتہائی نرم آواز میں جواب دیا:

"مجھے اسی کام پر مامور کیا گیا تھا۔"

"پھر ــــ"

چنگیز نے اسی کرختگی سے پوچھا:

"پھر تو نے نئے چینی لشکر کو کس حال میں پایا؟"

"اس لشکر کا یہ حال ہوا ہے آقا۔"

سوبدائی نے جواب میں کہا:

"کہ وہ میرے آقا کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر جنوب میں بہت دور تک بھاگ گیا۔ میں نے بھگوڑوں کا کچھ دور تک تعاقب کیا۔ پھر چوکیاں قائم کر کے واپس آ گیا۔"

چنگیز خان کا غصہ کچھ کم ہوا۔

"لیاؤ تنگ کے شہزادوں کی تو نے کیا مدد کی؟"

"میرے آقا!"

سوبدائی نے ادب سے جواب دیا:

"ہماری فوج کھڑی رہی اور لیاؤ تنگ کے شہزادوں کی فوج چین کے ٹڈی دل لشکر کو کاٹتی رہی۔ جب وہ تھک گئے تو میں نے حملہ کا حکم دیا مگر چینیوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ میں نے ہتھیار جمع کرنے کا حکم دیا اور انہیں خالی ہاتھ جنوب میں بھگا دیا۔"

"تو نے ٹھیک کیا۔"

چنگیز خان نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا مگر پھر فوراً ہی نظریں بدل کر پوچھا:

"یہ کام تو ایک ہفتہ کا بھی نہ تھا۔ پھر تو نے اتنے ماہ کیوں لگائے؟"

"میرے آقا!"

سوبدائی نے دانتوں سے انگوٹھے کا ناخن کاٹتے ہوئے جواب دیا:

"باقی دنوں میں میں نے کوریا کا ملک فتح کر لیا۔"

"کیا... کیا؟"

چنگیز خان نے اسے حیران نظروں سے دیکھا:

"کیا کہا تو نے؟ کوریا کو تو نے فتح کر لیا۔ سچ کہہ رہا ہے تو؟"

"میں آقا کے سامنے جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں۔"

سوبدائی نے بڑی معصومیت سے کہا:

"میں نے کوریا پر حملہ کیا۔ وہاں کا بادشاہ میرے مقابلے پر تلوار کھینچ کے آیا۔ میں نے اس کی تلوار کو کھینچ لیا اور اسے گھوڑے سے پٹک کر اس کی گردن مروڑ دی۔ وہ مر گیا تو میں نے اس کے بھائی کو وہاں کا بادشاہ بنایا اور دس مغل سوار اس کی حفاظت کو چھوڑ دیے۔ اب میں تاوان وصول کر کے واپس آ رہا ہوں۔"

چنگیز خان یوں حیران ہو رہا تھا جیسے اسے سوبدائی بہادر کی باتوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"لیاؤ تنگ کے علاقے میں اب کوئی گڑبڑ تو نہیں"۔ یہ چنگیز خان کا آخری سوال تھا۔

"میں نے پورے لیاؤ تنگ کی سیاحت کی ہے۔"

سوبدائی نے اسی معصومیت سے جواب دیا:

"اب میں خلیج لیاؤ تنگ کا چکر لگا کر آ رہا ہوں۔ ہر جگہ امن و امان ہے۔"

چنگیز خان نے غور سے سوبدائی بہادر کو دیکھا۔ اس کی باتوں کی سچائی اس کی آنکھوں کی چمک سے عیاں تھی۔ وہ مطمئن ہو گیا۔

سوبدائی بہادر کو سیر و تفریح کی جو عادت تھی اس نے اس وقت بہت رنگ دکھایا جب اسے ایک آزاد سپہ سالار کی حیثیت سے فوج کی کمان سونپی گئی۔ اس نے یورپ کا رخ کیا اور ظلم و ستم کے نئے باب رقم کیے۔

چنگیز خان نے خود کسی طرف کا رخ نہیں کیا بلکہ وہ قلب فوج کے ساتھ دیوار چین کے پاس ہی مقیم رہا۔ اس کے بیٹے جوان ہو چکے تھے اور اس کا پوتا قبلائی خان[1] پیدا ہو چکا تھا، دیوار چین کے سائے میں نہیں بلکہ مغلوں کے وطن گوبی کے شامیانے میں۔ جہاں اس کی ہوتیں بڑے بڑے شامیانوں میں عیش کی

ا۔ قوبیلائی خان

کی زندگی گزار رہی تھیں۔

چنگیز خان کے اگرچہ چاروں بیٹے جوان ہو چکے تھے مگر اس تجربہ کار مغل نے مغل لشکروں کی کمان اپنے بیٹوں کے بجائے ان کہنہ مشق ارخانوں کے سپرد کی تھی جو اس کی طرح تجربہ کار تھے اور جن کی ہر خطا معاف تھی۔ بلکہ ان کی وفاداری اور بہادری کے صلہ میں ان کی اولادوں کی خطائیں بھی معاف کر دی گئی تھیں۔

چنگیز خان نے آزمودہ کار جبی نویان اور سو بدائی بہادر کو وہ طریقے سکھائے تھے جن طریقوں سے سواروں کو قابو رکھا جاتا ہے۔ متولی خان کو تو اس نے آزمایا بھی تھا۔ وہ اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر پورا اترا تھا۔

○

○

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔

میں مغل بادشاہ بابر کی بیٹی اور ہمایوں بادشاہ کی بہن ہوں۔

میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے کہ میرے جد امجد چنگیز خان کا پوتا قبلائی خان صحرائے گوبی میں پیدا ہو چکا تھا۔

ظاہر ہے کہ آپ قبلائی خان کے باپ اور چنگیز خان کے اس بیٹے کا نام جاننے کے لیے بے چین ہوں گے جس کے گھر یہ بچہ پیدا ہوا اور جو آگے جا کر چین کے شہنشاہ وانگ کی جگہ چین یعنی ملک ختا کا شہنشاہ بنا۔

اب میں مختصر طور پر آپ کو ایک بار پھر اپنے خاندان کا شجرہ بتاتی ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں کوئی الجھن نہ رہے اور آپ چنگیز خان کے بیٹوں اور اس کے سرداروں کے درمیان تمیز کر سکیں۔

۱۔ بورجی گون یا بورجی جون

یہ میرے روایتی اجداد کا نام تھا۔

۲۔ یسوکائی

بورجی گون کا بیٹا۔ یہ وہ بہادر مغل تھا جو ایک شادی کی محفل سے اس دلہن کو سب کے سامنے اسی وقت اٹھا لایا تھا جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ رخصت ہونے والی تھی اس دلہن کا نام ادلین یا کی یا اولون خاتون تھا۔

۳۔ اولون خاتون

اس سے لیسوکائی نے شادی کی اور اس کے بطن سے تموچن پیدا ہوا جو چنگیز خان کے نام سے مشہور ہو کر لرزندۂ جہاں کہلایا۔

۴۔ چنگیز خان

اس کے چار بیٹے تھے جو اس کی بیوی بورتائی کے بطن سے تھے:

و۔ جوجی خان:

یہ تھا تو بورتائی کے بطن سے مگر اس کا باپ چنگیز خان نہ تھا بلکہ بورتائی کو ایک دشمن قبیلہ زبردستی اٹھا کر لے گیا تھا اسی دشمن قبیلہ کا سردار جوجی خان کا باپ تھا۔ پھر جب چنگیز خان نے طاقت حاصل کی اور دشمن قبیلہ کو شکست دے کر اپنی بیوی بورتائی کو واپس لایا تو جوجی خان کو بھی ساتھ ہی لے آیا اور اس کی پرورش مثل اپنی اولاد کے کی۔

ب۔ چغتائی خان:

چنگیز خان کے اس بیٹے کی نسل برصغیر اور ایران میں آج بھی موجود ہے اور ترقی یافتہ ہے۔

ج۔ اوغدائی خان:

چنگیز خان کے اس بیٹے نے چنگیز خان کی کچھ عرصہ نیابت بھی کی اور مغلوں کا خانِ اعظم بنا تھا مگر۔ ۔ ۔ ۔ تفصیل آگے آئے گی۔

د۔ تولوئی خان:

اس کی بیوی سیور قوقطنی تھی جس کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے:

۱۔ اریق بوغا　　۲۔ ہلاکو خان

۳۔ قبلائی خان　　۴۔ منکو خان

ان میں قبلائی خان اور ہلاکو خان بہت مشہور ہوئے۔

ہ۔ قبلائی خان:

یہ اس لیے مشہور ہے کہ یہ چین کے چن خاندان کی شہنشاہیت کے بعد چین کا بادشاہ بنا۔

و۔ ہلاکو خان:

اس نے چنگیز خان کی ہلاکت خیزیوں کے بعد نہ صرف اپنے دادا کی یاد تازہ کی بلکہ ظلم و ستم میں اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔

ہلاکو خان ہی کے ہاتھوں بغداد کے سات سو سالہ عباسی دور کا خاتمہ ہوا۔ اس کی نسل مسلمان ہو کر ایران پر قابض رہی۔ یہ لوگ ایلخانی کہلائے۔

مغل خاندان کے اس مختصر شجرہ کے بعد اب میں آپ کو پھر چنگیز خان کے حالات کی طرف لے چلتی ہوں۔ میں کہہ رہی تھی کہ چنگیز خان قلب لشکر کے ساتھ دیوارِ چین کے قریب ہی موجود رہا۔ اس کے ارخون بار بار اس سے درخواست کرتے:

"آقا! ہمیں ین کنگ پر حملہ کی اجازت دیجیے"۔

چنگیز خان انہیں ہر بار ایک ہی جواب دیتا:

"ٹھہرو اور انتظار کرو"۔

دراصل ین کنگ جو ملک ختا کا دارالسلطنت تھا ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا۔ اس کے اندر اس قدر فوج تھی کہ جس کی صحیح تعداد معلوم نہ کی جا سکتی تھی، صرف اس قدر اندازہ لگایا گیا تھا کہ وہاں ایک کروڑ سے زیادہ فوج موجود ہے۔ اسی طرح قلعے میں جو جنگی ساز و سامان تھا اس کا بھی کوئی شمار نہ تھا۔

مگر اب موقع آ گیا تھا کہ چنگیز خان اپنے ارخونوں کو ٹھہرو اور انتظار کرو کے بجائے کوئی مثبت جواب دے سکے۔

اس لیے کہ شہنشاہ چین وائی ونگ نہ صرف ین کنگ چھوڑ گیا تھا بلکہ مغلوں کے خوف سے ملک ختا کو بھی خیرباد کہہ گیا تھا اور اپنے دشمن "سونگ خاندان" کی پناہ میں دریائے ہوانگ ہو کے اس پار جا پہنچا تھا۔

دوسری بات یہ کہ چین کے وفاداروں نے جو نئی فوج تیار کی تھی اس نے مغل جوجیوں اور لیاؤ ٹنگ کے شہزادوں کے علاقوں کو پامال کر کے رکھ دیا تھا، اس کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا اور چین کی پوری طاقت سمٹ کر قلعہ ین کنگ میں پہنچ چکی تھی۔

چنانچہ اب چنگیز خان نے "ٹھہرو اور انتظار کرو" کے بجائے "سوچا اور فیصلہ کیا کہ دارالسلطنت ین کنگ کا خاتمہ ضروری ہے۔

یہ فیصلہ کرتے ہی اس نے اپنے ارخون مقولی بہادر کو طلب کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لیاؤ شہزادی

"منگن" کو بھی بلوایا۔

لیاؤ تنگ کے علاقوں میں امن و امان کے بعد چنگیز خان نے لیاؤ کے اس شہزادے کو صلاح مشورے کے لیے بلوایا تھا۔

"مقولی بہادر"۔

چنگیز خان نے اسے مخاطب کیا:

"اب تیری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟"

مقولی نے چند لمحے سوچا، پھر بولا:

"میرے آقا۔ مجھے قلعہ ین کنگ پر حملہ کی اجازت دی جائے"۔

"لیاؤ شہزادے!"

اب چنگیز خان نے منگن سے دریافت کیا:

"تم بتاؤ، تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟"

"اے خان اعظم!"

شہزادہ منگن نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا:

"میں ین کنگ کی فصیلیں مسمار اور دروازے ملیامیٹ کرنا چاہتا ہوں"۔

چنگیز خان کے چہرے کی لکیریں اور گہری ہو گئیں۔ یہ دراصل اس کی مسکراہٹ تھی۔ جب وہ مسکراتا تو اس کا چہرہ اور زیادہ خوفناک ہو جاتا تھا۔

چنگیز خان نے مقولی سے سوال کیا:

"ین کنگ کو خاک میں ملانے کے لیے تجھے کتنے سواروں کی ضرورت ہو گی؟"

مقولی نے بے دھڑک جواب دیا:

"صرف پانچ ہزار سوار میرے آقا"۔

"ہم نے منظور کیا"۔

چنگیز خان نے فوراً کہا:

"تو اپنی مرضی کے پانچ ہزار سوار الگ کر لے۔ تیرے ساتھ لیاؤ شہزادہ منگن بھی جائے گا۔ اس کا کام تجھے صرف راستہ بتانا ہو گا تاکہ تو بھٹک نہ جائے"۔

پورے لشکر میں یہ بات پھیل گئی کہ ملک ختا کے دارالسلطنت ین کنگ پر فیصلہ کن حملہ ہو گا اور

اس کے لیے چنگیز خان نے مقولی بہادر کو منتخب کیا ہے۔

سب نے اس فیصلے پر مسرت کا اظہار کیا۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک ین کنگ کا قلعہ قائم ہے یہ جنگ جاری رہے گی۔

چین کے قن خاندان کی تباہی کا منظر بڑا دردناک تھا۔ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے یہ خاندان چین پر حکمران تھا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ شاہی پر تباہی آتی ہے تو پھر وہ سنبھالا نہیں لے سکتی۔

صحرائے گوبی اور جھیل بیکال کے اردگرد کے یہ وحشی مغل، چنگیز خان سے پہلے تک شہنشاہ چین کو خراج ادا کرتے تھے جس کے دروازے پر آج وہ دستک دے رہے تھے۔

شہنشاہ چین پہلے ہی دریائے ہوانگ ہو پار کر کے اپنے قدیمی دشمن کے دامن میں پناہ لے چکا تھا پھر بھی قلعہ میں اس قدر فوج اور اسلحہ موجود تھا کہ وہ حملہ آوروں کا برسوں مقابلہ کر سکتے تھے مگر......!

مقولی بہادر جسے چنگیز خان نے ین کنگ پر حملے کے لیے منتخب کیا تھا اپنے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ صحرا کی جنوبی سرحد سے چین کے سب سے مضبوط قلعے پر، جو صدیوں سے ملک ختا کا دارالسلطنت تھا، حملہ کے لیے بڑھا۔

قلعہ میں موجود لاتعداد فوج کے سامنے مغلوں کے ۵ ہزار سواروں کی کیا وقعت تھی مگر مقولی بہادر جوں جوں آگے بڑھتا گیا اس کے سواروں میں اضافہ ہوتا گیا۔

ملک ختا کی شاہی فوج کو چھوڑ کے بھاگنے والے فوجی اور آوارہ گرد دستے کے بعد دیگرے مقولی کے لشکر میں شامل ہوتے گئے۔

دوسری طرف سوبدائی بہادر اس کے ایک پہلو پر ہر وقت کمک کے لیے منڈلا رہا تھا۔ قلعہ ین کنگ میں مغل لشکر کے آنے کی خبر پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔

وفاداروں کی وہ فوج جو فوری جذبہ کے تحت تیار ہوئی تھی اور جس نے جوش میں آ کر مغل چوکیوں کا صفایا کر ڈالا تھا، اسے لیاؤ تنگ کے شہزادوں نے پہلے ہی مار بھگایا تھا۔

مغلوں کی آمد کی اطلاع پر قلعہ میں موجود چینی لشکر کے سرداروں نے فوراً اپنی فوجی کونسل کی میٹنگ بلائی اور مغلوں کے متوقع حملے پر غور شروع ہوا۔

قن لشکر کے دو بڑے سردار تھے۔ ایک نے رائے دی کہ :

"باہر نکل کر مغلوں کا مقابلہ کیا جائے"۔

جبکہ دوسرا سردار مغلوں سے جنگ کے بجائے صلح کرنے پر آمادہ تھا۔ دو روز اسی بحث و مباحثے میں گزر گئے۔

تیسرے دن معلوم ہوا کہ مغل حملہ آور قلعہ کے باہر کی آبادی میں داخل ہو گئے ہیں اور چینی عوام ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

قلعہ ین کنگ کے دروازے پہلے ہی بند تھے۔ جو کھلے تھے انہیں بھی بند کر دیا گیا۔ شہریوں کو قلعہ سے کوئی مدد نہ ملی اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد مغل انہیں مارتے کاٹتے فصیل تک پہنچ گئے۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ قن لشکر کا وہ سردار جو مغلوں سے صلح کا مشورہ دے رہا تھا اس نے غداری کی اور قلعے کے دروازے کھلوا دیے۔ پس مغل سوار بے خطر قلعہ میں داخل ہو گئے۔

اس باغی سردار نے محل کی بیگمات اور شہزادیوں کو قلعہ سے بحفاظت نکال لے جانے کا وعدہ کیا تھا مگر بدقسمتی سے اسے اتنا موقع ہی نہ مل سکا۔ مغلوں کے قلعہ میں داخل ہوتے ہی محلات میں لوٹ پڑ گئی۔ تاجروں کے بازار لوٹ لیے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام دکانیں سامان سے خالی ہو گئیں۔ بے سہارا اور بدنصیب شہزادیاں جنہوں نے کبھی محل سے قدم باہر نہ نکالا تھا وہ روتی چلاتی ڈری سہمی مایوسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھیں۔

پھر قلعہ کے مختلف حصوں میں آگ لگ گئی۔ محل کے برآمدوں میں خواجہ سرا اور غلام چاندی سونے کے ظروف اور زیورات ہاتھوں میں لیے ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ شاہی دربار ہال ویران پڑا تھا۔ چوکیدار اور پہرے دار اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹ مار کرنے والوں میں شامل ہو گئے تھے۔ پورا محل حشر کا منظر پیش کر رہا تھا۔

دوسرا سپہ سالار جو اب تک شہنشاہ چین کا وفادار تھا، اس کا نام وانگ ین تھا۔ اس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا اور وہ بھگوڑے شہنشاہ کو اب تک اپنا آقا سمجھتا تھا۔

وانگ ین کو چند دن پہلے بھگوڑے شہنشاہ کا فرمان ملا تھا جس میں درج تھا کہ :

"قید خانوں کے دروازے کھول دیے جائیں اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے

اور وفادار سپاہیوں کا انعام دوگنا کر دیا جائے"۔

بُرا ہو اس شاہ پرستی یا غلامی کا کہ وانگ ین نے اس فرمان کی پوری تعمیل کی تھی۔ قید خانے خالی ہو گئے۔ سپاہیوں کو معقول انعام دیا گیا مگر یہ آخری کوشش بھی ناکام رہی۔ وانگ ین کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ اکیلا رہ گیا تھا۔

جب سپہ سالار وانگ ین کو امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی تو اس نے خودکشی کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے کمرہ بند کر کے شہنشاہ کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے خودکشی کا فیصلہ کرتے ہوئے خود کو سزائے موت کا مستحق تسلیم کیا کیونکہ وہ قلعہ ین کنگ کی حفاظت نہ کر سکا تھا۔

یہ حماقت کی انتہا تھی۔

شہنشاہ چین تو خود قلعہ چھوڑ کے بھاگ گیا تھا۔ قلعہ کی حفاظت سب سے پہلے شہنشاہ پر عاید ہوتی تھی۔ وہ اس کا ذمہ دار تھا اور وہی مجرم تھا مگر نادان اور شاہ پرست وانگ ین اس عالم میں بھی خود کو مجرم سمجھ کر موت کا مستحق ہو رہا تھا۔

روایت ہے کہ وفادار سپہ سالار وانگ ین نے شہنشاہ کے نام خط کے علاوہ یہ تحریر انہی الفاظ میں اپنے دامن پر بھی لکھی تھی تاکہ شہنشاہ سے وفاداری کی سند رہے۔ اس کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور اپنا تمام سامان، دولت اور کپڑے اپنے ملازموں میں تقسیم کر دیے۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وانگ ین نے اپنے معتمد خاص کو اپنے پاس بلایا۔

"میرے دوست!"

اس نے بڑی محبت سے کہا:

"میرے لیے زہریلا جام تیار کرو"۔

معتمد خاص ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے آقا!"

اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا:

"زہر نہ پیجیے۔ آپ نے ملک یا شہنشاہ سے غداری نہیں کی۔ آپ آخری وقت تک وفادار رہے ہیں"۔

"نہیں میرے دوست!"

وانگ ین نے اس عالم میں بھی مسکراتے ہوئے کہا:

"یہ شہنشاہ کا اور میرا معاملہ ہے۔ تم اسے نہیں سمجھ سکتے"۔

"ٹھیک ہے میرے آقا"۔

معتمد نے دوبارہ کوشش کی:

"آپ میرے کپڑے پہن کر قلعہ سے نکل جائیے۔ اس بھگدڑ میں آپ کو کوئی نہ پہچان سکے گا"۔

"میں شہنشاہ سے غداری نہیں کر سکتا"۔

وانگ ین نے انکار کر دیا اور کہا:

"میرے لیے جام لاؤ"۔

اس طرح نادان وانگ ین شہنشاہ سے روایتی وفاداری پر زہر کا جام پی کر قربان ہو گیا۔

اس وقت قلعہ ین کنگ کے تمام محلات اور باہر کی شہری آبادی میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی تھی جس میں ہر چیز جل رہی تھی۔ آگ بجھانے والا کوئی نہ تھا اور آگ کے شعلے دم بدم آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے۔

مغل سوار قلعہ میں داخل ہوئے تو ان کی مدافعت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ محلوں کی راہداریوں میں بھاگتے دوڑتے لوگ مغلوں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئے اور جس کے ہاتھ میں جو سامان تھا وہ پھینک کر دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔

مغلوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ با اصول مقولی بہادر نے حکم دیا کہ شاہی خزانہ اور جنگی سامان اکٹھا کیا جائے اور صرف ان لوگوں کو گرفتار کیا جائے جو مزاحمت کریں"۔

شاہی خزانہ اور جنگی سامان یکجا ہو گیا تو مقولی بہادر نے یہ سامان چھکڑوں میں لدوا کر چنگیز خان کے پاس بھیج دیا۔

اس کے علاوہ کچھ فوجی اور قلعہ کے افسر بھی قیدیوں کی حیثیت سے خان اعظم کے پاس روانہ کیے گئے۔ ان قیدیوں میں ایک دراز قامت لیاؤ شہزادہ بھی تھا۔

لیاؤ تنگ کے تمام شہزادے چنگیز خان کے ساتھ تھے مگر یہ دراز قد شہزادہ شہنشاہ چین کے ساتھ تھا اور شاہی لشکر میں شامل ہو کر اپنے خاندان والوں کے ہمراہ جنگ کرتے ہوئے گرفتار ہوا تھا۔

مقولی بہادر نے اس دراز قد شہزادے کو جس کی داڑھی ناف تک پہنچتی تھی، خاص طور پر چنگیز خان کے

ملاحظہ کے لیے بھیجا اور یہ اطلاع روانہ کی تھی کہ:

"یہ شہزادہ اپنے ہی خاندان سے جنگ کرتا ہوا گرفتار کیا گیا ہے"۔

جب یہ لمبا شہزادہ اس تفصیل کے ساتھ چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا تو چنگیز خان نے اسے دلچسپی سے دیکھا، پھر قریب بلا کر دریافت کیا:

"تمہارا نام کیا ہے؟"

لمبے شہزادے نے صاف، واضح اور کھنکتی آواز میں جواب دیا:

"میرا نام یمی لیو چیت سائی ہے"۔

چنگیز خان نے دوسرا سوال کیا:

"کیا یہ درست ہے کہ تمہارا تعلق لیاؤ شہزادوں سے ہے؟"

"یہ درست ہے"۔

لیو چیت سائی نے اثبات میں جواب دیا:

"میں اسی خاندان سے ہوں"۔

چنگیز خان نے قدرے متعجب ہوتے ہوئے پوچھا:

"تو پھر تو اس خاندان کا ساتھ کیوں دیتا ہے جو تیرے خاندان کا دشمن تھا؟"

"میرا باپ اور دوسرے عزیز و اقارب قن خاندان کے خدمت گزار تھے"۔

نوجوان شہزادے نے بڑے استقلال سے جواب دیا:

"میرے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ میں اس سے وفاداری نہ کرتا"۔

چنگیز خان اس کے اس بے باکانہ جواب سے بے حد خوش ہوا۔

"اے جوان!"

اس نے شہزادے کو ایک خوبصورت پیش کش کی:

"تو نے اپنے پہلے آقا کی خدمت اچھی طرح انجام دی ہے۔ اسی طرح وفاداری سے اگر تو میری خدمت کر سکتا ہے تو میرے آدمیوں میں شامل ہو جا"۔

اور لیو چیت سائی خوشی خوشی چنگیز خان کی چاکری میں داخل ہو گیا۔

ان قیدیوں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے قن خاندان سے بے وفائی کی تھی۔ چنگیز خان نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کا خیال تھا کہ جن لوگوں نے اپنے پرانے آقا سے وفا نہیں کی وہ

اعتبار کے قابل نہیں تھے۔ اس لیے ان کا زندہ رہنا بھی ضروری نہیں تھا۔ صرف ایک یلوچیت سائی تھا جو بڑی بے باکی سے سچی بات یا جسے وہ سچ سمجھتا تھا، چنگیز خان کے منہ پر کہہ دیا کرتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد لیاؤ تنگ کے اس لمبی داڑھی والے شہزادے نے چنگیز خان سے صاف الفاظ میں کہا

"تو نے زمین پر بیٹھ کر اتنی بڑی سلطنت فتح کر لی مگر تو زمین پہ بیٹھ کر اس بڑی سلطنت پہ حکومت نہیں کر سکتا۔"

یلوچیت سائی کے اس بے باکانہ انداز نے چنگیز خان کے ارخونوں کو حیران کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس نے خانِ اعظم کی توہین کی ہے مگر چنگیز خان نے اس بات کا برا نہیں مانا۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چنگیز خان نے اس بات کو سچ تسلیم کیا یا نہیں لیکن اس کے رویے سے یہ ضرور ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یلوچیت سائی کا مشورہ سن لیا کرتا تھا اور شاید اس لیے کہ لانبی داڑھی والا یہ فلسفی شہزادہ اس کے لیے اتنا ہی ضروری ہو گیا تھا جتنی کہ آگ اور پتھر برسانے والی منجنیقیں۔

شاید یہ بھی یلوچیت سائی ہی کا اثر تھا کہ چنگیز خان نے چین کے مفتوحہ صوبوں پر یلوچیت سائی کے قبیلہ یعنی لیاؤ تنگ کے آدمیوں کو گورنر کے عہدوں پر فائز کیا تھا۔

میں بیان کر چکی ہوں کہ مغل جن علاقوں کو فتح کرتے تھے وہاں کی عمارتوں کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیتے تھے اور فخر سے کہتے تھے کہ:

"ان زمینوں پہ ہمارے گھوڑوں کے لیے چراگاہیں بنائی جائیں گی۔"

مگر چین کے بیشتر علاقوں کو فتح کرنے کے بعد چنگیز خان نے اندازہ لگایا کہ ختا کی گنجان اور سرسبز زمین کو مغلوں کی پسند کے مطابق چراگاہوں میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

رہا چینیوں کی تجارت کا انداز، ان کا فلسفۂ زندگی یا ان میں غلاموں اور عورتوں کی درجہ بندی، تو ان سب چیزوں کو چنگیز خان بڑی حقارت سے دیکھتا تھا۔

چنگیز خان چین کے ان افسروں کی جرأت سے بے حد متاثر ہوا جنھوں نے شہنشاہ کے بھاگ جانے کے باوجود جنگ جاری رکھی تھی۔ اس نے ایسے لوگوں کے استقلال اور فراست سے فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کی۔ یلوچیت سائی کو چنگیز خان اس لیے بھی پسند کرنے لگا تھا کہ وہ مختلف ستاروں کی گردش اور ان کے نام سے فال نکال سکتا تھا۔

یک ختا یعنی چین کی ہزاروں سال پرانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اب شمالی چین سے دریائے ہوانگ نو تک مغلوں کا قبضہ تھا۔

چنگیز خان کی عادت تھی کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کر لیتا تو اسے اس ملک سے مزید کوئی دلچسپی نہ رہتی چنانچہ اب اس نے پھر اپنے مستقر قراقرم کی طرف مراجعت کا فیصلہ کیا۔

اس نے چین کا تمام مفتوحہ علاقہ مقولی بہادر کے سپرد کر دیا اور اپنے تمام سرداروں کے سامنے یہ اعلان کیا:

"اس علاقہ میں مقولی بہادر کے احکام کی اسی طرح پابندی ہونی چاہیے جیسے میرے احکام کی ہوتی ہے۔"

پھر اس نے مقولی بہادر کو ۹ سفید یاکوں کی دموں والا پرچم عنایت کیا۔ یہ مغلوں کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔ اس نے مقولی بہادر سے کہا:

"چین کا دریائے ہوانگ نو کا سارا علاقہ تمہیں دیا جاتا ہے۔ اس کے انتظامات کے لیے تمہیں مغلوں کا ایک بڑا لشکر بھی دیا جا رہا ہے۔ اب یہاں تمہاری حکمرانی ہوگی۔ تم چاہو تو دریائے ہوانگ نو پار کر کے سنگ خاندان کی سلطنت پر بھی قبضہ کر سکتے ہو۔"

اس کے بعد مغلوں کا آقا چنگیز خان، چینی شہروں کے خزانوں اور عالموں کی ایک معقول تعداد کے ساتھ اپنے مستقر قراقرم کی طرف واپس ہوا۔

مقولی بہادر کو جو لشکر دیا گیا تھا وہ اس کے ساتھ بلا مداخلت دریائے ہوانگ نو کے علاقے پہ حکومت کرتا رہا۔

چنگیز خان کی وطن واپسی اور مفتوحہ علاقوں کو مقولی بہادر کے قبضہ میں دینے کی بہت سی تاویلیں کی جا سکتی ہیں مگر اس کی سب سے بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنی مغربی سرحدوں کو مستحکم کرنے کی بہت فکر تھی اس نے یہ بھی اندازہ کر لیا تھا کہ پورے چین کو فتح کرنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔

چنگیز خان کے جنگی کارناموں کا ایک دور ختم ہو چکا تھا۔ سلطنت چین کے وسیع و عریض علاقے میں عیش و عشرت کے تمام سامان مہیا تھے مگر چنگیز خان نے دوسرے فاتحوں کی طرح عیش پرستی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

چین سے واپس آیا تو پھر کبھی وہاں لوٹ کر نہیں گیا!

چین کو اس نے اپنے فوجی گورنر مقولی بہادر کے سپرد کر دیا اور خود بڑی تیزی سے ان بنجر بلندیوں کی طرف لوٹ گیا جو اس کے یعنی میرے اجداد کی سرزمین تھی۔

اس سرزمین میں اس کا مستقر تھا۔ اس نے اپنے لشکر کے لیے صحرا کے شہروں میں سے قراقرم یا قراقورم کا انتخاب کیا تھا۔

قراقورم کے لفظی معنی ہیں:

"کالی ریت"

اس علاقے میں چنگیز خان نے اپنے اطراف سے ہر وہ چیز جمع کر لی تھی جس کی آرزو ایک خانہ بدوش کو ہو سکتی ہے۔

وہ زندگی کے سخت ترین دور سے گزرا تھا۔ اس نے خود فاقے کیے تھے اور اس کے جانور بھی کئی کئی روز بھوکے رہے تھے۔ ان باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس نے ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں قراقرم میں اکٹھی کر لی تھیں۔

بنجر زمین کا یہ دارالحکومت جو تاریخ میں قراقرم کے نام سے معروف ہے بڑا عجیب شہر تھا۔ یہاں ہواؤں کے جھکڑ جھاڑ دیتے تھے اور بیابان کی ریت جسم پر کوڑے سے لگاتی تھی۔ گارے اور پھونس کی جھونپڑیاں اس طرح جمع تھیں کہ ان کے درمیان سے راستہ مشکل سے ملتا تھا۔ شہر کے اطراف میں کالے سمور کے خیموں کی گاؤدم چوٹیاں نظر آتی تھیں۔

طویل تگ و تاز کے بعد تکلیف اور آوارہ گردی کے دن ختم ہو چکے تھے۔ وہ اصیل اور مضبوط گھوڑے جو چارہ نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے اب ان کے لیے بڑے بڑے اصطبل بنائے گئے تھے جہاں ان کے گلے (ریوڑ) جاڑوں کے شدید ایام گزارتے تھے۔ ان گھوڑوں کی جلد پر "خان" کی مہر لگا دی جاتی تھی۔

قحط سالی سے بچاؤ کے لیے بڑے بڑے کھلیانوں میں خوراک جمع کی گئی تھی۔ اس خوراک میں آدمیوں کے لیے باجرہ اور چاول اور گھوڑوں کے لیے چارے اور گھاس کا معقول انتظام تھا۔

شمالی ایشیا اور دوسرے ممالک سے آنے والے تاجروں اور مسافروں کے لیے جگہ جگہ آرام دہ سرائیں بنائی گئی تھیں۔

قراقرم میں جنوب کی طرف سے پہنچنے والے تاجر عام طور پر عرب ہوتے تھے یا ترک قوم کے افراد۔ چنگیز خان باہر سے لائی جانے والی چیزوں کی قیمت خود تجویز کرتا تھا۔ اگر تاجر اس کی تجویز کردہ قیمت کی مخالفت کرتا تو اس کا سارا سامان ضبط کر لیا جاتا اور اگر تاجر اپنی ہر چیز اس کے حوالے کر دیتا تو اسے اس قدر انعام

دیا جاتا کہ اسے قیمت سے کہیں زیادہ آمدنی ہوتی۔

دوسرے ممالک سے آنے والے سفیروں کے لیے ایک الگ محلہ بنایا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی شامانوں کی بستی تھی۔ وہاں مسجدوں کی بغل میں پرانے بدھ مذہب کے مندر تھے اور ساتھ ہی نسطوری عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے گرجے تھے۔

ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ جس طرح چاہے عبادت کرے لیکن یہ شرط ضرور تھی کہ وہ مغلوں کے قانون "یاسا" کی پابندی کرے اور مغل لشکر کے اصولوں پر عمل کرے۔

کاش ہمیں کہیں سے معلوم ہو سکتا کہ بارہویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے دوران قراقرم میں بنتے والی مسجدیں کس طرح کی ہوتی تھیں مگر افسوس ہے کہ اس بارے میں کسی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

مغل سرحد پر پہنچنے والے مسافر، تاجر، سیاح یا سفیروں کو خوش آمدید کہنے کے لیے مغل افسر وہاں موجود ہوتے تھے جو انہیں رہبروں کے ساتھ قراقرم بھجوا دیتے۔ مگر سرحد میں داخل ہونے والوں کی تمام تر تفصیلات یہ سرحدی افسر اپنے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے پہلے ہی قراقرم بھجوا دیتے تھے۔

پھر جب یہ لوگ قراقرم کے قریب پہنچتے اور انہیں مغلوں کے خیمے اور جھونپڑیاں اور بغیر درختوں کے کھلے میدان نظر آتے تو رہبر ان کو قراقرم کے محافظوں کے حوالے کر دیتے۔

مغلوں کے ایک پرانے دستور کے مطابق مغل بستی یا دربار میں آنے سے پہلے ہر اجنبی کو دو بڑے بڑے جلتے اور دہکتے ہوئے الاؤ کے درمیان سے گزرنا پڑتا تھا۔

اس سے آنے والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن مغلوں کا عقیدہ تھا کہ اگر آنے والے پر کسی بھوت پریت کا سایہ ہے تو وہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔

جب اجنبی اس دہشت ناک راستے سے گزر جاتا تو پھر اس کے قیام و طعام کا بندوبست کیا جاتا۔ اگر وہ چنگیز کی طلبی پر آیا ہوتا تو اسے اسی وقت چنگیز خان کے سامنے دربار میں پیش کر دیا جاتا۔

آئیے! اب میں آپ کو اپنے جدِ امجد چنگیز خان کے صحرائی دربار کی ایک جھلک دکھاتی ہوں جو تیرھویں صدی کے سب سے عظیم و رعب و جبروت کا شہنشاہ تھا۔

چنگیز خان کا دربار ریشمی استر اور سفید نمدے کے ایک اونچے خیمے میں منعقد ہوتا تھا۔ اس خیمہ کے دروازے پر ایک چاندی کی میز رکھی ہوتی جس پر گھوڑی کا دودھ، تازہ پھل اور بھنا ہوا گوشت موجود ہوتا تھا تاکہ دربار کے

شہنشاہ کے حضور پیش ہونے سے پہلے ملاقاتی پیٹ بھر کر کھانا کھائے پھر اندر جائے۔

اس شامیانے کے دوسرے سرے پر ایک چوکی پر چنگیز خان جلوہ افروز ہوتا تھا۔ اس کی بائیں جانب ایک نیچی چوکی پر اس کی بیوی بورتائی یا کوئی دوسری بیوی براجمان ہوتی تھی۔

بورتائی کے علاوہ چنگیز خان کی اور بھی بیویاں تھیں مگر ان کے نام کہیں نہیں ملتے۔ سوائے چینی شہزادی موباچی کے۔ چنگیز خان کے تمام بیٹے بورتائی ہی کے بطن سے تھے۔

چنگیز خان کے کئی وزیر تھے جن کی موجودگی دربار میں ضروری نہیں تھی سوائے لیوچت سائی کے۔ چنگیز خان نے اسے اپنا وزیر بنا لیا تھا اور اسے ہر دم دربار میں رہنا ضروری تھا۔

لیوچت سائی کا مدار لبادہ پہنتا تھا۔ وہ اپنی لانبی داڑھی، بلند آواز اور شاندار انداز کے ساتھ دربار میں موجود رہتا۔

اس کے علاوہ دربار میں ایک ایغوری منشی بھی موجود ہوتا جس کے پاس قلم اور کاغذ ہوتے۔ اس کا کام چنگیز خان کے احکامات لکھنا اور انہیں باہر بھجوانا تھا۔

ساقی گری کے فرائض ادا کرنے کے لیے ایک مغل نوجوان بھی حاضر رہتا تھا۔ یہ ملازم نہ ہوتا تھا بلکہ اعزازی طور پر یہ خدمت انجام دیتا تھا۔

شامیانے کی دیواروں کے کنارے کنارے چوکیوں پر دوسرے سردار باادب بالاحتیاط بیٹھے ہوتے تھے۔ ان کے جسم پر لشکری لباس ہوتا تھا۔ روئی سے بھرے ہوئے لمبے لمبے کوٹ جن کے کمربند لٹکتے ہوتے اور اوپر کو اٹھی ہوئی سفید سمور کی ٹوپیاں اس لباس میں شامل تھیں۔

شامیانے کے بالکل درمیان میں ایک بڑا الاؤ ہوتا تھا جس میں کانٹے دار لکڑیاں اور گوبر جلتا رہتا۔ الاؤ سے اٹھنے والے دھوئیں کے لیے شامیانے کی چھت میں ایک سوراخ ہوتا تھا جو آتش دان کی چمنی کا کام دیتا تھا۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ارخون ان سرداروں کو کہا جاتا تھا جن کے زیرِ کمان تیس تیس ہزار کا لشکر ہوتا تھا۔ ان کی اور ان کی اولادوں کی ہر خطا معاف ہوتی تھی اور چنگیز خان کی نظر میں یہی سالار اور سردار سب سے زیادہ محترم تھے۔

لیکن ـــ مغلوں میں ایک اور اعزاز تھا جو اعلیٰ ترین سمجھا جاتا تھا۔ اس کا نام تھا:

"ترخان"

ترخان کا خطاب ان جوانمردوں، بہادروں اور جانثاروں کو دیا جاتا تھا جن کی شجاعت کا پورے لشکر میں

ڈنکا بجتا تھا۔ یا پھر وہ لوگ اس اعزاز سے نوازے جاتے تھے جو ناقابلِ یقین کارنامے سرانجام دیتے تھے۔

پس۔ ترخانوں کو چنگیز خان کے دربار میں بغیر اجازت اور ہر وقت آنے کی اجازت تھی۔ یہ جب چاہتے دندناتے ہوئے دربار میں داخل ہو جاتے اور چوکیوں پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ جاتے۔ وہ تلوار یا تیر کی گرفت سے کھردرے ہاتھوں کو اپنی مضبوط رانوں پر رکھ لیتے تھے۔

ترخانوں کے ساتھ ہی ارخون اور چھوٹے دستوں کے سالار آ بیٹھتے اور رک رک کر اچاچبا کر آپس میں سرگوشیاں کرتے رہتے۔

پھر جب چنگیز خان بولتا تو ہر شخص خاموش ہو کر پوری توجہ سے مغلِ اعظم کی بات سنتا تھا۔ خانِ اعظم کی بات آخری بات ہوتی تھی۔ اس کے بعد اس موضوع پر بولنا بے ادبی تصور ہوتی تھی۔ بحث کو بدخلقی سمجھا جاتا اور مبالغہ اخلاقی پستی کی علامت تھا۔

چنگیز خان نے جھوٹ کو قابلِ سزا جرم قرار دیا تھا اور اس سزا کے لیے ایک افسر مقرر تھا جو جھوٹوں کو جھوٹ کے وزن کے اعتبار سے سزا دیتا تھا۔

لوگ اس سزا کے خوف سے بہت کم الفاظ زبان سے نکالتے اور جب بولتے تو احتیاط اور صحتِ بیان کا بے حد خیال رکھتے تھے۔

اس دربار پر غور کیا جائے تو تعجب ہوتا ہے۔ یہ اس شخص کا دربار تھا جس کے سر پر تاج نہ تھا مگر وہ بے تاج بادشاہ کہلاتا تھا۔ اس نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا تھا مگر اپنی قوم میں سب سے زیادہ ذہین اور عقل مند تھا۔

اس وحشی تاجر نے قلم اور کاغذ کو ہاتھ نہ لگایا تھا مگر اس نے اپنی قوم کے لیے اخلاقیات کا ایسا ڈھانچہ تیار کرایا تھا جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

چنگیز خان کی قانون کی کتاب "یاسا" کی پابندی صرف مغلوں ہی پر فرض نہ تھی بلکہ اس کے علاقوں میں آنے والے تمام لوگ اس کی پابندی کرنے پر مجبور تھے۔

اجنبی مسافروں اور سیاحوں سے امید کی جاتی تھی کہ وہ اس کے لیے تحائف لائیں گے چنانچہ چنگیز خان سے ملاقات کے لیے آنے والا اپنے ساتھ تحائف لاتا تھا۔ یہ تحائف لانے والوں سے پہلے ہی حاصل کر کے چنگیز خان کو پیش کر دیے جاتے تھے۔ اس کے بعد تحائف لانے والوں کو پیش کیا جاتا۔

نو واردوں کو چنگیز خان کے حضور پیش کرنے کے بھی قاعدے اور اصول مقرر تھے۔ پیشی سے پہلے ان نو واردوں کی تلاشی لی جاتی کہ کہیں ان کے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں ہے۔ انہیں ہدایت کی جاتی کہ شامیانہ کی

دہلیز کو مس نہ کریں۔

بازیابی کی صورت میں خیمے کی رسیوں کو ہاتھ نہ لگائیں۔

دو زانو ہو کر خانِ اعظم سے گفتگو کریں۔

باریابی کے بعد جب تک انہیں اجازت نہ دی جائے خیمے سے باہر نہ جائیں۔

مغلوں کے اس عظیم دارالسلطنت کو اب صحرائے گوبی کی ریت ہضم کر چکی ہے مگر اس زمانہ میں یہ ایک ایسا پایہ تخت تھا جس پر آہنی عزم کے ساتھ حکومت کی جاتی تھی۔

جو لوگ مغل اردو (لشکر) میں داخل ہوتے وہ مغل تخت و تاج کے مالک چنگیز خان کے نوکر شمار ہوتے۔ وہاں یاسا کے علاوہ کسی اور قانون کا رواج نہ تھا۔

مغرب کا قومی روبری کو لس کہتا ہے:

"جب میں تاتاریوں میں پہنچا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی اور ہی دنیا میں آ گیا ہوں۔

یہ ایک ایسی دنیا تھی جو چنگیز خان کے "یاسا" کے قوانین کے مطابق چلتی تھی اس دنیا میں کوئی احتجاج نہ تھا۔ تمام لوگ خاموشی سے چنگیز خان کی مرضی کی پابندی کرتے تھے۔ سارا کاروبار فوجی طرز پر تھا جس میں بے انتہا نظم و ضبط موجود تھا۔"

چنگیز خان کے شامیانے کا دروازہ جنوب کی طرف تھا اور اس کے پہلو میں جگہ چھوڑ دی جاتی تھی۔ اس کا اپنا گھر بہت بڑھ گیا تھا۔ بھوری آنکھوں والی بورتائی کے علاوہ خان کی اور بھی کئی بیویاں تھیں جو لشکر کے مختلف حصوں میں اپنے خیموں میں رہتی تھیں۔ اور ان بیویوں کے ہم قوم مرد و زن ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔

ان بیویوں میں ملک ختا اور لیاؤ تنگ کی شہزادیاں تھیں۔ ترک شاہی خاندان کی بیٹیاں تھیں اور صحرا کی سب سے زیادہ خوبصورت قبائلی عورتیں تھیں۔

قراقرم میں چنگیز خان جس ٹھاٹ باٹ سے رہتا تھا اور اس نے جو شاہانہ طور طریقے اختیار کیے تھے ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگجو مغل سب سے زیادہ سامانِ حرب کو پسند کرتا تھا۔ اس کے بعد اپنے سرداروں کی فراست اور مشقت اچھے گھوڑے کی تیز رفتاری اور قوتِ برداشت اس کی طمانیت کا باعث ہوتے تھے مگر یہ سنگدل وحشی حسن کی رعنائیوں اور جمال کی ستم آرائیوں سے بھی متاثر ہوتا تھا۔

مثل مشہور ہے کہ جس طرح پتھر کو جونک لگ جاتی ہے اسی طرح حسن و جمال بھی پتھر سے پتھر دل کو موم کیے بغیر نہیں رہتا۔

چنگیز خان کے ارخونوں اور ترخانوں کو اس کی فطرت کے اس کمزور پہلو کا علم تھا چنانچہ اگر انہیں کوئی بہت ہی خوبصورت شہزادی یا امیر زادی نظر آتی تو وہ اپنے طور پر اس کا تذکرہ آپس میں یوں کرتے کہ رفتہ رفتہ یہ بات چنگیز تک پہنچ جاتی۔

پھر وہ ان سرداروں کو بلا کر دریافت کرتا:

"ہم نے سنا ہے کہ ان علاقوں میں کوئی حسین عورت دیکھی گئی ہے؟"

اس کا سوال بڑا تیکھا ہوتا تھا جس سے وقار بھی برقرار رہتا اور دریافت کا مقصد بھی پورا ہو جاتا۔ تجربہ کار سردار بھی اس تیکھے سوال کا جواب بھی تیکھے ہی انداز میں دیتے اور لطف اٹھاتے۔

"آقائے محترم! عورت تو واقعی بہت خوبصورت تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ جنگ کے خاتمہ پر ہم اسے آپ کی خدمت میں پیش کریں گے لیکن......"

اور چنگیز خان کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔

"ہمارے سامنے بات مکمل ہونی چاہیے۔"

وہ اپنی بے چینی کو چھپاتے ہوئے کہتا:

"آدھی بات ہمیں پسند نہیں۔"

"میرے آقا!"

اس وقت دوسرا سردار گویا ہوتا:

"دراصل یہ ہماری غلطی تھی اسی لیے ہم جواب دینے میں خوف محسوس کرتے ہیں۔ دراصل جنگ کے ہنگامہ دار و گیر میں وہ خوبصورت عورت ہمارے ذہن سے نکل گئی اور ہنگامہ فرو ہونے کے بعد ہم اس کی تلاش میں ناکام رہے۔"

چنگیز خان کے چہرے پر ایک ہیبت ناک مرت کی پرچھائیں لہراتی ہوئی محسوس ہوتی اور وہ بے حد لاپرواہی سے کہتا:

"کوئی بات نہیں۔ اگر وہ عورت واقعی خوبصورت ہے تو میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔"

چنگیز خان اپنے قول کا پکا تھا۔ وہ فوراً اس عورت کو تلاش کراتا اور اس تلاش میں اس علاقہ کی تمام عورتیں اس کے سامنے پیش کر دی جاتیں۔

اس طرح اسے ایک کے بجائے کئی خوش شکل اور خوش اندام لڑکیاں مل جاتیں جن کو وہ اپنی کنیزی میں داخل کر لیتا۔

جنگ کے دوران چنگیز خان کے ساتھ کئی کئی بیویاں جاتی تھیں اور ان کی خدمت کے لیے کنیزیں بھی ہوتی تھیں۔ اس کی سب سے پہلی بیوی جو اس کے چاروں بیٹوں کی ماں بھی تھی، بورتائی خاتون قراقرم میں رہتی تھی۔

تاریخ میں چنگیز خان کے صرف چار بیٹوں کا ذکر ہے۔

1۔ جوجی خان
2۔ چغتائی خان
3۔ اوغدائی خان
4۔ تولوئی خان

ان میں جوجی خان کو چنگیز کا بیٹا تسلیم نہیں کیا جاتا۔ باقی تینوں بیٹوں سے اس کی نسل چلی۔ ان کے علاوہ اس کے کسی اور بیٹے کا تاریخ میں ذکر موجود نہیں ہے۔ بورتائی کے علاوہ اس کی اور بھی بیویاں تھیں اور بے شمار داشتائیں بھی تھیں مگر کسی کی اولاد کا ذکر نہیں ملتا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان بورتائی کے علاوہ کسی اور بیوی یا داشتہ سے پیدا ہونے والے بچہ کو اپنی اولاد تصور نہ کرتا تھا یا پھر انہیں شہزادگی کے حقوق سے محروم رکھتا تھا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی کئی بیویوں اور داشتاؤں سے ایک بھی بچہ نہ پیدا ہوا ہو۔

بیویوں کے معاملے میں چنگیز خان کا ایک خواب بہت مشہور ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ چنگیز خان ایک بار اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں تھا۔ اس کے ساتھ اس کی کئی بیویاں بھی تھیں۔ رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی ایک بیوی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں ہے۔ اسی حالت میں اس کی آنکھ کھل گئی۔

چنگیز خان اس خواب سے بے حد پریشان ہوا۔ مغلوں کے دماغ میں یوں بھی وہم زیادہ ہوتا تھا۔ اس خواب کے نتیجے میں وہ اس بیوی کو جو اسے خواب میں ضرر پہنچانے کی فکر میں تھی، یا تو قتل کرا دیتا یا قید میں ڈلوا دیتا حالانکہ مغلوں میں وہ انصاف کے لیے بہت مشہور رہتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا فرض تھا کہ پہلے اصلیت اور حقیقت معلوم کرنے

کے لیے اس بیوی سے پوچھ گچھ کرتا لیکن اس نے اس کا ایک بالکل مختلف حل نکالا اور یہ حل بیدار ہونے کے فوراً بعد اس کے دماغ میں آ گیا تھا۔

چنگیز خان نے آواز دے کر خیمہ کے محافظوں میں سے ایک کو اندر طلب کیا اور اس سے بڑے دبنگ لہجہ میں دریافت کیا:

"آج خیمہ پہ پہرہ دینے والوں کا افسر کون ہے؟"

"خانِ اعظم!"

محافظ نے جواب دیا:

"ہمارے افسر کا نام منگلی خان ہے۔"

چنگیز خان نے حکم دیا:

"منگلی خان کو ہمارے پاس بھیجو۔"

چند لمحوں بعد منگلی خان ڈرا ڈرا اور سہما ہوا سا اندر داخل ہوا۔

چنگیز خان نے استقبالیہ انداز میں دریافت کیا:

"تمہارا نام منگلی خان ہے؟"

"جی خانِ اعظم!"

اس کا پورا بدن خوف سے لرز رہا تھا:

"میرا ہی نام ہے۔"

"گھبراؤ نہیں۔"

چنگیز خان نے اسے تسلی دی:

"ہم تم سے خوش ہیں اور اپنی (فلاں) عورت کو تمہیں بخشتے ہیں۔ تم اسے اپنے خیمے میں لے جاؤ۔"

یہ وہی عورت تھی جسے چنگیز خان نے خواب میں اپنے خلاف سازش کرتے دیکھا تھا۔ اس نے دشمن بیوی کو محض خواب کی بنا پر اپنے ایک افسر کو انعام کی صورت میں بخش کے اس سے ہمیشہ کے لیے اپنا پیچھا چھڑا لیا تھا۔

اس نے مشکوک بیوی کو قتل اس لیے نہ کرایا کہ کہیں لوگ اسے وہمی نہ کہیں کہ اس نے ایک خواب کو حقیقت جان کر ایک بے گناہ کو قتل کرا دیا۔

چنگیز خان اپنی بیویوں کے علاوہ اپنی داشتاؤں کو بھی آرام و آسائش کے تمام سامان دیا کرتا تھا۔ اسکی

داشتہ کا خیمہ الگ ہوتا تھا۔ اس کو حسبِ ضرورت غلام اور کنیزیں دی جاتیں۔

ان داشتاؤں کو یوں تو ہر آرام میسر تھا لیکن چنگیز خان کا ان کے خیمے کی طرف سال میں ایک دو بار چکر لگتا تھا اور اکثر ان بے چاریوں کا سال سال چنگیز خان کے انتظار میں گزر جاتا تھا۔

مشہور ہے کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر جوانی کو سہارا دینے والا نہ ملے وہ دیوانی ہو جاتی ہے۔

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔ میں شہنشاہ بابر کی بیٹی اور شہنشاہ ہمایوں کی بہن ہوں۔

اگرچہ یہ تذکرہ میرے آباؤ اجداد کا ہے لیکن میں عیبوں پہ اسی حد تک پردہ ڈالوں گی جہاں تک مناسب ہو اور اپنے جدِ اعلیٰ کے بارے میں جو کہوں گی خدا لگتی کہوں گی۔

میں نے سلطنتِ روم کے محلات کے حالات پڑھے اور سنے ہیں۔ میں دارالخلافہ دمشق اور عروس البلاد بغداد کے محلات کے الف لیلائی واقعات سے بھی آگاہ ہوں۔

مقصد یہ ہے کہ محلات خواہ روم کے ہوں، قسطنطنیہ کے ہوں یا پھر دمشق، بغداد اور استنبول کے، جس میں بھی شاہوں، بادشاہوں اور خلیفاؤں نے حدِ اعتدال سے قدم باہر نکالا اور اپنے عشرت کدوں کو سینکڑوں ہزاروں داشتاؤں سے سجانے کی کوشش کی وہاں گناہ کی دیوی نے راج کیا۔ اور ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے جنہیں پڑھ اور سن کر مردوں اور عورتوں دونوں کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔

پس —

جب چنگیز خان جیسے مردِ میدان اور شمشیر زن کے دارالسلطنت قراقرم میں اس کی داشتاؤں کے خیموں میں روز افزوں اضافہ شروع ہوا اور ملک ملک، دیس دیس اور قریوں قریوں تک حسین و جمیل دوشیزاؤں کو لا بٹھایا گیا تو وہاں بھی گناہ کی دیوی آ براجمان ہوئی اور اس میں وہ پاکھنڈ ڈالا کہ ایک بار تو مغلوں کے خانِ اعظم کی مضبوط سلطنت بھی لرز کے رہ گئی۔

یہ حادثہ یا سانحہ کب پیش آیا؟

کہاں پیش آیا؟؟

کیسے پیش آیا؟؟؟

اس کے صرف کچھ اشارے تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں۔ میں انہیں مربوط کر کے آپ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔

ارخون اور ترخان کڑیل جوان جو میدانِ جنگ میں ہمیشہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے لڑتے تھے یہ جوان چنگیز خان کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ وہ اکثر کہتا تھا کہ:

"نصرت اور کامیابی ارخونوں اور ترخانوں کے قدموں سے لپٹی رہتی ہے"۔

اور یہ حقیقت تھی کہ اس گروہ کے لوگ واقعی پہاڑوں سے ٹکرانے اور دریا میں گھوڑے ڈال دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

یہ جوان چینیوں کے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے لشکر کے سمندر میں بے دھڑک کود پڑتے۔ تلواریں چلاتے اور ان میں اس طرح گھوڑے دوڑاتے پھرتے جیسے پانی میں تیر رہے ہوں۔

چنگیز خان نے ایسے ہی جوانوں کی زندگی بھر کی خطاؤں کو معاف کر دیا تھا بلکہ اس رعایتِ خسروانہ میں ان کی موجودہ اولاد اور پیدا ہونے والی نسلوں کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔

اس طبقۂ لشکر کا ایک خوبرو جوان شیر خان تھا۔ خوبرو اس لیے کہ وہ شجاعت کے زیور سے آراستہ اور کئی معرکوں میں اس کا اظہار کر چکا تھا۔

شیر خان کا تعلق خانوادۂ چنگیز خان کے قبیلہ یاکا سے تھا۔ وہ خانِ اعظم کا انتہائی پُراعتماد اور وفادار تھا۔ اپنی بے پناہ بہادری اور عالی حوصلگی کی وجہ سے اس نے "ارخون" کا مرتبہ پایا۔ پھر ترقی کر کے ترخان کے عہدے پر آ گیا تھا۔

مشہور تھا کہ شیر خان جب زمین پر قدم مارتا تھا تو زمین ہلتی تھی اور جب وہ پہاڑوں میں ہوتا تو پہاڑ اس کی ہیبت سے لرزتے تھے۔

چنگیز خان کو یہ جوان اس قدر پسند اور محبوب تھا کہ جس طرح سوبدائی بہادر اور مقولی بہادر تھے مگر خان شیر خان کو دور دراز کی مہمات پر بھیجنے کے بجائے اپنے قریب رکھتا اور اپنے تمام ذاتی کام اسی سے کراتا تھا۔

چنگیز خان کو شیر خان پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنی بیویوں اور داشتاؤں کے پاس پیغامات وہ ترخان کے ذریعے بھیجا کرتا تھا اور آخر اس اعتماد سے اس نے ایسا دھوکہ کھایا کہ چند روز کے لیے نواب کی زندگی تلخ ہو کر رہ گئی اور اس کے معمولات میں فرق آ گیا۔

ایک روز دن کی روشنی میں چنگیز خان نے اپنی انتہائی پسندیدہ داشتہ جس کا نام کالی تھا، کو شیر خان کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ آج کی شب کالی کو خانِ اعظم کے خیمہ میں رات گزارنے کا اعزاز بخشا گیا ہے اور یہ کہ نصف شب کے قریب شیر خان ہی کالی کو خانِ اعظم کے خیمے میں پہنچائے گا۔

کالی صرف نام کی کالی تھی اس لیے کہ وہ رات کی طرح کالی نہیں بلکہ دن کی مانند تابان اور روشن تھی۔ ایسی عورتوں کو چندے آفتاب چندے ماہتاب کہا جاتا ہے۔

وہ دراز قامت، چھریرہ بدن چلتی تو یوں معلوم ہوتا جیسے بادِ بہاری مستانہ وار چلی آ رہی ہو۔ گہری چمکتی آنکھوں میں ڈوب جانے کو جی چاہتا۔ وہ خاندانی اعتبار سے مغل ہی تھی مگر اس کی ماں جنوبی علاقے کی ایک ترک خاتون تھی۔

کالی کی بدقسمتی کہ اس کے باپ اور خانِ اعظم میں کسی بات پر ٹھن گئی اور وہ خانِ اعظم کا قبیلہ چھوڑ کر اپنے قبیلہ میں واپس چلا گیا۔

چنگیز خان اپنے دشمن کو زندہ نہ چھوڑا کرتا تھا چنانچہ اس نے ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ وہ غیرت مند تھا۔ اس نے اپنے تین بھائیوں اور باپ کے ساتھ اپنی آن پہ کٹ مرنا قبول کر لیا مگر گرفتاری نہ دی۔

بے ماں کی کالی کو حالات کا علم اس وقت ہوا جب خانِ اعظم کے سوار اس کے خیمہ میں گھس آئے اور اسے باندھ کر گھوڑے پر ڈال لیا۔

پھر جب وہ اسے لے کر قراقرم کی طرف چلے تو ہر ایک کی نیت بد ہو گئی۔ سب نے دبی زبان سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ خانِ اعظم سے اس حسینہ کو اپنے لیے مانگیں گے۔

گرفتار شدہ لڑکیوں کے لیے چنگیز خان کا حکم تھا کہ تمام لڑکیاں خاص کر خوبصورت لڑکیاں پہلے اس کے سامنے پیش کی جائیں اور وہ ان کے بارے میں جو فیصلہ کرے اس پر عمل کیا جائے۔

پورے لشکر کو خانِ اعظم کی حسن پرستی کا علم تھا اس لیے وہ خود بھی گرفتار شدہ لڑکیوں کو خانِ اعظم کی خوشنودی کے لیے پہلے اس کے سامنے پیش کرتے۔ اگر خانِ اعظم انہیں پسند کر کے اپنی کنیزوں یعنی داشتاؤں میں داخل کر لیتا تو کوئی اف نہ کرتا اور ناپسند کرنے کی صورت میں وہ لڑکی یا عورت گرفتار کرنے والے سردار یا سپاہی کو بخش دی جاتی۔

خانِ اعظم کے سامنے کالی کی پیشی بڑی ہنگامہ خیز تھی۔

سہمی سہمی سی کالی جب چنگیز خان کے سامنے آئی تو وہ اسے دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔ وہی نہیں بلکہ اس کے خیمے میں موجود ہر ایک کی نظر کالی کے شہابی چہرے پر جم کے رہ گئی۔

محویت اور سرخوشی کا یہ عالم زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اس لیے کہ خانِ اعظم اپنے وقار کا ہر دم خیال رکھتا تھا۔

"اس لڑکی کو کون لایا ہے؟" چنگیز خان کی آواز نے تمام حاضرینِ دربار کو چونکا دیا۔

کالی کو لانے والا کوئی ایک نہ تھا بلکہ اس کے خیمے میں چار مغل لشکری ایک ساتھ داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے کالی کو لانے کا دعویٰ کیا۔ تاکہ ناپسندیدگی کی صورت میں کالی اسے بخش دی جائے۔

"اسے میں لایا ہوں آقا!"

یہ آواز چار بار گونجی۔

چنگیز خان نے تیز نظروں سے چاروں کو گھورا:

"میں کسی کی لاش لانے والے کا نہیں بلکہ اس لڑکی کو لانے والے کا نام پوچھ رہا ہوں۔"

اس کا لہجہ اس قدر تند تھا کہ خوف کی وجہ سے اب کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ اس پر چنگیز خان نے خود ہی فیصلہ کر دیا:

"تم چاروں کا ایک ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے۔"

چنگیزی لشکر کے درجات پانچ، دس، پچاس، سو، ہزار، پانچ ہزار، دس ہزار، بیس ہزار اور تیس ہزار تھے۔

تیس ہزار ایک تومان کہلاتا تھا اور تومان باشی تیس ہزار کا سالار یا سپہ سالار ہوا کرتا تھا۔ اس درجہ پر کوئی ترخان یا ارخون لگایا جاتا تھا۔

کالی نے پہلی ہی نظر میں چنگیز خان جیسے سفاک اور پتھر دل کو موم بنا دیا تھا۔ وہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کالی جواب تک کھڑی تھی اس نے کئی بار چنگیز خان سے نظریں ملائی تھیں مگر اس نے کوئی تاثر قبول نہ کیا تھا۔

"شیر خان!" چنگیز خان نے یکایک بلند آواز میں کہا۔

"غلام حاضر ہے آقا۔" شیر خان اپنی چوکی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

پتہ نہیں شیر خان کی آواز میں کیا تھا کہ کالی نے پلٹ کر فوراً اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور کالی کی وہ نظریں جو چنگیز خان کی نظروں سے ٹکرا کے نہ جھکی تھیں، وہ شیر خان سے ملتے ہی جھک گئیں۔

اسی دم چنگیز خان کی آواز ابھری:

"اس لڑکی کے لیے ایک بڑا خیمہ نصب کیا جائے۔"

شیر خان سر جھکائے باہر نکل گیا۔

"بیٹھ جا لڑکی۔" چنگیز خان نے پورے جلال کے ساتھ حکم دیا۔ کالی اس حکم پر چنگیز خان کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ خیمے کے ایک کونے کی طرف تھا۔

چنگیز خان کے اہلِ دربار کو کالی کا یوں چنگیز خان کی طرف پشت کر کے بیٹھنا ناگوار گزرا۔ اس لیے ایک ترخان نے اسے ٹوکا:

"لڑکی، دربار میں خانِ اعظم کی طرف پیٹھ کر کے کوئی نہیں بیٹھتا۔"

کالی کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔

اس نے پہلے تو ٹوکنے والے کو گھور کے دیکھا، پھر چنگیز خان کی طرف دیکھ کر بولی:

"یہ کون گستاخ ہے جو آقا کی موجودگی میں بغیر اجازت ایک لڑکی سے مخاطب ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔"

چنگیز خان نے اب تک کالی کا حسن و جمال دیکھا تھا مگر اس کے بولنے پر اسے اندازہ ہوا کہ یہ وحشی ہرنی پری پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ شوخ و شنگ بھی ہے۔

چنگیز خان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا:

"لڑکی۔ یہ ہمارا ترخان ہے۔"

"ترخان ہو یا مرخان!"

کالی کڑک کر بولی:

"میں پوچھتی ہوں اسے گستاخی کی اجازت کس نے دی؟"

چنگیز خان کو کالی کا لہجہ ناگوار گزرا۔ اس نے ناپسندیدگی سے کہا:

"تیرا ہم سے سوال کرنا خود ایک گستاخی ہے۔ تو اجنبی ہے اس لیے میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ آیندہ کے لیے خیال رہے۔"

"میں معافی کے لیے خانِ اعظم کی شکر گزار ہوں۔"

کالی نے نرم پڑتے ہوئے شوخی سے کہا:

"مگر میں اس ترخان کو معاف نہیں کر سکتی جس نے میرے ساتھ گستاخی کی ہے۔"

"لڑکی!"

چنگیز خان بھی نرم ہوتے ہوئے بولا:

"تو نہیں جانتی کہ ہم نے ترخانوں کی ہر خطا معاف کر رکھی ہے۔ یہ معافی ان کی آل اولاد کے لیے بھی ہے۔"

"خانِ اعظم!"

کالی بولی اور کفن پھاڑ کے بولی:

"آپ نے زرخانوں کی خطائیں اپنے حضور معاف کر رکھی ہیں مگر کوئی دوسرا ان کی گستاخی کس طرح معاف کر سکتا ہے۔"

"چپ ہو جا لڑکی"۔

چنگیز خان نے اسے ڈانٹ دیا:

"اب ایک لفظ زبان سے نہ نکلے"۔

کالی خاموش ہو گئی۔ دربار پر پہلے ہی سناٹا طاری تھا۔ کچھ دیر اسی طرح خاموشی طاری رہی پھر چنگیز خان نے اس سے پوچھا:

"لڑکی تیرا نام کیا ہے؟"

کالی نے کوئی جواب نہ دیا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد چنگیز خان نے خداوندانہ لہجے میں کہا:

"لڑکی! ہم نے کچھ پوچھا ہے۔ تو جواب کیوں نہیں دیتی؟"

کالی پھر بھی خاموش رہی۔

چنگیز خان چیخ پڑا:

"تو خاموش رہ کے اپنی موت کو آواز دے رہی ہے لڑکی۔۔۔۔"

"خانِ اعظم!"

کالی مسکرائی اور بڑے لطیف انداز میں بولی:

"میری عقل حیران ہے کہ میں آپ کے کس حکم کی تعمیل کروں۔ پہلے آپ نے حکم دیا کہ اب ایک لفظ زبان سے نہ نکالنا۔ میں نے زبان پر تالا لگا لیا۔ اب آپ فرما رہے ہیں میں خاموش رہ کر اپنی موت کو دعوت دے رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے کس حکم کی تعمیل کروں اور کس کو نظر انداز کر دوں۔

میری چند لمحوں کی یہ خاموشی آپ کے حکم کے تحت تھی ورنہ میرے منہ میں زبان ہے اور میں بولنا جانتی ہوں۔ مجھے بات کرنے کا سلیقہ بھی ہے۔

رہا موت کو دعوت دینے کا سوال تو اس بارے میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ موت کسی کو پسند نہیں۔ پھر ایک ایسی لڑکی، جس نے اب تک دنیا کو ایک آزاد نظر سے دیکھا ہی نہیں۔ چاند ستارے، دریا پہاڑ اور ریگ زار کے یہ منچلے جھکڑ، یہ تمام چیزیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ خوبصورت لگتی ہیں۔ خوبصورتی کو کون پسند نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے خانِ اعظم بھی خوبصورتی کو پسند کرتے ہوں گے۔ مجھے بھی خوبصورت چہرے پسند ہیں اس لیے میں خود بھی خوبصورت۔۔۔۔"

"لڑکی، ہم نے تیرا نام پوچھا تھا"۔

چنگیز خان اگرچہ کالی کی گفتگو اور دلچسپ باتیں بڑی توجہ سے سن رہا تھا مگر اس خیال سے کہ کہیں درباری لڑکی کی باتوں سے الجھ نہ رہے ہوں، اس نے کالی کی بات کاٹ دی۔

"خانِ اعظم!"

کالی نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا:

"میرا نام قراقرم ہے"۔

"قراقرم؟" چنگیز خان چونک پڑا۔ اس کے درباریوں پر بھی کچھ ایسا ہی اثر ہوا تھا۔

"جی ہاں خانِ اعظم۔"

کالی نے اسی لہجے میں جواب دیا:

"دوسرے معنوں میں آپ مجھے کالی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ قراقرم کے معنی کالی ریت کے ہوتے ہیں۔ میں اسی ریت اور مٹی سے پیدا ہوئی ہوں اور اسی میں مل جاؤں گی۔ اس لیے میرے گھر والوں نے میرا نام کالی رکھا۔ میں جانتی ہوں کہ میں کالی نہیں ہوں بلکہ میرا چہرہ دودھ کی طرح سفید ہے اور چاند سورج کی مانند چمکدار ہے۔۔۔۔"

"ہم نے تجھے اپنی کنیزی کے لیے پسند کیا ہے" چنگیز خان نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"خانِ اعظم نے اگر اپنی خدمات کے لیے پسند کیا ہے تو میں دل و جان سے خدمت کروں گی"۔

کالی نے پھر بات کو طول دیا اور کہا:

"لیکن کنیز کے معنی اگر نوکرانی، خادمہ اور لونڈی کے ہیں تو یہ میرے لیے کوئی قابلِ فخر اعزاز تو نہ ہوا۔ مجھے اعزاز ہی بخشنا ہے تو مجھے کالی کے نام سے پکارا جائے تاکہ میں اپنی نظروں سے گر نہ جاؤں۔ یہ میری درخواست ہے"۔

"درخواست پر غور کیا جائے گا"۔ چنگیز خان نے بات ٹالنا چاہی۔

مگر حاضر جواب اور شوخ و شنگ حسینہ نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ فوراً بولی:

"اے میرے آقا اور مغل قوم کے خانِ اعظم! غور و فکر وہ لوگ کرتے ہیں جو گواہ اور شہادت کے پابند ہوتے ہیں۔ آپ تو مطلق العنان بادشاہ ہیں۔ آپ میری درخواست کا فوری فیصلہ کر سکتے ہیں"۔

"کالی کی درخواست منظور کی گئی"۔ چنگیز خان نے جان چھڑائی۔

اس کے جواب میں کالی اٹھ کے کھڑی ہوئی۔ چنگیز خان کی طرف رخ کیا اور ذرا سا خم ہو کے ادب سے اسے

تعظیم پیش کی۔

چنگیز خان اس کی سلیقہ مندی سے بہت خوش ہوا۔

"ہم تیری سلیقہ مندی سے شاد ہوئے۔"

کالی نے دوبارہ سلام پیش کیا اور کہا:

"میں خانِ اعظم کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

اسی وقت شیر خان خیمہ میں داخل ہوا۔

"مہمان عورت کے لیے خیمہ نصب کیا جا چکا ہے میرے آقا۔"

"نہ میں مہمان ہوں اور نہ عورت!"

چنگیز خان کے بولنے سے پہلے ہی کالی تیز لہجے میں بولی:

"مہمان تو وہ ہوتا ہے جو چند گھڑیوں یا دنوں کے لیے آتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے مگر میں تو واپسی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

دوسری بات یہ کہ میں عورت بھی نہیں ہوں۔ عورت شادی شدہ ہوتی ہے یا بیوہ۔ میری اب تک شادی نہیں ہوئی اس لیے بیوہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میرے آقا۔"

شیر خان نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

"میری بات سے شاید لڑکی کو صدمہ ہوا ہے۔ میں اس سے معذرت خواہ ہوں۔"

کالی کے بجائے معذرت چنگیز خان نے قبول کی اور کہا:

"تمہاری معذرت قبول کی جاتی ہے شیر خان!"

کالی پھر چپ نہ رہ سکی اور بولی:

"خانِ اعظم نے اچھا کیا جو مجھے بتا دیا کہ مجھے اپنے اوپر یا اپنے معاملات میں کوئی اختیار نہیں۔ خانِ اعظم کے ایک غلام نے مجھ سے گستاخی کی۔ پھر اس گستاخی کی مجھ سے معافی مانگی مگر یہ معافی میرے بجائے خود خانِ اعظم نے قبول کر کے مجھے اپنی حیثیت بتا دی۔"

چنگیز خان جھلا اٹھا۔ اس نے حکم دیا:

"اسے اس کے خیمہ میں پہنچا دو۔ اس کی باتوں سے میرے سر میں درد ہو جائے گا۔"

کالی نے خانِ اعظم کی طرف سے نظر ہٹائی اور شیر خان کی طرف دیکھ کر بولی:

"خانِ اعظم! کیا مجھے یہاں گھومنے پھرنے کا حق بھی نہیں۔ یہ فرشتے کب تک میرے پیچھے لگے رہیں گے!"

چنگیز خان کا منہ بن گیا:

"تمہاری حفاظت ہمارا فرض ہے۔"

"میں خانِ اعظم کو رخصتی سلام پیش کرتی ہوں۔"

کالی نے ادب سے کہا:

"خانِ اعظم نے مجھے ایک نئی بات بتائی ہے۔ میرا باپ کہا کرتا تھا کہ اگر لڑکی اپنی حفاظت خود نہ کرے تو کوئی بھی اس کی حفاظت نہیں کر سکتا مگر آج معلوم ہوا کہ خانِ اعظم اپنی کنیزوں کی بھی حفاظت کرتے رہیں۔"

"لے جاؤ اسے۔"

اور چنگیز خان نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

شیر خان خیمہ کے دروازے کی طرف چلا۔ کالی سر جھکائے اس کے پیچھے چل پڑی۔ اس نے خیمے سے باہر آتے ہی شیر خان سے پوچھا:

"تمہارے خانِ اعظم نے میری طرح اور کتنی لڑکیوں کو قید کر رکھا ہے؟"

"کالی!"

شیر خان نے قدم روکے اور منہ گھمائے بغیر جواب دیا:

"میں اپنے آقا کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔ خانِ اعظم تمہارا بھی آقا ہے۔"

"تم کس قدر ڈپلومیٹک ہو شیر خان!"

کالی ہلکے سے ہنسی:

"اپنے آقا کی غیر موجودگی میں بھی اس کی برائی نہیں سن سکتے۔"

"ہاں ہاں۔ نہیں سن سکتا۔" شیر خان چڑ گیا۔

"لیکن میں نے تمہاری برائی تو نہیں کی شیر خان!"

کالی نے بھولپن سے کہا:

"تم تو بہت اچھے ہو۔ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

اور شیر خان کے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کر کالی کو دیکھا۔

"ایسا پھر نہ کہنا کالی۔" اس کا لہجہ خوشامدانہ تھا: "بابا کہتا ہے کہ خانِ اعظم کی بیویوں یا کنیزوں کو دیکھنا بھی جرم ہے۔"

"یہ یاسا کون ہے؟"

کالی نے فکرمندانہ انداز میں پوچھا:

"کیا وہ خانِ اعظم سے بھی بڑا ہے؟"

"ہاں۔ وہ خانِ اعظم سے بھی بڑا ہے۔"

شیر خان نے فوراً جواب دیا:

"یاسا ہمارا قانون ہے۔ خانِ اعظم کا بنایا ہوا قانون۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کی گردن اڑا دی جاتی ہے۔"

کالی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ شیر خان کا مضبوط دل لرز کر رہ گیا۔

"قدم روک کر کھڑے نہ ہو شیر خان۔"

کالی نے ہنستے ہوئے کہا:

"ورنہ یاسا کا کوئی قانون تمہاری گردن اڑا دے گا۔"

"صرف میری نہیں۔ تمہاری گردن بھی۔"

اور شیر خان کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔

کالی نے ایک ٹھنڈی سانس اس طرح لی کہ اس کی تاثیر شیر خان تک بھی پہنچی۔ پھر اس نے بڑے عجیب لہجے میں کہا:

"میں تو اس دن بہت خوش ہوں گی جس دن میری گردن تمہارے ساتھ اڑائی جائے گی۔"

"کالی!"

شیر خان کے قدم ایک بار پھر رک گئے۔ اس نے کالی کی طرف دیکھ کے کہا:

"کیا تو میری جان لینا چاہتی ہے؟"

"نہیں شیر خان!"

کالی نے مضبوط لہجے میں کہا:

"میں تو اپنی جان تجھے دینا چاہتی ہوں۔ مجھے تیرے خانِ اعظم سے نفرت ہے۔ اس کے ساتھ میں زیادہ دن زندہ نہ رہ سکوں گی۔"

شیر خان کے ہاتھوں سے تحمل کا دامن چھوٹنے لگا:

"کالی....!" اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"ہوش میں آؤ شیر خان!"

کالی نے اسے خبردار کیا:

"خیمہ میں چل کر باتیں کریں گے۔ قدم مت روکو۔"

کالی کے کہنے پر شیر خان کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔

دونوں خیمے پر پہنچے۔ کالی کے لیے ایک کے بجائے دو کنیزیں مقرر کی گئی تھیں۔ اپنی نئی مالکن کو دیکھ کر انہوں نے سر خم کر دیے۔

"خبردار۔"

شیر خان نے خیمے کے اندر داخل ہو کے کہا:

"اس خیمے کی کوئی بات باہر نہ نکلنے پائے۔"

"شیر خان!"

ایک کنیز جو عمر میں بڑی تھی اس نے جواب میں کہا:

"ہمارے آقا آپ ہیں۔ جب تک ہماری جان نہیں نکلتی۔ یہاں کی کوئی بات باہر نہیں نکل سکتی۔ رازداری ہمارے خون میں شامل ہے۔"

"یہ واقعی وفادار معلوم ہوتی ہیں۔"

کالی نے خواہ مخواہ کنیزوں کی تعریف کی:

"یہ کنیزیں نہیں بلکہ میری بہنیں ہیں۔ میں بھی کنیز۔ یہ بھی کنیزیں۔ پھر ایک کنیز دوسرے کی کنیز کس طرح ہو سکتی ہے۔"

دونوں کنیزیں خوش ہو گئیں اور انہوں نے کہا:

"ہم رازداری کی قسم کھاتی ہیں۔"

مگر ایسی باتیں کہاں چھپا کرتی ہیں۔ ان کا نام محلاتی سازشیں اور ریشہ دوانیاں ہوتا ہے۔ خواہ یہ مغلیہ سلطنت کے آگرہ اور دہلی کے محلات میں ہوں یا صحرائے گوبی کے چٹیل میدان میں لگے ہوئے خانِ اعظم کے خیموں میں ہوں۔

انسانی جذبات تو ہر جگہ اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔

خادمائیں اور لونڈیاں جب بیگمات اور داشتاؤں کا درجہ حاصل کر لیں تو ایسی ہی صورت حال پیدا ہوا کرتی ہے۔

بادشاہ اور سردار روز نئی نئی کنیزیں محلات میں ڈالتے رہتے ہیں۔ ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور بادشاہ یا سردار ایک کنیز کو ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ نہیں دیکھ پاتا۔ اس سے اخلاقی برائیاں تو جنم لیتی ہی ہیں۔

شیر خان کی اکثر راتیں کالی کے خیمے میں گزرنے لگیں۔ یہ بڑی جرأت اور دل گردے کا کام تھا۔ مگر جوانی تو دیوانی ہوتی ہے اور یہاں تو دونوں ہی دیوانے تھے۔

شیر خان نے کالی سے پیمان کیا تھا کہ اگر اسے سُولی چڑھنا پڑا تو چڑھ جائے گا مگر اس سے بے وفائی نہ کرے گا!

شیر خان اور کالی کی خبر اڑی اور جنگل کی آگ کی طرح پورے قراقرم میں پھیل گئی۔ کئی خیمے لرز اٹھے۔ شیر خان جس طرح چنگیز خان کا معتمد اور محبوب سردار تھا اسی طرح وہ ترخانوں کا بھی ایک پسندیدہ سردار تھا۔ کسی کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ کالی کی کالی راتوں کا حال خانِ اعظم سے بیان کرے۔

چنگیز خان سے کسی نے نہ کہا مگر اس کی چھٹی حس نے ایک عظیم خطرے کی گھنٹی بجائی۔ اس نے اپنے خیمے میں آنے جانے والوں کے چہرے پڑھنا شروع کیے۔ سہمے سہمے، پھیکے پھیکے اور رعشہ زدہ چہرے۔

ان چہروں نے اسے باور کرا دیا کہ کوئی طوفان آنے والا ہے یا آ چکا ہے۔

پھر — ایک رات اس نے اپنے خاص ملازم کو اپنے خیمے میں سونے کا حکم دیا۔ ملازم کا خون خشک ہو گیا۔ وہ کتنے دنوں سے اپنے مالک سے نظریں چرا رہا تھا۔ ملازم کے اس رویّے نے چنگیز خان کو اس کی طرف سے مشکوک کر دیا۔

نصف شب کے قریب چنگیز خان نے اپنا خنجر اس کے سینہ پر رکھ دیا:

"میں کئی دن سے تیری آنکھوں میں نمک حرامی کے سائے لہراتے دیکھ رہا ہوں۔"

اس نے چبا چبا کے کہنا شروع کیا:

"میں جانتا ہوں کہ تو خود نمک حرام نہیں ہے۔ تجھے کسی نے بہکایا ہے۔ بدی پہ اکسایا ہے۔ غداری پہ آمادہ کیا ہے۔"

ملازم نے زیرِ خنجر بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا:

"میرے آقا، میرے مالک! نہ کسی نے بہکایا نہ اکسایا، نہ غداری پہ آمادہ کیا ہے۔ مگر میں آپ کا مجرم ضرور ہوں"۔

چنگیز خان نے اس کے سینے سے خنجر ہٹا لیا:

"اگر پہلی تینوں باتیں غلط ہیں تو جو کچھ تو جانتا ہے سچ سچ بیان کر دے۔ میں تجھے معاف کر دوں گا"۔

"میرے آقا!"

ملازم کو سہارا ملا تو اس نے فوراً اگل دیا:

"شیر خان اور کالی کی بات پورے قراقرم میں مشہور ہو چکی ہیں۔ پتہ نہیں آپ کو اس بات کا علم ہے یا نہیں؟"

"کیا؟"

چنگیز کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ وہ دیر تک ملازم کا منہ تکتا رہا۔ جب حواس کچھ درست ہوئے تو اس نے مردہ آواز میں پوچھا:

"کیا یہ سچ ہے سنی سنائی بات تو نہیں؟"

"مالک!"

ملازم نے مضبوط لہجے میں کہا:

"یہ بالکل سچ ہے"۔

"کوئی ثبوت ہے تیرے پاس؟" چنگیز کی آواز مضمحل ہو گئی۔

"ثبوت یہ ہے کہ شیر خان اس وقت بھی کالی کے خیمے میں ہے"۔

ملازم نے پورے وثوق سے کہا:

"حکم دیجیے تو میں ابھی دونوں کو گرفتار کر کے پیش کر دوں یا گردنیں اتار لاؤں"۔

"ابھی نہیں"۔

چنگیز خان بیماروں کی طرح اپنی مسند پہ گر گیا:

"ٹھہرو اور انتظار کرو"۔

پھر اس نے ملازم کو رخصت کر دیا۔

صبح اس نے دربار عام لگایا۔ اس کے بڑے خیمے کے سامنے حد نظر تک لوگ نظر آتے تھے۔ وہ خیمے سے نکل کر میدان میں آیا اور اپنی مسند پہ بیٹھنے کے بجائے کھڑے کھڑے حکم دیا:

"نوئن شیر خان اور کنیز کالی کو حاضر کیا جائے"۔

کسی کو علم نہ تھا کہ یہ دربار کس لیے لگایا گیا ہے۔ شیر خان اور کالی کے نام پر لوگ چونکے۔ ان دونوں کی سیاہ کاریوں کے چرچے تو عام ہو چکے تھے مگر یہ پتہ نہ تھا کہ چنگیز خان بھی اس راز سے واقف ہو چکا ہے اور اس وقت دربار میں ان کی سزا کا اعلان کرے گا۔

شیر خان اور کالی تیروں اور تلواروں کے حلقے میں دربار عام میں پیش کیے گئے۔ انہیں دو مختلف سمتوں سے وہاں لایا گیا اور چنگیز خان کے حکم کے مطابق برابر برابر کھڑا کر دیا گیا۔

مجرموں کے سر جھکے ہوئے تھے مگر چہروں سے کسی کرب یا پریشانی کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ تعجب تو اس بات پر تھا چنگیز خان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے کے بجائے اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"شیر خان!"

چنگیز خان نے پرسکون لہجے میں دریافت کیا:

"کیا تجھے اپنے جرم سے انکار ہے؟"

شیر خان نے سر اٹھایا اور چنگیز کی نظروں میں نظریں گاڑ دیں:

"میں مجرم ہوں"۔

اس نے اطمینان سے کہا:

"مجھے قتل کیا جائے"۔

دربار میں ایک عجیب طرح کی بے چینی پیدا ہوئی۔

"کالی!"

اب چنگیز خان اپنی کنیز سے مخاطب ہوا:

"کیا تجھے اپنے جرم سے انکار ہے؟"

"میں اپنے جرم کا اقبال کرتی ہوں"۔

کالی نے سر اٹھایا اور بڑے مضبوط لہجے میں کہا:

"مجھے سولی پر چڑھا دیا جائے"۔

اب مزید کسی گواہی یا شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ صرف فیصلہ باقی تھا اور چنگیز خان نے پورے جلال سے فیصلہ کر دیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ میرا جد امجد اخلاقیات کے مسئلے بھی بالکل اپنے انداز میں حل کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے

فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

"تم دونوں ہماری سرحد سے نکل جاؤ۔ اگر ایک ہفتہ کے بعد ہماری سرحد میں کسی جگہ نظر آئے تو مغلوں کو تمہارا خون معاف ہوگا۔"

درباریوں کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ ان کے خیال میں دونوں کو قتل ہونا چاہیے تھا۔ ایک بوڑھے مغل نے احتجاج کیا:

"خانِ اعظم! اتنے سنگین جرم کی کوئی بھی سزا نہیں؟"

"بزرگ مغل"۔

چنگیز خان نے جواب دیا:

"وہ دونوں مجرم نہیں۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے ایسے ذلیل جذبات کی لڑکی کو اپنے لیے منتخب کیا"۔

اس کے ساتھ ہی دربار برخاست ہوگیا۔

چنگیز خان کے چار بیٹے اس کے جائز وارث نامزد کیے گئے تھے:

۱۔ جوجی خان

۲۔ چغتائی خان

۳۔ ادغدائی خان

۴۔ تولوئی خان

یہ چاروں بیٹے اس کی پہلی بیوی بورتائی کے بطن سے تھے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جوجی خان کا باپ چنگیز خان نہ تھا بلکہ یہ بچہ بورتائی کے بطن سے اس وقت پیدا ہوا تھا جب وہ چنگیز خان کے ایک دشمن کے قبضہ میں تھی۔ پھر جب چنگیز خان نے طاقت حاصل کر کے بورتائی کو ایک جنگ کے بعد دشمن سے واپس لیا تو بورتائی اپنے ساتھ جوجی خان کو بھی لے آئی تھی۔

چنگیز خان نے اسے اپنا بیٹا نہ ہونے پر بھی اپنے دوسرے بیٹوں کے مانند پالا پوسا اور جوان کیا۔ پھر جب اس نے اپنے وارثوں کا اعلان کیا تو ان میں جوجی خان پہلے نمبر پر تھا۔ حالانکہ اس کے تینوں سوتیلے بھائیوں نے اسے کبھی اپنا بھائی تسلیم نہ کیا تاہم چنگیز خان کی زندگی میں وہ جوجی کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

میں آپ کو یاد دلاتی چلوں کہ میرا نام گلبدن بیگم ہے۔ میں شہنشاہ بابر کی بیٹی، بادشاہ ہمایوں کی بہن اور اکبر بادشاہ کی پھوپھی ہوں۔ اکبر بادشاہ ہی کے حکم پر میں اپنے آباؤ اجداد کی زندگی کے اوراق آپ کے سامنے الٹ رہی ہوں۔

چونکہ یہ واقعات بارہویں صدی عیسوی کے شروع ہوتے ہیں اس لیے میں ان واقعات اور حالات کو رقم کر رہی ہوں جو میں نے اپنے اجداد اور انہوں نے اپنے اجداد سے سنے تھے۔

چنگیز خان اپنے چاروں بیٹوں کی خود نگرانی کرتا تھا۔ اس کی تیز نظر ہر وقت ان کے رجحانات، کردار اور صلاحیتوں کا جائزہ لیتی رہتی تھیں۔

پھر جب یہ بچے جوان ہوئے تو چنگیز خان نے ان کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ان کو "ارلوق" یعنی شاہین کا خطاب دیا۔

خطاب دینے سے پہلے چنگیز خان نے اپنے ان یار افسروں سے طویل گفتگو کی جو الگ الگ ہر شہزادے کو علوم اور فنون سپہ گری کی مہارت حاصل کرنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ ان کی سفارش کے بعد ہی انہیں ارلوق کے خطاب سے نوازا گیا۔

خطاب کے بعد ان شہزادوں کو وزیر کا درجہ حاصل ہو گیا اور خان اعظم یعنی چنگیز خان نے انہیں الگ الگ محکمے تفویض کر دیے۔

سب سے بڑا بیٹا جوجی خان میر (وزیر) شکار مقرر ہوا۔ مغل اس وقت تک اپنی زیادہ تر غذا شکار ہی سے فراہم کرتے تھے۔

چغتائی کو میر قانون و سزا کا عہدہ ملا۔

اوغدائی خان میر مشاورت بنا۔

تولوئی خان جو سب سے چھوٹا تھا وہ برائے نام فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ خان اعظم اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

چنگیز خان کی سخت نگرانی کے سبب بظاہر اس کے بیٹوں میں میل ملاپ دکھائی دیتا تھا مگر ہر اہم معاملے پر تینوں بھائی جوجی خان کے خلاف محاذ بنا لیتے تھے تاہم بات دبا دی جاتی تھی۔

اصل میں تولوئی خود درمیان میں آجاتا اور سب کو ڈانٹ ڈپٹ کے معاملہ رفع دفع کرا دیتی۔ جوجی تین کے مقابلے میں اکیلا تھا مگر وہ اس قدر بہادر تھا کہ جب بھی سوتیلے بھائیوں سے جھگڑا ہوتا تو وہ تینوں کے مقابلے میں تنہا تلوار سونت لیتا۔

ان چار بیٹوں کے علاوہ چنگیز کے مختلف عورتوں سے درجنوں بیٹے تھے مگر وہ نہ تو شہزادے کہلاتے اور نہ ہی انہیں ارلوق کے خطاب کے لائق سمجھا جاتا۔

ان غیر شہزادے بیٹوں کی وجہ سے بھی بارہا ہنگامہ ہوا۔ چونکہ ان بیٹوں کی رگوں میں بھی چنگیز ہی کا خون تھا

اس لیے شہزادگی سے محروم ہونے کے باوجود ان میں بھی مستحق شہزادوں کی طرح طنطنہ اور خود سری تھی اور وہ خود کو شہزادوں کے برابر سمجھتے تھے۔

مغل اردو (لشکر) میں وحشت و دہشت کی خوبیوں (ان کے نقطۂ نظر کے مطابق) کے علاوہ عشرت پسندی کا لپکا بھی آہستہ آہستہ پیدا ہو رہا تھا۔ خود چنگیز خان جو جوانی کے عالم میں صرف ایک بیوی پر قانع تھا بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ اس میں بوالہوسی اور عشرت پسندی کی بھی زیادتی ہو رہی تھی۔

ملک خطا (شمالی چین) کی فتوحات کے دوران چنگیز خان کے گرد اس قدر زیادہ خوبصورت عورتیں جمع ہو گئی تھیں کہ ان کے لیے اسے کئی بڑے خیمے نصب کروانے پڑے تھے اور اسی وجہ سے چینی شہزادی سابوچی سے شادی کا واقعہ پیش آیا تھا۔

چین میں جنگ کے دوران جب کوئی شہر فتح ہوتا تو وہاں کی عورتوں میں سے جو مال غنیمت میں مغلوں کے ہاتھ آتیں، خوبصورت ترین دوشیزہ کو چنگیز خان کے لیے الگ کر لیا جاتا تھا۔ اور اسے مال غنیمت کے چھکڑوں کے ساتھ مغل خیمہ گاہ میں بھیج دیا جاتا تھا۔

اس طرح درجنوں عورتوں سے چنگیز خان کے درجنوں بیٹے تھے جو دوغلے ہونے کے باوجود مغل دل و دماغ کے مالک تھے اور انہیں جوانی میں قدم رکھتے ہی چھوٹا موٹا سردار بنا دیا جاتا تھا۔

چنگیز خان کا بڑا بیٹا جوجی خان وہی تھا جس کے بیٹے باتو خان نے آگے چل کے تاتاران زریں خیل کے خانوادے کی بنیاد رکھی اور روس کو کچل کے رکھ دیا تھا۔ آج کے روس کے بیشتر خاندانوں میں اسی خانوادہ تاتار زریں خیل کا خون دوڑ رہا ہے۔

چنگیز خان کا دوسرا بیٹا چغتائی خان وہی تھا جسے وسط ایشیا ورثے میں ملا تھا اور جس کی اولاد میں ہندوستان میں عظیم مغلیہ خاندان کے بانی بابر بادشاہ یعنی میرے والد محترم تھے۔

تاریخ یہی بتاتی ہے کہ میرے والد بادشاہ بابر چغتائی خان کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے مگر میرے والد اور ہندوستان کے تمام مغل بادشاہوں اور شہنشاہوں نے اپنا رشتہ وسط ایشیا کے عظیم امیر تیمور گورگان سے جوڑا ہے اور وہ اپنے آپ کو تیموری اور گورگان کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

خیر یہ ایک متنازعہ مسئلہ ہے اور جس وقت میں اپنے پدر بزرگوار کے حالات کے ذکر پہ پہنچوں گی تو کچھ عرض کروں گی۔

میرے جد امجد چنگیز خان کا سب سے چھوٹا بیٹا تولوئی خان وہ تھا جس کے بیٹے قبلائی خان کی سلطنت مشرق میں بحیرہ چین تک اور مغرب میں وسط ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ نوجوان قبلائی خان، چنگیز خان کا بڑا چہیتا تھا اور

دادا کو اپنے پوتے پر بڑا فخر تھا۔

چنگیز خان اکثر کہا کرتا تھا:

"اس لڑکے قبلائی خان کی باتیں غور سے سنو۔ یہ بڑا سمجھ بوجھ والا ہے"۔

شمالی چین کی فتح کے بعد جب وہ قراقرم واپس پہنچا تو اس نے محسوس کیا کہ اس نئی مملکت کے مغربی علاقوں کی حالت بڑی خستہ ہے۔ وسط ایشیا کی قراختائی سلطنت کے باجگزار ترک قبیلے مرکز سے باغی ہو کر ایک بڑے طاقتور غاصب سے جا ملے تھے۔ اس غاصب کا نام کوشلوک یا قوچلوق تھا۔

کوشلوک نائیمان کا شہزادہ تھا اور اس سے کچھ عرصہ قبل ہی وہ قرابت والی جنگ کے بعد مغلوں کے ہاتھ شکست کھا چکا تھا۔

شہزادہ کوشلوک نے دغابازی کے ذریعے نفع اٹھایا اور ترقی کی تھی۔ اس نے مغرب بعید کی طاقتور سلطنتوں سے ساز باز کر کے اپنے آقا یعنی قراختائی کے خان کو قتل کر دیا تھا۔

اس نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ جس وقت چنگیز خان دیوارِ چین کے اس پار لڑائیوں میں مصروف تھا اس نے ایغور قوم میں انتشار پھیلایا اور مغلوں کے باجگزار عابسائی خان کو بھی قتل کر دیا تھا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ مکریت قبیلہ جو ہمیشہ ڈانواں ڈول رہتا تھا، وہ مغلوں کا لشکر چھوڑ کر کوشلوک کے پاس چلا گیا تھا۔

قراختائی سلطنت جس پر اب بھی کوشلوک قابض تھا تبت سے لے کر سمرقند تک کے کوہستانی علاقوں پہ پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ چنگیز خان نے قراقرم واپس آتے ہی اپنی مغربی سرحد مضبوط کرنے کے لیے کوشلوک کے خلاف مہم چلانے کا فیصلہ کیا۔

کثیر تعداد میں مغل سوار دستے نائیمانوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیے گئے۔ قراختائیوں کی بد قسمتی کہ وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر مغلوں کے سامنے صف آرا ہو گئے اور تجربہ کار مغلوں نے ان کی اچھی طرح پٹائی کر کے انہیں میدان سے مار بھگایا۔

مکریت قبائل بھی مغلوں کو چھوڑ کر کوشلوک سے جا ملے تھے اس لیے ان کے خلاف بھی سوبدائی بہادر کی سرداری میں ایک مضبوط فوج روانہ کی گئی کہ وہ مکریتوں کو فرض شناسی کا سبق سکھائے۔

اسی طرح چنگیز خان نے دو تومان فوج (بیس ہزار سوار) پر جبی نویان کو سردار بنا کر حکم دیا کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں کا تعاقب کرے اور ان کی لاشیں لے کر واپس آئے۔

کوشلوک کی سلطنت میں وہ علاقہ شامل تھا جس سے آیندہ چل کے امیر تیمور گورگان کی تیموری سلطنت کو

... لب کی حیثیت حاصل ہوئی۔

مغلوں کو قراختائیوں اور نائیمانوں کو شکست دینے کے لیے بڑے پیمانے پر جنگ و جدل کا بازار گرم کرنا پڑا۔ ان مہمات اور جنگوں کی تفصیل سے ہم نے اس لیے گریز کیا ہے کہ ان لڑائیوں میں چنگیز خان نے بنفسِ نفیس حصہ نہیں لیا تھا بلکہ اس کے مختلف سرداران اردو یہ کام انجام دیتے رہے تھے۔

جبی نویان نے کوہستانوں میں کوشلوک کا کس طرح تعاقب کیا؟ کیسی کیسی گھاتیں لگائیں اور کیا کیا داؤ پیچ استعمال کیے؟ اس سے قطع نظر اس شاطر اور ذہین مغل سردار نے مسلمانوں کی حمایت اس طرح حاصل کی کہ اس نے کوشلوک کے علاوہ باقی تمام دشمنوں کے لیے معافی کا پروانہ جاری کر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بدھ خانقاہیں جن کے دروازے جنگ کی وجہ سے ایک عرصہ سے بند تھے انہیں جبی نویان نے پھر سے کھلوا دیا۔

جبی نویان نے اپنے دوسرے دشمنوں کی حمایت (یا بغیر جانبداری) حاصل کرنے کے بعد قراختائی شہنشاہ کوشلوک کا ایک سال تک پیچھا کیا۔ آخر وہ اپنی تگ و دو میں کامیاب ہوا اور کوشلوک مارا گیا۔ جبی نویان نے چنگیز خان کے حکم کے مطابق کوشلوک کا سر اس کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

اس نے صرف کوشلوک کا سر ہی نہیں بلکہ سفید ناک والے ایک ہزار گھوڑوں کا گلہ بھی چنگیز خان کو بھیجا جو اس مہم کے دوران وہ مختلف جگہوں سے حاصل کرتا رہا تھا۔

کوشلوک کے خاتمہ سے چنگیز خان کو یہ فائدہ ہوا کہ تبت سے لے کر پہاڑوں کے اس پار روس تک پھیلے ہوئے علاقوں کے ترک قبائل جو مغلوں کی سرحد کے ساتھ ساتھ آباد تھے، تقریباً تمام کے تمام مغل اردو میں شامل ہو گئے۔ اس سے پہلے اگرچہ چنگیز خان نے شمالی چین فتح کر لیا تھا مگر طاقت کا توازن اب بھی انہی ترک خانہ بدوش قبائل کے ہاتھ میں تھا۔

پس ـــ ان قبائل کے مغل اردو میں شامل ہونے سے مغلوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی اور ان کی اقلیت اکثریت میں بدل گئی تھی۔

بدھ مندروں کے دروازے کھلنے سے مغل خانِ اعظم کو ایک نئی آن و شان میسر آئی۔ پہاڑی سلسلوں سے چراگاہوں تک بدھوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ چنگیز خان نے ملک ختا فتح کیا ہے اس لیے ان پر شہنشاہ زریں کا اثر زائل ہو گیا اور وہ شہنشاہ کے بجائے چنگیز خان کو آسمانی فرشتہ سمجھ کر اس کے ہمدرد اور تابع ہو گئے۔

• کوشلوک کی شکست اور موت کے بعد وہاں کے ملاؤں نے بھی اطمینان کا سانس لیا کہ اب وہ طرح طرح کے محصولات سے آزاد ہو گئے ہیں۔

اس طرح تبت کی چوٹیوں کے نیچے کی دنیا میں شہنشاہ چین اور شہنشاہ فراختا کے خاتمہ کے نتیجہ میں بھکشو، لاما اور ملا، انتہائی متعصب ہونے کے باوجود ایک ہی گھاٹ پانی پینے لگے تھے۔

ملک فراختا کے مسلمان ملا، چنگیز خان کے سفیر بن کر جگہ جگہ اس کی عظمت کے راگ الاپتے اور اس کے بنائے ہوئے قوانین "یاسا" کی تبلیغ کرتے تھے کیونکہ انہیں طاقت کے زور پر یہ باور کرا دیا گیا تھا کہ مغل سلطنت میں یاسا اور صرف یاسا کا قانون ہر ایک کو ماننا پڑے گا۔

اس زمانہ میں قراقرم سے آنے والا ایک قاصد تبت کی بلندیوں پر پہنچا اور اس نے جبی نویان کو چنگیز خان کی طرف سے اطلاع دی کہ:

"تمہارے بھیجے ہوئے سفید ناک والے گھوڑے قراقرم پہنچ چکے ہیں"۔

اس نے اسے چنگیز خان کا پیغام دیا کہ:

"فتح کی وجہ سے مغرور نہ ہو جانا"۔

پتہ نہیں جبی نویان نے اس کا اثر قبول کیا کہ نہیں مگر وہ تبت کے پہاڑی سلسلوں میں نئے سپاہی بھرتی کرتا رہا۔ وہ قراقرم بھی واپس نہ گیا کیونکہ اس کی دنیا کے ایک اور حصے میں ضرورت تھی۔

کوشلوک کی شکست کے بعد چین سے لے کر بحرِ ہند (آرال) تک امن و اطمینان اور سکون کی ایک چادر سی تن گئی کیونکہ بغاوت مسدود ہو چکی تھی اور یہ تمام علاقہ ایک ہی خان یعنی مغلِ اعظم کی قلمرو کے ماتحت ہو گیا تھا۔

خان کے گھوڑ سوار قاصد اس سرے سے اس سرے تک چکر لگاتے پھرتے تھے اور ان کے راستے میں مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس وقت کے لیے یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ اگر کوئی دوشیزہ سونے سے بھرا ایک تھیلا لے کر اس سرے سے اُس سرے تک سفر کرے تو اسے کوئی ٹوکنے کی جرأت نہ کرے گا۔

مگر —

خانِ اعظم جو اب بوڑھا ہو رہا تھا، اسے یہ امن و سکون بھی پسند نہ تھا۔ جاڑوں کے موسم میں اسے شکار کھیلنے سے اطمینان نہ ہوتا تھا۔

اس نے ایک دن اپنے شامیانہ کے محافظ دستے کے سردار سے سوال کیا:

"دنیا بھر میں سب سے زیادہ لطف کس بات میں آتا ہے؟"

محافظ سردار نے ذرا دیر سوچنے کے بعد جواب دیا:

"کھلا میدان ہو۔ روز روشن ہو۔ آدمی تیز گھوڑے پر سوار ہو اور ہاتھ پر شہباز بیٹھا ہو جو خرگوشوں کو چوکنا کر دے"۔

"نہیں"۔

چنگیز خان نے جواب دیا:

"اپنے دشمنوں کو کچلنا، انہیں اپنے قدموں میں گرتے دیکھنا۔ ان کے گھوڑے اور سامان چھیننا۔ ان کی عورتوں کی آہ و بکا سننا۔ اس سے زیادہ مزہ کسی اور بات میں نہیں ہے"۔

چنگیز خان کے اس اظہار سے اس کا پورا کردار اور ذہنی رجحان سامنے آ جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسے صرف ظلم ہی پسند نہ تھا بلکہ مظلوم کی بے کسی بھی اسے لذتِ خاص فراہم کرتی تھی۔

میں اپنے جدِ امجد کی حمایت نہیں کرتی مگر کیا کیا جائے کہ اس دور کا ہر بادشاہ اور شہنشاہ ایسا ہی خود سر، مغرور، ظالم اور سفاک تھا۔

چین کے زرد تاجدار کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔ اس نے اپنی رعایا کو کبھی انسان نہ سمجھا۔ اس کا خاندان صدیوں سے عوام کا خون چوس رہا تھا۔ مگر جب وقت پڑا تو وہ عوام کو دشمن (مغلوں) کے حوالے کر کے خود جنوب میں بھاگ گیا۔

یہی حال فراختائی شہنشاہ کوشلوک کا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں سے بے وفائی اور آقاؤں سے غداری کی اور ان کو قتل کر کے تخت پر قابض ہو گیا۔

کیا یہ لوگ کم ظالم اور سفاک تھے؟

یہ ضرور ہے کہ ان لوگوں نے کبھی خود کو ظالم نہیں کہا جبکہ میرے جدِ امجد برملا اپنی سفاکی، بربریت اور شقاوت کا اعلان کرتا تھا۔

میرے اس جدِ امجد یعنی چنگیز خان کو دنیا نے مختلف ناموں سے پکارا ہے مثلاً:

قاتلِ اعظم

جنگجوئے کامل

باجگیرِ تخت و تاج وغیرہ۔

مجھے ان ناموں پر بھی کوئی اعتراض نہیں مگر ایک مؤرخ نے اسے "قہرِ خداوندی" کا نام دیا ہے اور میرے خیال میں یہی میرے جد کا صحیح اور سب سے مناسب نام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے کہ اگر لوگوں نے راستی اختیار نہ کی تو ہم ان پر ظالم حاکم مسلط کر دیں گے۔

چنانچہ ــــ اس زمانے میں بغداد کی عباسی خلافت اور خوارزم شاہی میں جو بدحالی اور مشرکانہ ابتری پھیل رہی تھی، اس کے خاتمہ کے لیے خدا نے چنگیز خان کو ان علاقوں پر مسلط کیا تھا۔

یہ ملک تخت و تاج دنیا کے لیے عذابِ الیم ثابت ہوا کیونکہ اس نے فتح کی جو نئی چال چلی وہ بڑی مہیب تھی اب اس کا رخ مغرب کی طرف تھا۔

چنگیز خان کی سلطنت کی حدیں اب تک مشرقی ایشیا تک محدود تھیں۔ وہ صحراؤں میں پیدا ہوا۔ وہیں پلا بڑھا اور جوان ہوا۔ متمدن دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ تمدن کی جھلک اس نے تاجدار زرین (شہنشاہ چین) کے ساتھ آویزش کے دوران دیکھی۔

شمالی چین کو فتح کرنے کے بعد وہ پھر اپنے مسکن قراقرم کو لوٹ گیا۔ پھر جب اس نے اپنے سرداروں کو تنگوت کے خلاف کارروائی کا حکم دیا، اسی وقت اسے مسلمان تاجروں کی آمد و رفت سے ایشیا کے باقی نصف حصہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔

اسے یہ سن کر یقیناً تعجب ہوا ہوگا کہ مغربی سرحد کے سلسلۂ کوہ کے اس پار ایسی شاداب وادیاں ہیں جہاں کبھی برف نہیں گرتی اور نہ وہاں کے دریا سال کے کسی حصہ میں منجمد ہوتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ایسے شہروں میں رہتے ہیں جو قراقرم اور ین کنگ سے بھی قدیم ہیں اور مغرب کی ان آبادیوں سے ایسے قافلے آتے ہیں جن کے پاس آبدار تلواریں، زنجیر دار زرہیں، سفید کپڑے، سرخ چمڑے، عنبر، ہاتھی دانت، فیروزے اور لعل ہوتے ہیں۔

ان قافلوں کو قراقرم پہنچنے کے لیے وسط ایشیا کی "دیوارِ فاصل" پار کرنا پڑتی تھی۔ یہ دیوارِ فاصل کوہستانوں کا وہ پیچ در پیچ سلسلہ تھا جو دنیا کی چھت کے قریب قریب شمال مشرق اور جنوب مغرب میں پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہ پہاڑی سلسلہ قدیم زمانہ سے اسی طرح قائم تھا۔

پرانے زمانے میں عرب اسے "کوہ قاف" کہتے تھے جہاں ان کے خیال کے مطابق پریوں اور دیوتاؤں کا بسیرا تھا۔ یہی پہاڑی سلسلہ صحرائے گوبی اور باقی دنیا کے درمیان حائل تھا۔

مختصر یہ کہ یہ پہاڑی سلسلہ براعظم ایشیا کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کرتا تھا جس کے ایک طرف چنگیز خان کے صحرانورد رہتے تھے اور دوسری طرف مغرب میں رہنے والے، جن کی سرزمین کو چینی تاتسین یا دور کا علاقہ کہہ کر پکارتے تھے۔

جبی نویان نے کوشلوک کو شکست دی تھی اور وہ اس پہاڑی سلسلہ کے قلب میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔

چنگیز خان کا سب سے بڑا بیٹا جوجی خان مغرب کی طرف گردش کرتا ہوا قپچان قبائل کے گھاس کے میدانوں میں جا پہنچا تھا۔

ان دونوں نے چنگیز خان کو دو ایسے راستوں کی اطلاع بھجوائی جو اس پہاڑی سلسلے کے اس پار پہنچتے تھے۔

اس وقت تک چنگیز خان کو مغربی علاقوں کی تجارت سے دلچسپی ہو چلی تھی۔

وسط ایشیا کے اس پار کی مسلمان قوموں کی مصنوعات خصوصاً ان کے شاندار ہتھیار ان سادہ زندگی بسر کرنے والے مغلوں کے لیے بڑی دلچسپی اور امارت کی چیزیں تھیں۔

چنگیز خان کے علاقوں میں مسلمان تاجر بھی آباد تھے۔ اس نے ان مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ مغرب کی طرف بھی تجارتی قافلے بھیجیں۔

انہی مسلمان تاجروں نے چنگیز خان کو بتایا:

"خانِ اعظم! مغرب میں آپ کا قریب ترین ہمسایہ خوارزم شاہ ہے جس نے خود بھی ایک بڑی سلطنت فتح کی ہے۔"

خانِ اعظم نے دلچسپی سے پوچھا:

"کیا اس کی سلطنت بھی اتنی ہی بڑی ہے جتنی کہ میری؟"

مسلمان تاجر گھبرا گیا۔ اس نے سوچا اگر بڑی سلطنت بتاؤں تو کہیں خانِ اعظم کو ناگوار نہ گزرے اور اگر اسے چھوٹی سلطنت بتاتا ہوں تو جب اسے کہیں سے پتہ چلے گا تو مجھے جھوٹا نہ کہے۔

پس اس نے بہت سوچ کے جواب دیا:

"خانِ اعظم! سلطنت تو آپ کی بڑی ہے لیکن خوارزم شاہ نے بھی کئی ملک فتح کیے ہیں اور اس کی فوج بھی بہت بڑی ہے۔"

"اچھا۔"

چنگیز خان کو چونکہ دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اس لیے اس نے مزید کریدی: "کون کون سے ملک فتح کیے ہیں

اس خوارزم شاہ نے؟"

"خانِ اعظم!"

تاجر نے مستقل مزاجی سے جواب دیا:

"میں اس کی پوری سلطنت میں تو نہیں گھوما مگر میں نے بہ ضرور سنا ہے کہ اس نے ترمذ، طالقان، کالوین، سجستان، مکران وکرمان، ماوراءالنہر، غزنی، فیروز کوہ، شاش، فرغانہ، خجند، بخارا، سمرقند، بلخ اور خراسان وغیرہ کے علاقے فتح کیے ہیں۔"

چنگیز خان سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اس سلسلہ میں گفتگو کو آئندہ پر اٹھا رکھا اور اس وقت خاموش ہو رہا۔

اس وقت مسلمان تاجدار علاؤالدین خوارزم شاہ کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ چھوٹی موٹی تمام ریاستیں اس کی قلمرو میں شامل ہو چکی تھیں۔ اس کی خوارزمی سلطنت کی حدود شمال میں چینی ترکستان اور جنوب میں قلات تک پھیل چکی تھیں۔ اس طرح محمد خوارزم شاہ اس دور کے تمام مسلمانوں سے زیادہ طاقتور حکمران تھا۔

یہ عباسی خلافت کا زمانہ تھا اور بغداد میں عباسی خلیفہ ناصرالدین برسرِ اقتدار تھا۔ ہارون رشید اور مامون رشید کا زریں دور گزر چکا تھا اور عباسی خلافت کی حدود کم ہوتے ہوتے بغداد کے قرب و جوار تک محدود ہو چکی تھیں پھر خلیفہ کو ایک مذہبی ہستی خیال کیا جاتا تھا اور تمام اسلامی ممالک میں اس کا نام خطبہ میں شامل تھا۔

علاؤالدین خوارزم شاہ نے بھی اپنی مملکت میں خلیفہ کا نام خطبہ میں شامل کرایا تھا اور اس بات کا خواہشمند تھا کہ اس کی عظمت کے اعتراف میں خلیفہ اسے "سلطان" کا خطاب عطا کرے جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا۔

مگر پتہ نہیں خلیفہ بغداد، شاہ خوارزم کو سلطان کا خطاب دینے میں کیوں تاخیر کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں خوارزم شاہ نے خلیفہ کے پاس کئی پیغام بھیجے مگر وہ نامعلوم وجوہات کی بنا پر ہر پیغام کا جواب دینے کے بجائے ٹال مٹول سے وقت گزار رہا تھا۔

لیکن آخر یہ ایک شاہ کی انا کا مسئلہ تھا اور شاہ بھی ایسا جو اس وقت سب سے زیادہ طاقتور تھا چنانچہ اس نے خلیفہ کے خلاف فوج کشی کا فیصلہ کیا اور پندرہ ہزار کا لشکر ہمدان سے بغداد کی طرف بھیج دیا۔

اب یہ خوارزم شاہ یا اس لشکر کی بدبختی تھی کہ راستے میں اس لشکر کو برفانی طوفان نے آ گھیرا۔ اس طوفان سے لشکر کے تمام گھوڑے اور دیگر مویشیوں کے علاوہ کثیر تعداد میں جانیں ضائع ہو گئیں۔ خوارزم شاہ نے اسے ایک

بدشگونی خیال کر کے فی الوقت بغداد پر حملہ ملتوی کر دیا۔

خلیفۂ بغداد کو خوارزمی لشکر کی روانگی اور بربادی کا حال معلوم ہوا تو وہ خوارزم شاہ کے اور زیادہ خلاف ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ خوارزم شاہ اس پر دوبارہ حملہ ضرور کرے گا اس لیے اس نے خوارزم شاہ سے مصالحت کے بجائے دوسرے حلیفوں کی تلاش شروع کر دی تاکہ وہ بوقت ضرورت خوارزمی لشکر کا مقابلہ کر سکے یا پھر کسی اور طریقے سے اسے نقصان پہنچا سکے۔

خلیفہ اور خوارزم شاہ میں اختلاف کی یہی وجہ تھی جس نے آگے چل کر اس قدر خطرناک صورت اختیار کر لی کہ خلیفہ نے چنگیز خان کو خوارزم شاہ کے خلاف فوج کشی پر اکسایا۔

ادھر مغلِ اعظم چنگیز خان کو خوارزم شاہ کے بارے میں متضاد خبریں مل رہی تھیں۔ مغل سرحد، خوارزم شاہ کی سرحد سے مل چکی تھی لیکن چنگیز خان خوارزم شاہ سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ خوارزم شاہ کی اسلامی سلطنت بہت مضبوط ہے اور اس سے چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں۔

ادھر خوارزم شاہ نے خلیفۂ بغداد کی سند حاصل کیے بغیر خود ہی "سلطان" کا لقب اختیار کر کے اپنی پوری سلطنت میں خلیفہ کا نام خطبہ سے خارج کرا دیا۔

پھر ایک وقت جب وہ ماوراء النہر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا تو چنگیز خان کی طرف سے اس کے حضور ایک وفد آیا۔

اس وفد میں مغل علاقوں میں آباد تین مسلمان شامل تھے:

۱۔ محمود خوارزمی

۲۔ علی خواجہ بخاری اور

۳۔ کنکا اترازی

وفد نے چنگیز خان کی طرف سے خوارزم شاہ کو کچھ تحائف بھی پیش کیے۔

خوارزم شاہ کو بتایا گیا تھا کہ مغل قوم انتہائی وحشی اور درندہ صفت ہے مگر وہاں سے آنے والے وفد کے تمام اراکین مہذب معلوم ہوتے تھے۔

خوارزم شاہ کو تجسس پیدا ہوا اور اس نے پوچھا:

"تم لوگ صورت سے مغل معلوم نہیں ہوتے۔ تمہارا تعلق کس قوم سے ہے؟"

اس پر محمود خوارزمی نے اراکینِ وفد کا شاہ سے تعارف کرایا۔

"اے خوارزم کے عالی مقام سلطان! اگرچہ ہم مغلِ اعظم چنگیز خان کے وفد کی شکل میں حاضر ہوئے ہیں مگر ہم سب بفضلہ مسلمان ہیں۔ میرے وفد کے ایک رکن کا نام کنکا انزاری، دوسرے کا نام علی بخاری اور میرا نام محمود خوارزمی ہے۔

ہم سب تجارت پیشہ ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد اسلامی علاقوں سے نقل مکانی کر کے ان علاقوں میں جا آباد ہوئے جو اس وقت مغل سلطنت کے ماتحت ہیں۔"

"ہمیں خوشی ہوئی کہ تم مسلمان ہو۔"

سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا:

"مگر ہم نے تو سنا ہے کہ مغل انتہائی وحشی اور بے دین ہیں۔ کیا وہ تمہارے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں حارج نہیں ہوتے؟"

"سلطان کا یہ خیال درست ہے کہ مغل وحشی ہیں اور بے دین بھی۔"

محمود خوارزمی نے وضاحت کی:

"لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیتے۔ بدھ مت کے لاما ہوں کہ مسلمان یا وحشی مغل سب اپنے اپنے طور پر عبادت کرتے ہیں اور کوئی کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیتا۔ سوائے اس کے کہ یاسا کی پابندی ہم سب پر فرض ہے!"

"یاسا!"

سلطان نے محمود خوارزمی کو چونک کر دیکھا:

"یہ کیا چیز ہے۔ مغلوں کی مذہبی کتاب کا نام تو نہیں؟"

"سلطان نے درست فرمایا۔"

محمود خوارزمی نے جواب دیا:

"یہ کتاب مذہبی رسومات اور جنگی اور انتظامی قاعدے اور قوانین کی کتاب ہے۔ یہ کتاب آسمان سے نہیں اتری بلکہ مغلِ اعظم چنگیز خان کی عالی دماغی کی پیداوار ہے۔ اس کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے ہم سب ایک ہی گھاٹ پانی پیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔"

سلطان نے الجھتے ہوئے کہا:

"مگر تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے۔ تمہارے تحائف پیش کرنے سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا خانِ اعظم ہماری دوستی کا خواہشمند ہے۔"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے عالی مقام سلطان۔"

خوارزمی نے جواب میں کہا: "چونکہ خوارزم شاہی سلطنت کی حدود مغل سلطنت کی حدود سے مل گئی ہیں،

اس لیے بہتر ہو گا کہ دونوں حکومتوں میں سفارتی اور تجارتی رابطہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

"سفارتی رابطے بادشاہوں اور حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔"

سلطان کو غصہ آگیا اور اس نے سخت لہجہ میں کہا:

"تو ہمیں حکم دینے والا کون ہوتا ہے؟"

"عالی جاہ!"

محمود خوارزمی گھبرا گیا:

"مجھ حقیر فقیر کی کیا مجال ہے کہ آپ کی شان میں گستاخی کر سکوں۔ یہ تو وہ پیغام ہے جو میرے خانِ اعظم نے آپ کے حضور پیش کرنے کے لیے یہ وفد بھیجا ہے۔"

"ہم تمہیں وفد ہی تسلیم نہیں کرتے۔"

سلطان کا غصہ کم نہ ہوا:

"تمہیں ثابت کرنا ہو گا کہ تم واقعی اپنے آقا کے وفد ہو۔ تمہارے زبانی کہہ دینے سے تو تمہیں وفد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔"

"حضورِ والا! میرے پاس اس کا دستاویزی ثبوت ہے۔"

محمود خوارزمی نے جیب میں ٹٹولتے ہوئے کہا:

"میرے آقا چنگیز خان نے اس زبانی پیغام کے علاوہ ایک نامہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ہمارے سپرد کیا ہے۔"

یہ کہہ کر محمود خوارزمی نے جیب سے خط نکال کر سلطان کی طرف بڑھایا اور سلطان کے حاجب نے خط اس سے لے لیا۔

"خط پڑھا جائے۔" سلطان کا غصہ اب ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

حاجب نے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

اس میں لکھا تھا:

مغلِ اعظم چنگیز خان کی طرف سے سلطان خوارزم کے نام!

میں تجھے پیغامِ تہنیت بھیجتا ہوں کہ میں تیری طاقت اور تیری سلطنت کی عظمت سے آگاہ ہوں۔

میں تجھے اپنا عزیز فرزند سمجھتا ہوں۔ اپنی جگہ تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ

میں نے چین (ختا) اور بہت سی ترک قوموں کو فتح کیا ہے۔ میرا ملک سپاہیوں کی خیمہ گاہ ہے، چاندی کا کان ہے اور مجھے نئے علاقوں کی ضرورت نہیں ہے۔

مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں کا برابر کا فائدہ اسی میں ہے کہ میری اور تیری رعایا کے درمیان تجارت کے تعلقات بڑھائے جائیں۔"

چنگیز خان کے نقطۂ نظر سے یہ پیغام بڑا ہی نرم تھا۔ علاء الدین محمد خوارزم شاہ کو اس نے تجارت کا سیدھا سادہ دعوت نامہ بھیجا تھا۔

اس وقت خوارزم شاہ ماوراء النہر میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا جب اس کے پاس چنگیز خان کی یہ سفارت پہنچی۔ چنگیز خان نے اس کے لیے چاندی کی سیخیں، بیش قیمت جیڈ اور اونٹوں کے سفید اون کے لبادے بھیجے تھے مگر خوارزم شاہ نے جب اس کی تحریر پر غور کیا تو اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمایاں ہو گئے۔

چنگیز خان نے اسے اپنا بیٹا لکھا تھا اور ایشیائی ممالک میں بڑے بادشاہ اپنے باجگزار حکمرانوں کو "بیٹا" کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اس طرح خوارزم شاہ کے خیال کے مطابق چنگیز خان نے اسے بیٹا کہہ کر اپنے سے چھوٹا یعنی کوئی باجگزار سمجھا تھا۔

خوارزم شاہ کو یہ بھی ناگوار گزرا کہ چنگیز خان نے لکھا تھا کہ اس نے بہت سی ترک قوموں کو بھی فتح کیا ہے چونکہ خوارزم شاہ خود بھی ترک تھا اس لیے اس نے اس جملہ کو بھی اپنی توہین سمجھا۔ لیکن اس نے قطعی طور پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اسے چنگیز خان کی باتوں سے ملال ہوا ہے۔

خوارزم شاہ نے محمود خوارزمی کو مخاطب کر کے کہا:

"تم ایک بار پھر اپنا اور اپنے وفد کے ارکان کا تعارف کراؤ۔"

"سلطانِ محترم!"

اس نے ادب سے جواب دیا:

"میرا نام محمود خوارزمی ہے اور میرے ان دو ساتھیوں میں ایک علی خواجہ بخاری اور دوسرے کنکا انزاری ہیں۔"

"محمود خوارزمی!"

خوارزم شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا:

"تمہارے نام سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تم ہماری رعیت ہو۔ کنکا انزاری بھی ہماری رعایا میں شامل ہے کیا اترار ہماری سرحدی چوکی نہیں جہاں کا حاکم ہمارا ماموں اینل جق ہے؟"

"عالیجاہ نے درست ارشاد فرمایا۔"

محمود خوارزمی نے تائید کی:

"اہلِ حق ہی وہاں کے قلعدار ہیں۔"

"اب ان علی خواجہ بخاری کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"عالی جاہ۔"

محمود خوارزمی نے جواب دیا:

"ظاہر ہے کہ علی خواجہ کا تعلق بخارا سے ہے جو آپ کی سلطنت میں شامل ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم تینوں ہمارے خانہ زادوں میں شامل ہو۔" خوارزم شاہ نے انتہائی پُر غرور انداز میں کہا جیسے ان کا مذاق اڑا رہا ہو۔

محمود خوارزمی نے کئی دربار دیکھے ہوئے تھے اور درباری گفتگو کے اسلوب و انداز سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے فوراً جواب دیا:

"ہمیں اپنی غلامی پر فخر ہے عالیجاہ!"

محمود خوارزمی نے تو جواب دے دیا لیکن اس کے دونوں ساتھیوں کو خوارزم شاہ کا تحقیر آمیز طرزِ کلام اچھا معلوم نہ ہوا۔

چند لمحوں تک ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر خوارزم شاہ نے انہیں رخصت کیا۔ جب وہ دربار سے نکلنے لگے تو خوارزم شاہ نے اپنے ایک غلام سے کہا:

"ان میں سے محمود خوارزمی کو واپس لے آؤ۔"

غلام چلا۔ وہ تینوں غلام گردش میں پہنچ چکے تھے۔ غلام نے پیام دیا:

"سلطان نے محمود خوارزمی کو طلب کیا ہے۔"

محمود خوارزمی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

مثل مشہور ہے کہ گھوڑے کی پچھاڑی اور حاکم کی اگاڑی سے بچنا چاہیے یعنی اگر گھوڑا کھڑا ہو تو اس کے پیچھے سے نہ گزرنا چاہیے اور حاکم یا بادشاہ کا سامنا ہو جائے تو جہاں تک ہو سکے اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ حاکم بڑے متلون مزاج ہوتے ہیں۔ کبھی تعریف کرنے پر کوڑے لگوا دیتے ہیں اور کبھی گالی پر خوش ہو کر مالامال کر دیتے ہیں۔

محمود خوارزمی غلام کے ساتھ واپس آیا مگر اس کے بدن پر رعشہ طاری تھا کہ نہ جانے خوارزم شاہ نے اسے

کیوں بلایا ہے؟

وہ دونوں سلطان خوارزم شاہ کے پاس پہنچے تو سلطان نے کہا:

"محمود خوارزمی! آج رات تم کھانے پر ہمارے ساتھ ہو گے!"

محمود خوارزمی کا ڈوبتا ہوا دل ٹھہر گیا۔ وہ فوراً جھک کر آداب بجا لایا اور بولا:

"میں اس عزت افزائی کے لیے سلطان کا شکر گزار ہوں۔"

"اب تم جا سکتے ہو۔"

یہ کہہ کے خوارزم شاہ نے منہ دوسری طرف گھما لیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ شاہ اب مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

شام کے کھانے پر خوارزم شاہ کے علاوہ اس کا مدار المہام (وزیرِ اعظم) بھی ساتھ تھا۔ خوارزم شاہ کی اپنے وزیرِ اعظم سے بنتی نہیں تھی لیکن وزیرِ اعظم کو خوارزم شاہ کی ماں ترکان خاتون نے اس عہدے پر مقرر کیا تھا۔ خوارزم شاہ اپنی ماں سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ ترکان خاتون جو سلطان ملک شاہ سلجوقی کی بیوی تھی، نے علاء الدین محمد شاہ کو خوارزم شاہ بنایا تھا۔ اسی لیے اسے اپنے وزیرِ اعظم کی غلط یا صحیح ہر بات ماننا پڑتی تھی۔

کھانے کے دوران خوارزم شاہ نے محمود خوارزمی سے دریافت کیا:

"آخر یہ چنگیز خان ہے کون اور اس نے اپنے خط میں اس طرح ڈینگیں کیوں ماری ہیں؟"

"سلطانِ معظم۔"

محمود نے سنبھل کے کہا:

"چنگیز خان مغل قوم اور لشکر کا سالار اور خاقانِ اعظم ہے۔ شمال میں اس کا حکم بالکل اس طرح چلتا ہے جیسے آپ کا حکم سلطنتِ خوارزم میں بے چون و چرا تسلیم کیا جاتا ہے۔"

خوارزم شاہ نے دوسرا سوال کیا:

"کیا اس کی سلطنت بہت بڑی ہے؟"

محمود خوارزمی گھبرا گیا۔ اسے ایک بادشاہ کے اندرونی راز دوسرے بادشاہ تک پہنچانے پڑ رہے تھے۔ اس لیے وہ اور زیادہ محتاط ہو گیا۔

"عالی مقام سلطان"۔

اس نے دبے الفاظ میں کہا:

"چنگیز خان کی سلطنت بڑی ہے لیکن بہت بڑی نہیں ہے"۔

خوارزم شاہ بھی جہاندیدہ تھا۔ اس نے اس مبہم جواب پر محمود کو گھور کر دیکھا۔ محمود کانپ اٹھا اور اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔

"خوارزمی!"

سلطان نے سپاٹ لہجے میں کہا:

"جو بات پوچھی جائے اس کا صاف اور واضح جواب دو۔ خیال رہے کہ تم سلطان خوارزم شاہ کے سامنے ہو اور خود بھی خوارزمی کہلاتے ہو"۔

خوارزم شاہ نے دو فقروں میں بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ محمود بیٹھا سنتا رہا اور کانپتا رہا کہ شاید آج اسے اس کی موت یہاں لائی ہے۔

"اے شاہِ عالی مقام!"

سلطان کے خاموش ہونے پر اس نے بہت سنبھل کے جواب دیا:

"مجھ سا حقیر بندہ آپ کے سامنے دروغ بیانی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ میری کم علمی اور لاعلمی ہے کہ میں واضح جواب نہیں دے سکا۔ میں محض ایک تاجر ہوں اور ہر وقت تاجرانہ باتوں پر غور کرتا رہتا ہوں"۔

محمود خوارزمی نے اپنے جواب سے خود کو بہت کچھ محفوظ کر لیا تھا۔ پس خوارزم شاہ کا لہجہ نرم پڑ گیا:

"ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ چنگیز کا لشکر کتنا بڑا ہے؟"

محمود کو اب اس طرح کے سوالوں کی امید تھی اور وہ اپنے تاجرانہ ذہن کو اپنے مفاد کی خاطر گول مول جواب دینے پر تیار کر چکا تھا۔

"عالی جاہ!"

اس نے فوراً جواب دیا:

"آپ کے اور اس کے لشکر کا کوئی مقابلہ نہیں"۔

خوارزمی کے جواب میں قطعاً یہ وضاحت نہیں تھی کہ وہ سلطان کے لشکر کو فوقیت دے رہا ہے یا چنگیز خان کے لشکر کو۔ پھر بھی اس نے بعض لفظوں پر اس طرح زور دیا کہ سلطان اس کے جواب سے مطمئن ہو گیا۔

پھر اس نے چنگیزی سلطنت کی حدود، آبادی کی تعداد اور ملک کی معاشی اور مالی حالت کے بارے میں بہت سے

سوالات کیے۔ مگر محمود خوارزمی نے اس کے ہر سوال کا جواب غلط دیا اور اسے چنگیز خان کی طرف سے غافل رکھنے کی ہی کوشش کی۔

تیسرے دن خوارزم شاہ نے پوری سفارت کے اعزاز میں ایک خصوصی دعوت دی۔ پھر کچھ تحائف اور نیک خیالات کے جذبات کے ساتھ سفارت کو رخصت کر دیا۔

"عالی جاہ!"

محمود خوارزمی نے رخصت ہونے سے پہلے کہا:

"ایک عرض کرنا چاہتا ہوں"۔

"ہاں ہاں خوارزمی!"

سلطان نے نرمی سے کہا:

"بلا جھجک کہو۔ ہم تم پر مہربان ہیں"۔

"سلطانِ عالی مقام!"

خوارزمی نے ممنونیت سے کہا:

"میں ایک طویل عرصے کے بعد اپنے وطن آیا ہوں۔ اگر کچھ دن قیام کرنے کی اجازت مل جائے تو میں بے حد احسان مند ہوں گا"۔

"تم کیوں رکنا چاہتے ہو یہاں!" وزیر اعظم نے دخل دیا۔

"اپنے وطن کے چند بڑے بڑے شہر دیکھنا چاہتا ہوں حضور!"

محمود خوارزمی نے جواب دیا:

"وطن کی مٹی تو سب کو عزیز ہوتی ہے۔ میں جہاں بھی رہوں میرا خمیر تو اسی مٹی کو پکارے گا"۔

خوارزم شاہ شاید اسے مزید قیام کی اجازت دے دیتا مگر وزیر اعظم نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"اسے یہاں رکنے کی اجازت نہ دیجیے سلطان۔ فوراً رخصت کر دیجیے۔ مجھے اس میں کسی سازش کی بو محسوس ہوتی ہے"۔

"کیسی سازش؟" سلطان نے الجھ کر پوچھا۔

وزیر اعظم نے پھر سرگوشی کی:

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ محمود اور اس کے ساتھی ارکان شہر شہر گھوم کر ملک خوارزم کے فوجی راز معلوم کرنے کا

منصوبہ لے کر آئے ہوں۔

خوارزم شاہ کا ذہن بہک گیا۔ اس نے محمود خوارزمی کی طرف رخ پھیر کر کہا:

"ہم تمہیں دو دن مزید قیام کی اجازت دیتے ہیں"۔

یہ کہہ کر اس نے چہرہ گھما لیا۔

محمود خوارزمی اور اس کے دونوں ساتھی دو دن تک ملک خوارزم میں گھومنے پھرنے کے بعد واپس منگولستان روانہ ہوگئے۔

خوارزم شاہ نے چنگیز خان کے جواب میں اپنی طرف سے جو تحائف اس کے لیے بھجوائے تھے وہ اس نئی رکھی ... کے ہمراہ جا رہے تھے۔

جب قراقرم میں یہ سفارت چنگیز خان کے سامنے واپس گئی اور اس نے خوارزم شاہ کے بھیجے ہوئے تحائف اسے پیش کیے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے فوراً ہدایات جاری کر دیں کہ:

"دونوں سلطنتوں کے درمیان بڑے پیمانے پر تجارت شروع ہونی چاہیے۔
منگولستان سے ایک تجارتی قافلہ خوارزم بھیجا جائے۔
اس قافلہ کے ساتھ وہ سامان بھیجا جائے جس کی خوارزم والوں کو ضرورت پڑتی ہو۔
یہاں کے سامان کو وہاں فروخت کر کے وہاں سے ایسا سامان خرید کے منگولستان لایا جائے جس کی ضرورت یہاں ہوتی ہے۔"

چنگیز خان اپنے حکم کی فوری تعمیل کی امید رکھتا تھا اور اس کے حکم پر فوری عمل کیا بھی جاتا تھا نافرمانی کی صورت میں ذمہ دار لوگوں کو خوفناک سزائیں دی جاتی تھیں۔

پس فوری طور پر ایک تجارتی قافلہ ترتیب دیا گیا جس میں منگولستان کا تجارتی سامان شامل تھا۔ منگولستان کی پوری تجارت مسلمان تاجروں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تاجر اگرچہ منگولستان کے باشندے کم ہی ہوتے تھے لیکن چنگیز خان نے انہیں اپنے ملک میں قیام و طعام کی تمام تر مراعات دے رکھی تھیں۔

بعض تاجر تو منگولستان میں مستقلاً آباد ہوگئے تھے۔ انہیں صرف "یاسا" کی پابندی کرنا پڑتی تھی اور یہ پابندی ہر مغل اور غیر مغل پر لازم تھی۔

منگولستان کا ... سو اشخاص پر مشتمل یہ قافلہ قراقرم سے روانہ ہوا اور چار ماہ کے سفر کے بعد سلطنت خوارزم

کی سرحد پہ پہنچا۔ یہ اترار کا علاقہ تھا جہاں خوارزم کی سرحدی چوکی قائم تھی۔

اترار کا علاقہ اینل جق کی قلعداری میں شامل تھا جو خوارزم شاہ کا سگا ماموں تھا۔ اینل جق قلعدار ہونے کی وجہ سے یونہی بہت مغرور تھا اس پہ طرہ یہ کہ وہ سلطان خوارزم شاہ کا ماموں یعنی ترکان خاتون کا بھائی تھا اور ترکان خاتون سے خوارزم شاہ بہت ڈرتا تھا۔

ان وجوہات کی بنا پر اینل جق کے پاؤں زمین پہ نہ پڑتے تھے اور وہ کسی سے سیدھے منہ بات کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔

قلعدار اینل جق کا بیٹا لال جق نخوت اور غرور میں باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ روایت ہے کہ جب وہ سواری کے لیے اپنے گھوڑے کے پاس جاتا اور گھوڑا کسی وجہ سے اپنا سر سیدھا رکھنے کے بجائے کسی اور طرف گھما لیتا تو لال جق اسے چابکوں سے پیٹ ڈالتا۔

اس کا کہنا تھا:

"آقا کا احترام انسان اور جانور، دونوں پر فرض ہے اور جو احترام میں کوتاہی کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔"

گھوڑے کا سر گھمانا اس کے خیال میں احترام میں کوتاہی تھی اس لیے وہ اسے خوب پیٹتا اور پھر جب غریب جانور پٹ پٹ کر سیدھا کھڑا ہو جاتا تو لال جق کہتا:

"اب اس کا دماغ درست ہو گیا ہے۔ اسے میرے احترام میں پہلے بھی سیدھا کھڑا ہونا چاہیے تھا۔"

جن دنوں مغولستان کا قافلہ اترار پہنچا ان دنوں لال جق کی شادی کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں۔ اس کی ہونے والی دلہن کا نام سوالی تھا۔

سوالی کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ اس کے باپ کو اینل جق نے قلعہ کی فوجوں کا سردار بنا دیا تھا۔ چونکہ سب کے سب خوارزم شاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے شہزادے اور شہزادیاں پکارے اور پکاری جاتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ جس وقت شہزادی سوالی پیدا ہوئی تھی، اسی وقت شہزادے لال جق کی ماں نے جو شہزادی کی خالہ تھی، اسے اپنے بیٹے کے لیے مانگ لیا تھا۔

بچپن کا یہ رشتہ وقت کے ساتھ ساتھ پھلتا پھولتا اور جوان ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن اینل جق نے اعلان کرتے ہوئے کہا:

"اگلے ہفتے لال جق اور سوالی کی شادی ہونی چاہیے۔"

یہ اعلان دراصل قلعہ دار اترار، جو خود کو شاہِ اترار کہتا تھا، نے اپنی بیوی یعنی ملکۂ اترار کے گوش گزار کیا تھا۔

مگر ملکہ نے اس کی شدید مخالفت کی:

"میرا شہزادہ لال جق سولہ سال کا نوخیز نوجوان ہے۔ اس لیے شادی دو سال بعد ہوگی۔"

"یہ ہمارا حکم ہے۔"

اینل جق غضب ناک ہو کر بولا:

"اور ملکہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حکم عدولی کی سزا موت اور صرف موت ہے۔"

ملکہ اترار بھی آخر ترک زادی تھی۔ اس نے جواب دیا:

"حکم رعیت پر چلتا ہے۔ ہم ملکہ ہیں اور اس مملکت میں ہمارا حق شاہ کے برابر ہے۔"

اینل جق کو جھرجھری آ گئی۔

اسے فوراً یاد آ گیا کہ اگر وہ خوارزم شاہ کی ماں ترکان خاتون کا بھائی ہے تو اس کی ہونے والی بہو ترکان خاتون کی بہن کی بیٹی ہے اس لیے دونوں کے مرتبے تقریباً برابر تھے۔

"ملکۂ اترار!"

اینل جق نے نرمی سے کہا:

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے یہ حکم ملک و قوم کی بھلائی کے لیے صادر فرمایا ہے۔"

ملکہ نے شوہر کو ترچھی نظروں سے دیکھا اور بولی:

"اگر شاہ کے حکم میں کوئی مصلحت ہے تو بیان کی جائے۔"

اور وہ تن کے یوں بیٹھ گئی جیسے وہ منصف ہو اور شاہ ملزم۔

اینل جق نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو ہر طرف غلاموں اور کنیزوں کو اپنی باتوں پہ کان لگائے محسوس کیا۔

"تخلیہ!"

فوراً ہی دوسرا حکم صادر ہوا:

"کوئی یہاں نظر نہ آئے۔"

بظاہر تخلیہ ہو گیا مگر غلام اور کنیزیں حسبِ معمول کونے کھدروں میں چھپ کے ان کی گفتگو سننے لگے۔

"ملکہ کو معلوم ہونا چاہیے ...." اینل جق نے کہا:

"کہ شہزادی سوالی کا محل قلعہ کے باہر ہے مگر وہ اور شہزادہ اکثر رات کے پچھلے پہر قلعہ کی فصیلوں

گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔

"اس میں اعتراض کی کیا بات ہے"۔

ملکہ نے فوراً جواب دیا:

"آخر ہم شہزادی سوالی کی خالہ ہیں اور آپ اس کے خالو۔ تو کیا اس کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے خالو خالہ کے ساتھ قلعہ کے اندر راتیں گزار سکے؟"

"خالو خالہ کے ساتھ رات گزار سکتی ہے"۔

ائیل جق کا لہجہ سخت ہو گیا:

"مگر شہزادے کے ساتھ نہیں"۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے"۔

ملکہ نے فوراً ہتھیار ڈال دیے:

"ہو جائے گی اگلے ہفتے شادی۔ آپ کو پہلے ہی یہ حکم دے دینا چاہیے تھا"۔

پھر شادی کا اعلان عام ہو گیا۔

لال جق قلعدار ائیل جق کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے ہر گھر میں خوشیاں منانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ قلعدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر امیر اور رئیس نے شہر اور قلعہ کو اپنے خرچ پر آراستہ کرانا شروع کر دیا۔

اب شاید یہ ایک اتفاق تھا کہ جس وقت مغلستان کا تجارتی قافلہ اترار کی حدود میں داخل ہو رہا تھا اسی وقت شہزادہ لال جق اور شہزادی سوالی اپنے اپنے گھوڑے پر سوار معمول کے گشت سے واپس آ رہے تھے۔ شہزادی اتنے بڑے قافلے کو دیکھ کر چونکی۔

"شہزادے!"

اس نے لال جق کی طرف دیکھا:

"یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

"کوئی تجارتی قافلہ معلوم ہوتا ہے"۔ شہزادے نے مختصر جواب دیا۔

شہزادی نے منہ بنایا اور بولی:

"مجھے تو یہ دشمن کے جاسوس معلوم ہوتے ہیں"۔

شہزادہ لال جق نے قہقہہ لگایا:

"بھلا کس کی مجال ہے کہ ہم سے دشمنی مول لے۔ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ہر طرف خوارزمیوں کی

حکومت ہے"۔

"لال شہزادے!"

سوالی تنک کے بولی:

"آپ کے بابا جان نے ہی تو اعلان کرایا ہے کہ شمال کی طرف کوئی اتراری نہ جائے کیونکہ وہ ہمارے دشمنوں کا علاقہ ہے"۔

"تم نے ٹھیک کہا"۔

شہزادے نے چونک کے شہزادی کو دیکھا:

"مجھے بھی بابا جق نے شمال میں اتراری سرحد سے آگے جانے سے منع کر دیا ہے۔ اچھا چلو دیکھتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں؟"

دونوں گھوڑے بڑھا کر قافلے کے قریب پہنچ گئے۔ قافلے والے اترار میں داخل ہونے کے بعد پڑاؤ ڈال رہے تھے۔

شہزادے نے ایک کاروانی سے پوچھا:

"تمہارا سردار کون ہے؟"

وہ بھاگ کے سردار کو بلا لایا۔

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" شہزادے نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"ہم لوگ مغلستان کے تاجر ہیں"۔

سردار نے متانت سے جواب دیا:

"مغلستان کے بادشاہ چنگیز خان کی اجازت سے ہم تجارت کا سامان لے کر خوارزم جا رہے ہیں۔ وہاں سامان فروخت یا تبدیل کر کے ہم واپس مغلستان چلے جائیں گے"۔

"تم نے اپنے بادشاہ سے اجازت لے لی"۔

لال جق نے غصہ سے کہا:

"اترار کے بادشاہ سے اجازت کیوں نہیں لی؟"

"ہمارے اور آپ کے بادشاہ میں تجارتی معاہدہ ہے"۔

سردار نے اسی تحمل سے جواب دیا:

"اس لیے ہمیں اجازت کی ضرورت نہیں۔ ہم دربار میں پیش ہو کے سلطان خوارزم شاہ کو تحفے نذر کریں گے"۔

"تم تحفے اس وقت پیش کرو گے جب ہم تمہیں آگے جانے دیں گے۔"

شہزادے نے نخوت سے کہا:

"تم آگے نہیں جا سکو گے۔ تم دشمن کے جاسوس معلوم ہوتے ہو۔ اپنا سامان کھول کے تلاشی دو!"

تاجروں نے پس و پیش کیا تو لال جن گھوڑے سے اترا۔ اس نے اپنی تلوار ایک بڑے گٹھڑ میں گھونپ کے اسے چاک کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی گٹھڑ سے سینکڑوں کی تعداد میں چاندی کی چمکتی ہوئی سلاخیں چھن چھناتی ہوئی باہر آ گریں۔

چاندی کی سلاخوں کا ڈھیر دیکھ کے لال جن اور سوالی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

لال جن نے پوچھا:

"یہ اتنی بہت سی چاندی تم لوگ کہاں سے لوٹ کے لائے ہو؟"

"مغولستان میں چاندی زمین کے اندر سے نکلتی ہے۔"

سردار نے جواب دیا:

"جس طرح خوارزم میں سبزیاں زمین میں اگتی ہیں۔"

پھر اس نے رک کر ذرا تلخ لہجے میں پوچھا:

"مگر تم لوگ کون ہو اور تمہیں ہمارے سامان کی تلاشی لینے کا حکم کس نے دیا ہے؟"

"ہم اس ملک کے بادشاہ ہیں۔"

لال جن کے بجائے اس کی منگیتر شہزادی سوالی نے جواب دیا:

"اور یہاں کی ہر چیز ہماری ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

قافلہ سردار اکڑ گیا:

"یہاں کا بادشاہ قلعہ دار اتل جن ہے۔ اترار کی سرحدی چوکی کا وہ مالک ہے۔"

"اور یہ شہزادہ لال جن ہے۔"

شہزادی سوالی مسکرا کر بولی:

"قلعہ دار اتل جن کا ولی عہد اور بڑا بیٹا۔ اور میں۔۔۔۔"

کہتے کہتے وہ شرما گئی۔

یہ میری ہونے والی بیوی ہے۔"

شہزادی کی بات کو شہزادہ لال جن نے پورا کر دیا:

"اسی ہفتے ہماری شادی ہو رہی ہے۔"

"اچھا تو آپ شہزادے ہیں۔"

قافلہ سردار فوراً نرم پڑ گیا:

"میں آپ کی شادی پر چاندی کا زرہ بکتر اور چاندی کی جھالر دار خود نذر کروں گا۔"

پھر قافلہ سردار اور شہزادے میں دوستی ہو گئی۔ شہزادہ اسے اپنے ساتھ اپنے باپ اتل جن کے پاس لے گیا۔

"یہ مغولستان کا قافلہ سردار ہے بابا!"

شہزادے نے اس کا تعارف کرایا:

"شمال کے خان نے ایک تجارتی قافلہ خوارزم بھیجا ہے۔ یہ اپنا سامان بیچ کے یہاں سے ہمارا سامان خرید کے لے جائیں گے۔"

اترار کے قلعہ دار نے بیٹے کی باتوں کا صرف 'ہوں' کہہ کے جواب دیا۔

"جی بابا!"

لال جن نے بات آگے بڑھائی:

"اس کے ساتھ چاندی کی بے شمار سلاخیں ہیں۔ ہماری شادی پر یہ ہمیں چاندی کا زرہ بکتر اور خود تحفے میں نذر کرے گا۔"

"ہوں!" اتل جن کا جواب اب بھی وہی تھا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں جی بابا!"

لال جن نے تنگ آ کر کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ اس قافلہ کو میری شادی تک یہیں روک لیا جائے اور شادی کے بعد خوارزم جانے کی اجازت دی جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ قافلہ کو شادی کے بعد بھی خوارزم جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

اتل جن نے اس قدر سخت لہجے میں کہا کہ لال جن اور قافلہ سردار حیران رہ گئے مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ اتل جن سے اس کے حکم کا مطلب پوچھتا۔

دوسرے دن اینل جق کے حکم کا مطلب سب کو معلوم ہو گیا۔

قافلے کو دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ وہ تا حکم ثانی اترار میں مقیم رہے۔ اس کے ساتھ ہی قلعدار اینل جق نے خوارزم شاہ کو ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون اس طرح تھا:

عالی جاہ!

مغولستان سے چار سو کاروانیوں پر مشتمل ایک قافلہ جو خود کو تاجر ظاہر کرتے ہیں، واردِ اترار ہوا ہے۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ یہاں سے روانہ ہو کر خوارزم جائیں اور خرید و فروخت کے بہانے اندرونِ ملک ادھر ادھر بکھر بھی جائیں۔ چونکہ یہ لوگ زیادہ تر جاسوس معلوم ہوتے ہیں جنہیں چنگیز خان نے دریافتِ حال کے لیے تاجروں کے بھیس میں روانہ کیا ہے اور جن کا اندرونِ ملک جانا مصلحتِ ملکی کے خلاف معلوم ہوتا ہے لہٰذا میں نے ان لوگوں کو یہیں روک لیا ہے کہ جب تک احکامِ شاہی نہ موصول ہوں وہ یہیں ٹھہرے رہیں۔

اب میں اعلیٰ حضرت کے احکامِ عالیہ کا منتظر ہوں۔

اینل جق قلعدار
اترار

اینل جق کا خط دربارِ خوارزم شاہ میں پیش کیا گیا۔ سلطان محمد علاء الدین خوارزم شاہ نے خط سنا تو اسے فوراً ان افواہوں کا خیال آیا جو چنگیز خان کی پہلی سفارت کی آمد کے موقع پر پیدا ہو کر حکومت میں پھیل گئی تھیں اور اکثر لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا تھا کہ:

"سفارت تو محض دکھاوا ہے۔ اصل مقصد تو دریافتِ حالات ہے"۔

اس کے ساتھ ہی سلطان کو چنگیز خان کے خط کے وہ فقرے بھی یاد آئے جن میں چنگیز خان نے سلطان کو اپنا بیٹا کہا تھا۔ نیز یہ بھی کہا تھا کہ اس نے بہت سی ترک قوموں کو فتح کیا ہے۔

یہ خیال آتے ہی خدا معلوم وہ کیوں بھڑک اٹھا۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے قلعدار اترار کو مندرجہ ذیل فرمان جاری کر دیا:

"تم اپنی صوابدید کے مطابق جو بہتر سمجھو اس پر عمل کرو"۔

تیز رفتار قاصد جب سلطان خوارزم شاہ کا یہ فرمان لے کر قلعدار اترار کے پاس پہنچا تو قلعدار اینل جق نے فوراً ہی حکم دے دیا کہ:

"تمام کاروانیوں کو قتل کر کے ان کا سامان بحقِ سرکار ضبط کر لیا جائے"۔

حکم کی دیر تھی، چشمِ زدن میں چار سو کے چار سو کاروانی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ ان میں سے صرف ایک آدمی زندہ بچا جو اس وقت قافلے میں موجود نہ تھا بلکہ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔

جب وہ واپس آیا تو اس کا پورا قافلہ قتل ہو چکا تھا۔ خوف اور دہشت سے وہ پاگل ہو اٹھا اور سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

ہر چند کہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اس تجارتی قافلے کے ساتھ چنگیز خان کے بہت سے تجربہ کار جاسوس بھی بھیجے گئے تھے مگر جس انداز سے قلعدار اترار نے سلطان خوارزم شاہ کو اطلاع دی۔ اور جس لاپروائی سے سلطان نے مبہم قسم کا فرمان جاری کیا۔ پھر جس برق رفتاری سے اس پر عمل کرتے ہوئے تمام کے تمام قافلے والے قتل کر دیے گئے، اس کی مثال تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔

حاکمِ اترار کے اس غیر ذمہ دارانہ اور ناعاقبت اندیشانہ اقدام سے چنگیز خان قہرِ خداوندی بن کر مسلمان علاقوں پر ٹوٹ پڑا۔ جس کے نتیجے میں لاتعداد جانیں ضائع ہوئیں اور سینکڑوں شہر، دیہات اور آبادیاں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

چار سو انسانوں، جن میں عام طور پر مسلمان زیادہ تھے، کے اس قتلِ عام کے بعد اترار کے ولی عہد شہزادے لال جق اور شہزادی سولی کی شادی کی رسومات کا آغاز ہوا۔

یہ تقریب اس قدر پُرجوش انداز میں منعقد ہوئی کہ سابقہ تمام مثالیں چھوٹی پڑ گئیں۔ تقریب کے دوران پورے اترار میں کسی گھر میں چولہا جلانے کی اجازت نہ تھی۔ تینوں وقت کا کھانا ہر گھر میں گھر والوں کی تعداد کے مطابق بھیجا جاتا تھا۔ اترار میں آنے والے مہمانوں کا کھانا بھی اترار کے شاہی مطبخ سے فراہم کیا جاتا تھا۔ رقص و موسیقی اور شراب و کباب کا چرچا عام تھا۔

شراب اگرچہ قانونی طور پر ممنوع تھی مگر نبیذ پینے کی عام اجازت تھی۔ امرا اور بادشاہوں کی درخواست پر بعض علما نے نبیذ کو جو حقیقت میں شراب ہی کی ایک قسم تھی، جائز قرار دے دیا تھا اور جواز یہ لکھا کہ نبیذ میں نشہ نہیں ہوتا۔

جن دنوں اترار میں ۴۰۰ مغولستانیوں کا قتلِ عام ہوا، انہیں دنوں مدرسہ الہلادیہ اور جو خلافتِ عباسیہ

کا دارالخلافہ تھا' میں بھی ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

پچھلے صفحات میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خوارزم شاہ اور عباسی خلیفہ ناصرالدین میں اختلاف پیدا ہو چکے تھے اور وہ ایکدوسرے کو پسند نہ کرتے تھے۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ بغداد کی عباسی خلافت برائے نام خلافت رہ گئی تھی۔ خلیفۂ بغداد محض ایک مذہبی پیشوا ہو کے رہ گیا تھا اور اس کا کام صرف یہ تھا کہ جہاں کوئی اسلامی حکومت قائم ہوتی' وہاں کا والی احاکم یا بادشاہ' خلیفہ کی خدمت میں نذرانہ بھیجتا اور درخواست کرتا کہ اس کی سلطنت کو سندِ بادشاہت عطا کی جائے۔ اس کے جواب میں خلیفہ سندِ بادشاہت اور خلعت بھیج دیتا۔ اس طرح نئی اسلامی حکومت میں خطبہ میں خلیفۂ بغداد کا نام شامل ہو جاتا۔ پھر جب کوئی بادشاہ بہت زیادہ طاقتور ہو جاتا اور وہ خلیفہ کے دربار میں اپنا ایک نمائندہ مقرر کر دیتا تو خلیفہ اسے سلطان کا خطاب عطا کر دیتا تھا۔

بلاشبہ خوارزم شاہ کی طاقت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ سندھ سے بحیرۂ اسود تک خوارزمی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ پس خوارزم شاہ نے خواہش کی کہ اسے سلطان کا لقب دیا جائے اور بغداد کی مسجدوں میں خطبہ میں اس کا نام شامل کیا جائے۔

مگر خلیفہ ناصرالدین نے خوارزم شاہ کو سندِ بادشاہت تو دیدی' سلطان کا خطاب دینے میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ اس بنا پر دونوں کے درمیان اختلاف اس قدر بڑھا کہ خوارزم شاہ نے بغداد پر حملہ کا حکم دیدیا اور ہراول کے طور پر ۱۵ ہزار کا لشکر روانہ کر دیا۔

اتفاق یہ ہوا کہ خوارزم کا ہراول دستہ جو ۱۵ ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا خوارزم سے دو منزل دور پہنچا تھا کہ ایک زبردست طوفانِ برق و باراں اور برف باری میں پھنس گیا۔ یہ طوفان اس قدر بلاخیز تھا کہ پورا ۱۵ ہزار کا لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔ خوارزم شاہ نے اسے بدشگونی خیال کرتے ہوئے فی الوقت بغداد پر فوج کشی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

مگر —

خلیفۂ بغداد کو معلوم تھا کہ خوارزم شاہ اسے بخشے گا نہیں بلکہ موقع پاتے ہی بغداد پر چڑھ دوڑے گا چنانچہ وہ اپنی بچت کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

اس سلسلے میں اس نے ایک وفد چنگیز خان کے پاس بھی روانہ کیا مگر یہ وفد راستے ہی میں ختم ہو گیا اور چنگیزی دربار تک نہ پہنچ سکا۔

وجہ یہ تھی کہ خلیفۂ بغداد ایشیا کے ایک سرے پر تھا تو چنگیز خان کا مرکز قراقرم ایشیا کے دوسرے سرے پہ تھا۔ ان دونوں مرکزوں کے درمیان خوارزم شاہ کی وسیع و عریض سلطنت واقع تھی۔

سلطنت خوارزم شاہ میں داخلے کے تمام راستوں پر سخت پہرہ تھا اور تلاشی کا یہ عالم تھا کہ انسان کو ننگا کر کے تلاشی لی جاتی تھی۔

آخر خلیفۂ بغداد کو ایک جراح نے پیغام رسانی کا ایک نیا طریقہ بتایا اور اس پر عمل کیا گیا۔ یہ اپنی طرز کا انوکھا طریقہ تھا۔

قاصد کا سر مونڈ دیا گیا اور اس پر آتشیں قلم سے پیغام لکھا یعنی کندہ کیا گیا۔ پیغام لکھنے کے بعد قاصد کو اس وقت تک اس کے گھر میں بند رکھا گیا جب تک اس کے سر پر بال نہ اگ آئے۔ بال اگ آنے سے کندہ کیا ہوا پیغام ان میں چھپ گیا۔

اب قاصد کو مغولستان روانہ کیا گیا۔

خوارزمی حدود میں قاصد جو ملنگ کے بھیس میں تھا کئی بار کپڑے اتارے گئے۔ سخت تلاشیاں لی گئیں مگر پیغام بالوں میں پوشیدہ رہا یہاں تک کہ قاصد چنگیز خان کے دربار میں پہنچ گیا۔ یہ دربار ایک بہت بڑے خیمے میں منعقد ہوتا تھا۔

قاصد نے بتایا:

"خلیفۂ بغداد نے ایک درخواست بھیجی ہے جو اس کے سر پر درج ہے۔"

چنانچہ قاصد کا سر مونڈا گیا تو آتشیں قلم سے لکھی ہوئی تحریر نمایاں ہو گئی۔

خلیفۂ بغداد نے اس تحریر میں چنگیز خان سے درخواست کی تھی کہ:

"جس طرح آپ نے ظالم شہنشاہ چین اور بدکار شاہ قراختائی کوشلوک کا خاتمہ کر کے وہاں کے لوگوں کو آرام پہنچایا ہے اسی طرح خوارزم شاہ کا خاتمہ کر کے ایشیا والوں کو اس کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان خلیفہ اس وقت کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت خوارزم کے خاتمہ کے لیے ایک وحشی اور بے دین قوم سے درخواست کر رہا ہے' بغیر یہ جانے ہوئے کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟

چنگیز خان نے پیغام رسانی کے اس انداز کو تو ضرور سراہا مگر خلیفہ کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی۔ اخلاق، رحم یا دوستی کا کوئی جذبہ مغولستان کے اس بے تاج بادشاہ کے دل میں موجود نہ تھا۔ وہ اپنی مرضی کا مالک تھا اور ہر کام اپنے اصولوں کے تحت کرتا تھا۔

انہی دنوں وہ واحد آدمی جو اترار بھیجے جانے والے قافلے کے ساتھ تھا' اور اتفاقیہ طور پر بچ گیا تھا' چنگیز خان کے دربار میں آ پہنچا۔

اس نے چنگیز خان کو قافلے کے قتلِ عام سے آگاہ کیا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کا دربار انتقام انتقام کے نعروں سے گونج اٹھا مگر چنگیز خان میں جتنا غصہ اور جوش تھا اتنا ہی وہ باہوش بھی تھا۔ اس نے بڑے ضبط و تحمل سے کام لیا۔

خوارزم پر حملہ کرنے کا فیصلہ وہ پہلے ہی کر چکا تھا اور تیاریاں بھی تقریباً مکمل تھیں۔ پھر بھی اس نے فیصلہ کیا کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے خوارزم شاہ سے اس ظلم اور زیادتی پر احتجاج کیا جائے۔

چنانچہ چنگیز خان نے خوارزم شاہ کے دربار میں ایک اور وفد بھیجا جس نے دربار میں پہنچ کے مطالبہ کیا:

"حاکم اترار نے بین الاقوامی اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے۔۔ ہم تاجروں کو بلا وجہ قتل کرا دیا ہے اس لیے خوارزم شاہ اپنے نمک حرام اور غدار حاکم اترار اینل جق کو ہمارے آدمیوں کے سپرد کرے تاکہ ہم اسے مناسب سزا دے کر اس ظلم کا تدارک اور تلافی کریں۔

نیز یہ کہ حاکم اترار نے تجارتی سامان ضبط کر لیا ہے اسے بھی بازیاب کر کے ہمارے آدمیوں کے حوالے کیا جائے تاکہ اسے مقتولین کے ورثا کو واپس دیا جائے۔"

چنگیز خان کے وفد کے ایک رکن نے سرِ دربار خوارزم شاہ کو یہ پیغام سنایا تھا۔ اسے سن کر خوارزم شاہ تلملا اٹھا۔ اس نے حکم دیا:

"پیغام پڑھنے والے کا انداز انتہائی گستاخانہ ہے اس لیے اسے فوراً قتل کر دیا جائے اور وفد کے باقی ارکان کی داڑھیاں مونڈ کر انہیں چنگیز خان کے پاس واپس بھیج دیا جائے۔ اس کے پیغام کا یہی جواب ہے۔"

شاہی حکم پر فوراً عمل کیا گیا۔ پیغام سنانے والے کو وہیں تہ تیغ کر دیا گیا اور باقی ارکانِ وفد کی داڑھیاں مونڈ کر انہیں خوارزم سے واپس بھیج دیا گیا۔

کئی ماہ بعد جب یہ داڑھی منڈے ارکانِ وفد چنگیز خان کے دربار میں پہنچے تو پہلے سے زیادہ انتقام انتقام کا شور بلند ہوا۔

چنگیز خان بھی اب بے قابو ہو گیا۔

وہ اسی وقت "طاقت کے پہاڑ" کے قریب پہنچا۔ ایک ٹیلے پر اکیلا چڑھا۔ سر سے ٹوپی اتاری، کمر سے پٹکا کھولا اور پھر نیلے آسمان پر نظر جما کر کئی گھنٹے اپنے دیوتاؤں سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ نیچے اتر آیا جہاں بڑے بڑے سردار اس کے منتظر تھے۔

چنگیز خان نے اعلان کیا:

"جس طرح ایک آسمان پر دو سورج نہیں چمک سکتے۔ اسی طرح ایک زمین پر دو خاقان نہیں رہ سکتے۔ جاودانی نیلے آسمان کے دیوتاؤں نے مغلوں کے حق میں فتح لکھ دی ہے۔"

اس کے اس اعلان پر مسرت کا ایک غلغلہ بلند ہوا اور ہر مغل کے چہرے پر جیسے جنگ کا دھواں چھا گیا۔

مؤرخوں کا خیال ہے کہ اگر چار سو تاجروں کا قتل اینل جق کے علاوہ کسی اور غدار اور گورنر کے ہاتھوں ہوا ہوتا اور منگولستان کا خانِ اعظم چنگیز خان اس کی حوالگی کا مطالبہ کرتا تو عین ممکن تھا کہ خوارزم شاہ اسے مغل اعظم کے حوالے کر دیتا مگر اینل جق ایک تو اس کا ماموں تھا دوسرے اس کا تعلق ایک ایسے قبیلے سے تھا جس کا اثر دربار اور لشکر میں اتنا زیادہ تھا کہ اگر خوارزم شاہ اینل جق کے خلاف کوئی قدم اٹھانا بھی چاہتا تو یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔

خوارزم شاہ کی ذاتی کمان میں چار لاکھ سپاہیوں کا ایک جم غفیر تھا۔ اسے یقین تھا کہ چنگیز خان اس پر ضرور حملہ آور ہوگا۔ چنانچہ اس نے حکم دے دیا کہ:

"تمام سلطنت میں رعایا سے جنگی ضروریات کے لیے ایک سال کے محصولات پیشگی وصول کر لیے جائیں۔

نیز یہ کہ مزید فوج بھرتی کی جائے۔"

ابھی اس منصوبہ پر عمل شروع ہوا ہی تھا کہ خدا جانے سلطان خوارزم شاہ کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے چنگیز خان سے مقابلے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس نے اپنی چار لاکھ فوج کے حصے بخرے کر دیے:

دو لاکھ فوج اپنی کمان میں رہنے دی۔

تیس ہزار بخارا روانہ کر دی۔

ایک لاکھ دس ہزار سمرقند کے دفاع کو بھیج دی۔

باقی ساٹھ ہزار سپاہی اس نے حاکم اترار اینل جق کی مدد کے لیے بھیج دیے۔

خوارزم شاہ کے بیدار مغز شہزادے جلال الدین اور بہت سے معاملہ فہم امرا نے سلطان کے اس اقدام سے سخت اختلاف کیا لیکن سلطان کی ضد، ہٹ دھرمی اور غلط فیصلے کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ خوارزم شاہ اپنے عزم پر ڈٹا رہا۔

شہزادہ جلال الدین نے تو یہاں تک کہہ دیا:

"آپ فوج کی کمان نہیں کرنا چاہتے تو فوج میرے حوالے کر دیجیے۔ پھر دیکھیے میں مغلوں کو کس طرح

ناکوں چنے چبواتا ہوں"۔

مگر افسوس!

سلطان کی بدحواسی نے اس کے ہاتھ پاؤں شل اور دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ اس نے کسی کی ایک نہ سنی اور اپنی ہٹ دھرمی کے باعث اس وقت کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے زوال اور بربادی کے پروانے پر اپنی ضد کی مہر ثبت کر دی!

قلعہ اترار میں ۴۵۰ تاجروں کے قتلِ عام کے جواب میں چنگیز خان نے سلطان خوارزم شاہ کو ایک مختصر اور خوفناک قسم کا پیغام بھیجا:

"تو نے جنگ کا انتخاب کیا ہے۔ اب جو ہونا ہے وہ ہو گا۔ اور کیا ہو گا؟
یہ ہمیں معلوم نہیں۔ نیلے جاودانی آسمان کی روحوں کو معلوم ہے"۔

۱۲۱۹ء کے موسمِ بہار میں جنوب کی ایک ندی کے کنارے چنگیز خان کا اردو جمع ہونا شروع ہوا۔ ایک ایک سوار کے جلو میں چار چار پانچ پانچ گھوڑے تھے۔

خانِ اعظم کا سب سے چھوٹا بیٹا تولوئی خان سپہ سالارِ اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے لیے آ گیا اور پت جھڑ کے آغاز میں چنگیز خان بہ نفسِ نفیس قراقرم سے آ پہنچا۔

اس نے اپنی خانہ بدوش سلطنت کی عورتوں کو یوں مخاطب کیا:

"تم ہتھیار تو نہیں سنبھالو گی البتہ تمہارے ذمے ایک اور فرض ہے۔ یورتوں میں اچھی طرح خانہ داری کرنا کیونکہ جب سپاہی لڑ کر لوٹیں تو قاصدوں اور سفر کرنے والے سرداروں کو رات گزارنے کے لیے جگہ صاف ستھری اور کھانا اچھا مل سکے۔ بیوی سپاہی کی اسی طرح عزت کر سکتی ہے"۔

معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لشکر کی طرف جاتے ہوئے چنگیز خان کو یہ خیال بھی آیا کہ اس جنگ سے وہ زندہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ ایک خوبصورت جنگل میں صنوبر کے درختوں کے ایک اونچے جھنڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے

اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا:

"یہ جگہ ہرنوں کے شکار کے لیے اچھی ہے اور بوڑھے کے آرام کرنے کے لیے بھی
بہت مناسب ہے"۔

اس نے حکم دیا:

"میری موت پر میرا مجموعۂ قوانین یاسا بلند آواز سے پڑھا جائے اور سب اس کے
احکام کے مطابق زندگی بسر کریں"۔

اپنے لشکریوں سے اس نے کہا:

"میرے ساتھ چلو اور زور آزمائی سے اس شخص کو نیچا دکھاؤ جس نے ہمیں ذلیل
کیا ہے۔ تم فتح میں میرے شریک ہوگے۔ دس سپاہیوں کا سردار ہو یا دس ہزار کا۔
سب پر اطاعت برابر فرض ہے۔
جو اپنے فرض سے غفلت برتے گا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور اس کی
عورتوں اور بچوں کا بھی یہی حشر کیا جائے گا"۔

چنگیز خان کی عمر ۵۶ سال ہو چکی تھی۔ اس کے چوڑے چہرے پر جا بجا جھریاں پڑ چکی تھیں اور جلد سخت ہو چکی تھی۔ وہ اپنے تیز رفتار سفید گھوڑے کی چوڑی دار زین پر چھوٹی چھوٹی رکابوں میں پیر جمائے گھٹنے اٹھائے ہوئے بیٹھا تھا۔

اس کی اوپر کو اٹھی ہوئی سفید سموری ٹوپی میں باز کے پر لگے تھے۔ دونوں کانوں پہ سرخ کپڑے کی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں جیسے سینگ ہوں۔ لیکن ان کا اصل مصرف تیز ہوا میں ٹوپی کو مضبوط باندھنا تھا۔

اس کا لمبی آستینوں والا چرمی لبادہ سونے کی پٹیوں اور سنہرے اطلس کے کمربند کی مدد سے بندھا ہوا تھا اور اس کا بدن تنا ہوا تھا۔

جب برف پگھلنے کا زمانہ آیا تو یہ لشکر مغرب کے میدانوں میں پہنچ چکا تھا۔ وہ چلتے چلتے گھوڑوں پہ مغل اپنے سفر کے بارہ سو میل طے کر چکے تھے۔

سپاہیوں نے اپنی تھیلیاں ٹھیک کیں بیٹھ گئے۔ الاؤ جلائے اور ان کے اطراف جمع ہو کر ہنسنے بولنے اور مطربوں سے گیت سننے لگے۔ مطرب دو زانو ہو کر پرانے بہادروں اور عجیب و غریب جادو کے رنگین قصے الاپنے لگے۔

جنگلوں کے اس پار نشیب میں انہیں دنیائے اسلام کی سرحد نظر آ رہی تھی۔ یہ سیر دریا (سیحوں) کا وسیع

پاٹ تھا جو بہار کی بارشوں اور برف پگھلنے کی وجہ سے طغیانی پہ تھا۔

اس سے پہلے ہی چنگیز خان کے دو بیٹے شمال میں دریائے سیحوں پار کر کے اترار کے شہر کے سامنے نمودار ہو چکے تھے۔

اینل جق اب بھی اس شہر و قلعہ کا حاکم تھا۔ یہ جان کر کہ مغلوں سے رحم کی توقع فضول ہے وہ اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا تھا۔

اینل جق کا اندازہ تھا کہ محاصرہ طول کھینچے گا اس لیے اس نے قلعے کے اندر تقریباً ایک سال کا سامان خور و نوش جمع کر لیا تھا۔ لشکر کی بھی اس کے پاس کمی نہ تھی۔ خوارزم شاہ نے ۵۰ ہزار سے زیادہ سپاہی اترار کی حفاظت کے لیے بھیج دیے تھے۔

اینل جق کا پورا خاندان بشمول خواتین کے بے مثال شجاع، نڈر اور شمشیر زن تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ سب موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مسکراتے تھے۔

اترار کے گرد دو فصیلیں تھیں اور سرحدی شہر و قلعہ ہونے کی وجہ سے دونوں فصیلیں انتہائی مضبوط تھیں۔ اترار کی نصف فوج شہر کی فصیل کی حفاظت پر اور باقی نصف قلعہ کی فصیل پر تعینات تھی۔

شہر کی حفاظت پر اینل جق نے اپنے بہادر بیٹے لال جق کو مقرر کیا تھا۔ لال جق کی بیوی زلیخا دلس شہزادی سوالی اپنے پورے جسم پر اسلحہ سجائے شوہر کے ساتھ تھی۔

شہزادی سوالی نے خواتین کے فوجی دستے ترتیب دیے تھے۔ ان دستوں میں تمام خواتین تیر اندازی کی تربیت حاصل کر چکی تھیں۔ ان کا کام اگرچہ زخمیوں کی مرہم پٹی، فصیل تک کھانا اور پانی پہنچانا تھا مگر انہیں اس بات کی بھی تربیت دی گئی تھی کہ فصیل پر اگر تیر انداز کم ہو جائیں تو خواتین فوراً ان کی جگہ سنبھال لیں۔

چنگیز خان نے اپنے تمام سرداروں کو حکم دیا تھا کہ جس شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرو اس کے حاکم کو پیغام بھیجو کہ:

"فصیلیں توڑ دو۔ اور ہماری اطاعت کر لو تو جان بخشی ہوگی۔ ورنہ پھر کیا ہوگا،
یہ ہم نہیں جانتے اور نہ تم جانتے ہو"۔

اترار کی مہم چنگیز خان نے چغتائی خان اور اوغدائی خان کے حوالے کی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ اترار پر چڑھائی کر کے اینل جق کو جو اس شرارت کا بانی تھا، عبرتناک سزا دیں۔

چنانچہ چغتائی خان نے اینل جق کو پیغام بھیجا:

"شہر اور قلعہ کی فصیلیں توڑ دو اور ہماری اطاعت کر لو تو جان بخشی ہو سکتی ہے۔
ورنہ پھر ہم نہیں جانتے کہ کیا ہوگا"۔

یہ پیغام اینل جق کے بیٹے لال جق کو ملا۔ اس کا خون ایسا کھولا کہ تلوار کھینچ کے قاصد کی طرف جھپٹا۔ مگر اس کی تحمل مزاج بیوی نے اسے روک لیا۔

"لال!"

شہزادی سوال نے اس کا ہاتھ تھام کہ کہا:

"قاصد معصوم ہوتے ہیں۔ ان پر ہاتھ اٹھانا بہادری کے خلاف ہے۔"

لال جق نے قاصد کو قلعہ میں باپ کے پاس بھجوا دیا۔ اس کے باپ اینل جق نے چغتائی خان کو جواب میں پیغام بھجوایا:

"پھر وہی ہوگا جو تم نے آج تک نہیں دیکھا اور جو نہیں دیکھا وہ اب دیکھو گے"۔

مغل قاصد چغتائی خان کے پاس پہنچا تو گھبرایا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

چغتائی خان نے پوچھا:

"تو گھبرایا ہوا کیوں ہے؟"

"یہ قلعہ اینٹوں اور پتھروں سے نہیں، لوہے سے بنایا گیا ہے خان!"

قاصد نے جواب دیا:

"قلعہ کے اندر اس قدر سامانِ جنگ اور سامانِ خورد و نوش ہے کہ ایک سال تک قلعہ والوں کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی"۔

چغتائی خان نے پوچھا:

"فوج کتنی ہے قلعہ میں"۔

"فوج برابر کی ہے"۔

"اوہ ــ" چغتائی خان جھلا گیا:

"اس نے جواب میں کیا کہا ہے؟"

"اس نے کہا ہے"

قاصد نے اینل جق کا پیغام دہرایا:

"کہ پھر وہی ہوگا جو تم نے آج تک نہیں دیکھا اور جو نہیں دیکھا وہ اب دیکھو گے"۔

چغتائی خان کے قریب ہی ایک کلہاڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس نے غصہ میں آکے کلہاڑی اٹھائی اور دور کھڑے ایک گھوڑے پر کھینچ ماری۔

کلہاڑی گھوڑے کے پیٹ میں جا گھسی اور وہ کئی فٹ زمین سے اچھل کر پھر ایسا گرا کہ دوبارہ سر بھی نہ اٹھا سکا۔

چغتائی کے پاس اس وقت ۱۰ ہزار کا لشکر تھا اور قاصد کے کہنے کے مطابق قلعے کے اندر بھی اس کے برابر فوج موجود تھی۔ اس نے سوچا، دو دن انتظار کر کے حملہ کرے تاکہ ۲۰ ہزار کا وہ لشکر بھی اس کے پاس پہنچ جائے جو پیچھے آ رہا تھا۔

چغتائی خان اس دن قلعہ پر حملہ سے باز رہا۔

رات کو اترار کے چاروں طرف مغلوں کے الاؤ جل اٹھے۔ اس سے اتنی روشنی پھیلی کہ دور دور تک دکھائی دینے لگا۔ مغل نصف شب تک شراب پیتے، گانے سنتے اور ہاؤ ہو مچاتے رہے پھر الاؤ کے گرد لیٹ کے بے خبر ہوگئے۔

ابھی رات ختم ہونے میں ایک پہر باقی تھا کہ مغل لشکر پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔ اینل جق نے قلعہ سے نکل کر ۲۰ ہزار سواروں کے ساتھ شب خون مارا تھا۔

شب خون اس قدر زبردست تھا کہ سنبھلتے سنبھلتے دس ہزار سے زیادہ مغل مارے گئے اور جب تک وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے اینل جق واپس جا چکا تھا۔

مغلوں کے لیے یہ نیا تجربہ تھا۔

وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان پر بھی شب خون مارا جا سکتا ہے جبکہ وہ خود شب خون مارتے اور آبادیوں کو تہ و بالا کر ڈالتے تھے۔

چغتائی خان کو بتایا گیا کہ اس شب خون میں اس کے دس ہزار آدمی مارے گئے ہیں تو اس کا خون کھول اٹھا۔ اس نے بھائی سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ صبح ہوتے ہی اترار پر چاروں طرف سے یلغار کی جائے۔

صبح ہوئی تو چغتائی خان نے ایک اور تماشہ دیکھا۔

اترار شہر کی فصیل کے چاروں طرف چار دروازے تھے۔ یہ تمام دروازے کھل گئے اور اندر سے فوجیوں کا جیسے سیلاب باہر آنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان باہر آنے والے فوجیوں نے صفیں درست کیں اور پھر مغلوں کی طرف

پیش قدمی شروع کر دی۔

مغل ان آنے والوں کو ہکا بکا کھڑے دیکھ رہے تھے۔

اب تک انہیں جن قوموں سے واسطہ پڑا تھا وہ تو انہیں دیکھ کر ہی بھاگ کھڑی ہوتی تھیں مگر یہ لوگ تو خود ان پر چڑھے آ رہے تھے۔

مغل جلدی جلدی سوار ہو کے ان کی طرف بڑھے۔ پھر دونوں لشکر ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔ وہ گھمسان کا رن پڑا کہ الامان والحفیظ!

مغل سپاہیوں کے پاس عام طور سے کلہاڑے تھے۔ وہ کلہاڑا اٹھاتے اور مارنے کو بڑھتے تو انزاری سوار پھرتی سے ان کی پشت اور سینے میں اپنی لمبی تلواریں اتار دیتے۔

لڑائی صبح سے دوپہر تک ہوتی رہی۔ مغلوں نے کوشش کی کہ شہر پناہ سے باہر آنے والوں کو یلغار کر کے گھیرے میں لے لیں مگر شہر پناہ سے باہر آنے والوں کا تو تانتا بندھا ہوا تھا۔ دوپہر تک جنگ ہوتی رہی اور اندر والے مسلسل باہر آتے رہے۔

دوپہر ڈھلی تو مغلوں نے محسوس کیا کہ آنے والے بڑی تیزی سے واپس شہر میں جا رہے ہیں مگر وہ اس منظم طریقے سے پسپا ہو رہے ہیں کہ ان کا کوئی خاص نقصان نہیں ہو رہا۔

آخر وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے شہر پناہ میں واپس چلے گئے مگر مغل کوشش کرنے کے باوجود ان کے ساتھ شہر پناہ میں داخل نہ ہو سکے۔

رات کے شب خون اور دن کی جنگ میں انزار کے ۴ ہزار آدمی کام آئے۔ مغلوں کو شب خون میں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا مگر دن کی جنگ میں مقابلہ برابر ہی رہا تھا۔

دوسری رات بظاہر دونوں طرف خاموشی طاری رہی مگر نصف شب کے بعد انزار والوں نے مشرق اور مغرب کے دروازے کھول کر پھر شب خون مارا لیکن مغل پچھلی شب کی طرح چونکہ غافل نہ تھے اس لیے آج ان کا نقصان بہت کم ہوا۔

اس دوسرے شب خون کی سالاری اینل جق کے سالے نے کی تھی۔ وہ بیک وقت شمشیر زن اور تیر انداز تھا۔ وہ اس تیزی سے شمشیر کو میان میں کر کے کمان کھینچ لیتا تھا کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا مگر ایک جگہ وہ مغلوں میں گھر گیا۔

اس نے شمشیر زنی کے بہترین جوہر دکھائے مگر مغلوں کا حلقہ نہ توڑ سکا۔ پھر ایک کلہاڑی اس کے دائیں شانے پر ایسی پڑی کہ پورا ہاتھ شانے سے جدا ہو گیا! ساتھ ہی مغلوں نے اس کا قیمہ کر دیا۔

اینل جق کو اپنے برادرِ نسبتی اور لال جق کو اپنے ماموں کے مارے جانے کا بہت افسوس ہوا۔ لیکن جنگ میں یہ سب تو ہوتا ہی ہے۔

تیسری شب کے شب خون کے لیے لال جق نے خود کو پیش کیا مگر اینل جق نے مزید شب خون مارنے کا سلسلہ بند کرا دیا۔

"تم جانتے ہو کہ ان دو دنوں اور دو راتوں میں کیا ہوا؟" اینل جق نے اپنے بیٹے اور دوسرے سرداروں کو مخاطب کیا۔

سب نے حیرانی سے اس کا منہ دیکھا۔

"میں بتاتا ہوں"۔

اینل جق نے کہا:

"ہم نے مغلوں کے بیس ہزار آدمی مار ڈالے مگر ــــــ"

انزاری بیس ہزار مغلوں کے قتل کی خبر سن کر خوش ہوئے تھے کہ لفظ "مگر" نے ان کی خوشی پہ پانی پھیر دیا۔

لال جق نے بے چین ہو کے پوچھا:

"مگر کیا ہوا بابا؟"

"مغلوں کے بیس ہزار مارے گئے اور انہیں تیس ہزار کی کمک پہنچ گئی"۔

اینل جق نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا:

"ہماری تعداد میں دس ہزار کی کمی ہو گئی جو کبھی پوری نہ ہو گی"۔

انزاریوں پر سناٹا چھا گیا۔

اینل جق نے انہیں حوصلہ دیا۔

"ہم جانتے ہیں کہ ہماری تعداد میں روز بروز کمی ہوتی رہے گی"۔

اس نے ایک عزم سے کہنا شروع کیا:

"پھر وہ وقت آئے گا کہ انزار میں ہماری تعداد انگلیوں پر گنی جا سکے گی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم حوصلہ ہار دیں۔ ہم جنگ جیتنے کی حالت میں نہیں ہیں۔ ہمیں تو دشمن کے زیادہ سے زیادہ لشکر کو انزار میں الجھائے رکھنا اور انہیں قتل کرنا ہے۔

یاد رکھو۔ انزار مغلوں کے سیلاب پر وہ بند ہے جو ٹوٹ گیا تو خوارزم کے بڑے بڑے شہر اس سیلاب میں

ڈوب جائیں گے۔ بہ جائیں گے۔ ہمیں اپنی آخری سانس تک انہیں روکے رکھنا ہے۔"

دوسرے دن سے اینل جق نے مدافعتی جنگ شروع کردی۔

ادھر چغتائی خان کو امید تھی کہ اترار والے چونکہ کمزور ہوگئے ہیں اس لیے اب جلد ہی ان پر قابو پا لیا جائے گا۔ چنانچہ مغلوں نے اپنے حملے تیز کر دیے۔

اترار کے گرد پہاڑیاں تھیں اور پتھروں کی کمی نہ تھی۔ مغلوں کے ساتھ چینی ساخت کی چھوٹی چھوٹی منجنیقیں تھیں چغتائی خان نے تمام منجنیقیں اترار کے گرد اونچی جگہوں پہ نصب کرا دیں اور شہر پہ پتھر برسانا شروع کر دیے۔ پتھر ایسی تیزی سے برستے کہ جیسے بارش ہو رہی ہو۔

دو ہفتے۔

تین ہفتے

پورا ایک مہینہ گزر گیا مگر مغلوں سے اب تک شہر کی فصیل بھی نہ ٹوٹ سکی تھی۔ وہ پتھروں کی بارش کے دوران فصیلِ شہر کی طرف بڑھتے مگر ان پہ فصیل سے اسی تیزی سے تیروں کی بارش کی جاتی جس تیزی سے وہ ان پر پتھر برساتے تھے۔

فصیل پر عورتیں مردوں کے دوش بدوش کھڑی تھیں۔ وہ تیراندازوں تک تیروں سے بھرے ترکش پہنچا رہی تھیں بلکہ خود بھی تیراندازی کے جوہر دکھا رہی تھیں۔

اس کے باوجود، دن بھر کی جنگ کے بعد جب اتراریوں کے مقتولین کی تعداد گنی جاتی تو وہ پانچ سو سے ایک ہزار تک ہو جاتی تھی۔

اس طرح مرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی مگر اتراریوں کے حوصلے بلند تھے اور وہ جی جان سے مغلوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔

دوسرا مہینہ گزر گیا۔

مغل پھر بھی شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ فصیلِ شہر جگہ جگہ سے شکستہ ہو جانے کے باوجود اب تک مغلوں کو روکے ہوئے تھی۔

اس محاصرے کے دوران اتراریوں پہ ایک افتاد پڑی۔

ولی عہد شہزادہ جلال الدین کو کسی طرح خبر پہنچ گئی کہ مغلوں کی اسی ہزار فوج نے اترار کو گھیر لیا ہے۔ اس نے فوراً دس ہزار کا لشکر سلطان کے حاجب قراجہ کی سرکردگی میں اترار روانہ کر دیا۔

یہ خبر اینل جق کو بھی مل گئی۔ اس نے ایک رات شہر کا ایک دروازہ کھول کر حاجب قراجہ کی کمک کو شہر میں

داخل کر لیا۔

اس وقت مغلوں نے شدید مزاحمت کی اور تقریباً دو ہزار اتراری اس کوشش میں کام آ گئے۔ اینل جق خوش تھا کہ دو ہزار کے نقصان کے بدلے دس ہزار کی کمک مل گئی۔

مگر ـــــ حاجب قراجہ کی یہ کمک اینل جق کے لیے مضر ثابت ہوئی۔ حاجب قراجہ نے شہر کی حالت ابتر دیکھی تو اس نے لال جق کو مشورہ دیا۔

"شہزادے! شہر کی حالت بہت خراب ہے۔ مغلوں کو کچھ دے دلا کے صلح کر لینی چاہیے"۔

لال جق کو غصہ آ گیا۔

"قراجہ!"

اس نے تیز و تند لہجے میں جواب دیا:

"تمہیں کمک پہنچانے بھیجا گیا ہے، مشورے کے لیے نہیں۔ ہم تین ماہ سے ایک لاکھ مغلوں کا سیلاب روکے ہوئے ہیں اور تم ہمیں صلح کا مشورہ دے رہے ہو"۔

"شہزادے بہادر۔ میں تو آپ اور شہر والوں کی بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں"۔

قراجہ اب بھی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا:

"آپ اجازت دیں تو میں خود مغلوں سے جا کر گفتگو کروں؟"

"ہرگز نہیں"۔

لال جق نے اسے ڈانٹ دیا:

"صلح کی بات اب زبان پر نہیں آنی چاہیے۔ مغل صلح کر کے بھی دشمن کو زندہ نہیں چھوڑتے۔ اپنی زندگیاں ان کے ہاتھ میں دینے کے بجائے مردانہ وار لڑ کر جان دینا زیادہ بہتر ہے"۔

مگر ـــــ بد ذات حاجب قراجہ نے غداری کی۔

ایک رات اس نے شہر والوں کے مشورے سے شہر پناہ کا ایک دروازہ کھول دیا اور مغل بغیر جنگ کے شہر پہ قابض ہو گئے۔

اینل جق کو حاجب قراجہ کی غداری کی خبر ملی تو وہ ہاتھ مل کے رہ گیا۔ اس کے پاس اب بھی ۲۰ ہزار کا لشکر تھا۔ وہ لشکر کے ساتھ شہر سے نکل کر قلعہ میں منتقل ہو گیا اور اب جنگ فصیلِ شہر سے فصیلِ قلعہ تک آن پہنچی۔

اتراری ہر روز جوانمردی کے جوہر دکھاتے مگر روز انہ ان کی تعداد میں کچھ نہ کچھ کمی ہو جاتی۔ پھر اینل جق کا دوسرا سالا جنگ میں کام آیا۔ اس کے ۵ سالے تھے۔ ایک ایک کر کے وہ تمام شہید ہو گئے۔

پھر ایک شب لال حق کی پیاری بیوی اور نئی نویلی دلہن فصیل کی حفاظت کرتے ہوئے شدید زخمی ہوئی اور صبح ہونے سے پہلے ختم ہو گئی۔

اترار کے محاصرہ کو پانچواں مہینہ تھا کہ ایک دن اچانک اینل حق کا جری بیٹا لال حق سر پر منجنیق کا ایک بھاری پتھر لگنے سے ختم ہو گیا۔ اسی دن اینل حق کی بیوی بھی دشمن پر تیر برساتی ہوئی خود بھی ایک مغل کے تیر کا نشانہ بن گئی۔

اترار کی ساٹھ ستر ہزار کی فوج گھٹتے گھٹتے صرف ۷۰۰ افراد پر محدود ہو گئی تھی۔ فصیل جگہ جگہ سے ٹوٹ چکی تھی۔ مغل قلعہ کے اندر داخل ہو چکے تھے مگر جواں مرد اینل حق اپنے ستر آدمیوں کے گھیرے میں کھڑا مغلوں پر تیر برسا رہا تھا۔

دشمن اور قریب آ گیا۔

اینل حق کے ساتھیوں نے اسے دھکیل کر ایک برج میں بند کر دیا اور سب کے سب ایک ایک کر کے اپنے آقا پر قربان ہو گئے۔

چغتائی خان نے برج کے پاس پہنچ کر پیش کش کی:

"اینل حق باہر آ جاؤ۔ تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی"۔

اس کے جواب میں اینل حق نے برج کے ایک سوراخ میں پتھر پھنسا کر پیچھے سے اپنی کمان کی نوک سے پتھر کو ایسا ٹھوکا دیا کہ پتھر تیر کی طرح اچھل کر چغتائی خان کے چہرے پر جا کر لگا۔ اس کی آنکھ بچ گئی ورنہ اینل حق نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

اینل حق نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔

برج کو ہتھوڑوں سے توڑا گیا۔ پھر کئی آدمیوں نے اندر کود کر اینل حق کو قابو کیا۔ اس نے آخری وقت تک مزاحمت جاری رکھی۔ پھر چغتائی خان نے اس کے حلق، ناک اور کانوں میں چاندی پگھلا کر ڈلوا دی۔

اینل حق شہید ہو گیا۔

اس کا نام آج تک زندہ ہے۔

زندہ باد اینل حق۔ زندہ باد اترار!

ایک طرف قلعہ اترار اس تباہی و بربادی سے دوچار ہوا کہ اینل حق اور اس کے ساتھی انتہائی دردناک موت کا شکار ہوئے اور قلعہ اترار کی تمام فصیلیں گرا کر شہر کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دیا گیا اور اب وہ مغلوں کی بربریت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

دوسری طرف چنگیز خان نے پانچ ہزار فوج کو بناکت اور خجند فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس فوج پر تین سردار مقرر کیے گئے۔

۱۔ الک

۲۔ الکتو

۳۔ تکائی

حاکم بناکت کو مغلوں کی آمد کی خبر ملی تو وہ قلعہ بند ہو گیا۔ مغلوں نے محاصرہ کر کے جنگ چھیڑ دی۔ مسلم قلعدار ایلغا نے دو دن تک بڑی ہمت سے مدافعت کی مگر تیسرے روز ہمت ہار گیا اور اس نے قلعے کے تمام دروازے کھول دیے۔

مغلوں نے قلعہ کی فصیل گرا دی۔ آبادی کو لوٹ لیا۔ بیشتر آدمی قتل کر دیے اور صرف جوانوں کو قیدی بنا لیا گیا۔

قیدی جوانوں سے مغل ایک کام یہ بھی لیتے تھے کہ جب کسی جگہ مدافعت ہوتی تو یہ خود پیچھے رہتے اور ان قیدیوں کو اسلحہ دے کر مقابلے پر کھڑا کر دیتے۔ اس طرح دونوں طرف سے مسلمان لڑتے مرتے اور مغل کھڑے

ہو کر تماشہ دیکھتے۔

میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ میرا جدِ امجد چنگیز خان بیشتر مغل سرداروں کو مختلف اطراف میں روانہ کرنے کے بعد خود بخارا کی فتح کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب وہ مقام زرنق پر پہنچا تو اس نے اپنا ایک مسلمان حاجب اہلِ شہر کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ اگر وہ جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا۔

مسلمان حاجب نے خانِ اعظم کا پیغام اہلِ شہر کو پہنچایا۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور فیصلہ ہوا کہ اس ذلت سے بہتر ہے کہ لڑ کر مر جائیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی ہوا کہ سب سے پہلے یہ ذلت آمیز پیغام لانے والے کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کی بھنک کسی طرح مسلمان حاجب کو پڑ گئی۔ وہ فوراً ایک اونچی جگہ کھڑا ہوا اور اس نے اہلِ شہر کو مخاطب کیا:

"بھائیو! میں اگرچہ مغل خانِ اعظم کا قاصد ہوں مگر تمہاری طرح مسلمان ہوں اور بحیثیت مسلمان تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ جنگ کے بجائے اطاعت قبول کر لو۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے اطاعت قبول کر لی تو میں خانِ اعظم سے سفارش کر کے تمہاری جان و مال کا زیاں نہ ہونے دوں گا۔"

شہریوں نے پھر غور و خوض کیا اور طے پایا کہ ایک وفد خانِ اعظم کے پاس جائے اور اہلِ شہر کی طرف سے اطاعت کا اظہار کرے۔

وفد خانِ اعظم کے پاس پہنچا۔ چنگیز خان نے خوشنودی کا اظہار کیا اور دستور کے مطابق جوانوں کو فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔

چونکہ شہریوں کو عام معافی دے دی گئی تھی اس لیے خانِ اعظم نے اس شہر کا نام خاخ بلیغ یعنی خوش قسمت شہر رکھ دیا اور بغیر شہر میں داخل ہوئے بخارا کی ذیلی بستی نور کی طرف چلا گیا۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ خانِ اعظم کا بڑا لشکر پیچھے آ رہا تھا۔ وہ جب شہر کے قریب پہنچا تو اس نے باغوں میں داخل ہو کے درخت کاٹے۔ ان کے تنوں سے سیڑھیاں بنائیں اور گھوڑوں پہ لاد کے شہر کی طرف چلے۔

شہر والے سمجھے کہ شاید یہ کوئی کارواں ہے۔ انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔ جب یہ لوگ قلعے کے قریب پہنچے تو شہر والوں کو اصل صورت حال کا علم ہوا۔ شہر والے بھی بھاگ بھاگ کے قلعہ میں داخل ہو گئے اور قلعے کا دروازہ بند کر لیا گیا۔

اس کے بعد حسبِ دستور پہلے قاصد بھیجا گیا کہ اگر اہلِ شہر اطاعت قبول کر لیں تو انہیں معاف کیا جا سکتا ہے

شہر والے پہلے ہی خوفزدہ تھے' انہوں نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔

نئی مغل فوج کے سردار نے ایک شرط پر درگزر کا وعدہ کیا کہ شہری صرف ضروری سامان ساتھ لے جائیں باقی شہر میں رہنے دیں۔

یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ مغلوں کی روایتی رسم کے مطابق ایسے موقع پہ فوج کو خوش کرنے کے لیے لوٹ مار کی اجازت دی جاتی تھی۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ شہر والوں نے یہ ظالمانہ شرط بھی تسلیم کر لی مگر احتیاط کے طور پہ چنگیز خان کو بیچ میں ڈالا جو ابھی نور میں موجود تھا۔

اس نے معاہدے کی توثیق کی مگر یہ حکم بھی دے دیا کہ اہالیانِ شہر سے ایک سال کے واجبات، فوج کی رسد اور اسلحہ کے لیے پیشگی وصول کر لیے جائیں۔

شہر والوں نے تمام شرائط پوری کر کے شہر کو بچا لیا۔ لیکن مثل مشہور ہے کہ:

خوئے بد را بہانہ بسیار

بری طبیعت طرح طرح کے بہانے تراش لیتی ہے!

خانِ اعظم نے اپنے تمام سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ اس وقت تک آگے نہ بڑھو جب تک تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تمہاری پشت پر ایک بھی مسلح شہر نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے ہی حکم کی خلاف ورزی کیسے کرتا۔ بخارا کی شہر پناہ اور قلعہ کی فصیلیں موجود تھیں۔ انہیں ڈھائے بغیر وہ کیسے آگے بڑھ جاتا!

واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بخارا پر جس دوسرے لشکر نے حملہ کرنے کی کوشش کی وہ بھی اندرونِ خانہ ایک چال تھی ورنہ چنگیز خان نے جس شہر کو عام معافی دے دی تھی اسے کوئی دوسرا سردار فتح کرنے کے لیے حملہ کی جرأت کیسے کر سکتا تھا۔ جبکہ بخارا والوں نے دوسرے مغل سردار کو بار بار بتایا تھا کہ خانِ اعظم نے اس شہر کو معافی دے کر اس کا نام خاخ بلیغ رکھ دیا ہے۔

چنانچہ ماہ محرم ۶۱۷ ہجری مطابق مارچ ۱۲۲۰ء میں مغلوں کا لشکر چنگیز خان کی کمان میں ایک بار پھر بخارا کے سامنے پہنچ گیا اور چنگیز خان کا خیمہ بالکل قلعہ کے سامنے لگایا گیا۔

اہلِ شہر مضطرب ہو گئے۔ یہ معاہدے کی سراسر خلاف ورزی تھی۔ قلعہ میں کوک خان، کشلی خان، سونج خان اور حمید پور جیسے بڑے سردار موجود تھے۔ انہوں نے جنگ کا مشورہ دیا اور رات کو بیس ہزار سواروں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر مغلوں پر شب خون مارا۔

چنگیز خان کو کسی طرح اس کی اطلاع مل گئی۔ اس نے فوراً لشکر قلعہ کے گرد کمین گاہوں میں پہنچا دیا۔ جب

قلعہ والے شب خون مارنے باہر نکلے تو کمین گاہوں سے نکل کر مغلوں نے ان پر ٹوٹ پڑے اور لمحوں میں انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔

اہلِ شہر حواس باختہ ہو گئے۔ انہوں نے فوراً ایک وفد چنگیز خان کی خدمت میں بھیجا کہ یہ حرکت فوج کی تھی۔ اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ شہری بے قصور ہیں۔ ان کو معافی دی جائے۔

چنگیز خان نے معافی تو دے دی مگر دل میں کھوٹ تھا۔ اس نے وفد سے کہا:

"ہم شہر کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ شہر کے دروازے کھول دیے جائیں۔"

کسی میں انکار کی جرأت نہ تھی۔ شہر پناہ کے دروازے کھول دیے گئے۔ چنگیز خان اپنے سرداروں کے ساتھ شہر کی سیر کرتے کرتے جامع مسجد کے دروازے پر پہنچا تو گھوڑا روک کر دریافت کیا:

"کیا یہ سلطان کا محل ہے؟"

"نہیں خانِ اعظم!"

لوگوں نے جواب دیا:

"یہ ہم مسلمانوں کی مسجد ہے۔ عبادت گاہ۔"

اس پر چنگیز خان گرج کر بولا:

"یہاں فی الفور ہمارے گھوڑوں کے چارے دانے کا انتظام کیا جائے۔"

حکم کی سرتابی کون کر سکتا تھا۔ لمحوں میں مسجد کے صحن میں غلے کے ڈھیر لگ گئے۔ مسجد کے وسیع ہال میں گھوڑے باندھ دیے گئے۔

الماریوں سے دینی کتابیں نکال کر پھینک دی گئیں اور الماریوں کو کھڑلیوں اور ناندوں کی جگہ استعمال کیا جانے لگا۔

"یہاں کے تمام لوگ آج سے خود کو گھوڑوں کے سائیس تصور کریں۔"

چنگیز خان نے دوسرا حکم دیا:

"اس باب میں ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔"

لوگوں سے مراد وہ علماء و فضلاء تھے جو مسجد کے حجروں میں مقیم تھے۔ چنانچہ ان لوگوں سے سائیس کا کام لیا جانے لگا۔ مغل وہیں بیٹھ کر شراب پینے اور عریاں گانے گاتے تھے۔ چشم زدن میں یہ عظیم عبادت گاہ شراب خانہ میں تبدیل ہو گئی۔

چنگیز خان مسجد سے عیدگاہ کی طرف چلا۔ شہریوں کا ایک انبوہ اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ عیدگاہ پہنچ کے وہ ایک اونچی جگہ کھڑا ہو گیا۔

"اے اہلِ بخارا۔"

اس نے غراتے ہوئے کہا:

"کان کھول کے سن لو میں خدا کی طرف سے اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تمہارے نااہل حاکموں کی سزا میں تم لوگوں کو دوں۔ اگر تم اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو اپنا مال و دولت میرے سپاہیوں کے حوالے کر دو۔"

اہلِ بخارا نے جان بچانے کے لیے اس کے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور اس کے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگا دیے۔

چنگیز خان کو پھر بھی چین نہ آیا۔

اس نے حکم دیا: "قلعہ میں جو بڑے فوجی ہیں انہیں قلعہ سے نکال دیا جائے۔"

ممکن ہے کہ وہاں کچھ لوگ ہوں مگر انہیں کس طرح تلاش کیا جائے۔ بس اس بات پہ وہ بھڑک اٹھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ شہر کو برباد کرنے پہ تلا ہوا ہے اور بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔ چنانچہ اس بنا پر کہ سپاہیوں کو قلعہ سے نہیں نکالا گیا اس نے شہر میں آگ لگوا دی۔

جامع مسجد کے علاوہ بخارا کی بیشتر عمارتیں لکڑی کی تھیں۔ آگ بھڑکی تو اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ شہر میں تین دن آگ بھڑکتی رہی اور پورا شہر خاکستر ہو گیا۔

حاکمِ قلعہ نے یہ حال دیکھا تو اسے جتنے لوگ میسر آئے انہیں لے کے قلعہ بند ہو گیا۔ کئی روز تک سخت لڑائی ہوتی رہی۔ اس میں بے شمار مغل مارے گئے۔ پھر کچھ مغل دیوار پھاند کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ حاکمِ قلعہ کو گرفتار کر لیا گیا اور چنگیز خان نے حاکمِ قلعہ کو اس کے ساتھیوں سمیت قتل کرا دیا۔

پھر اس نے توشابکاک کو بخارا کا حاکم بنایا اور خود سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا!

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان نے اپنے ۴ لاکھ کے لشکر میں سے ایک لاکھ ۲۰ ہزار کا لشکر سمرقند کی حفاظت پہ مامور کیا تھا۔ چونکہ سمرقند کی مدافعت کے انتظامات کافی تھے اس لیے اہلِ شہر اور فوج کے حوصلے بلند تھے۔

چنگیز خان نے اس صورتِ حال کے تحت اس قدر فوجی بھرتی کیے کہ جب وہ سمرقند پہنچا تو قلعہ والوں کو فصیلوں سے دیکھنے پہ تا حدِ نظر آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

چنگیز خان نے شہر کے سامنے ایک اونچی جگہ پر جس کا نام کوک سرائے تھا، اپنا خیمہ نصب کرایا۔ پھر وہ قلعے کے مورچوں اور خندق کے جائزے کے لیے سوار ہوا۔

چنگیز خان کو معلوم ہوا کہ سلطان خوارزم شاہ یہاں سے جا چکا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے دو سردار یاما اور سبتائی کو اس کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

سمرقند کا قلعدار الپ خان تھا اور اس کے پاس البار خان اور بالا خان جیسے منچلے بہادر موجود تھے۔ یہ دونوں سردار اپنے دستوں کے ساتھ شہر سے نکلے اور مغلوں پر حملہ کر دیا۔

ان کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ مغلوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ تمام دن جنگ ہوتی رہی اور دونوں طرف کے لوگ کٹ کٹ کر گرتے رہے۔

دوسرے دن چنگیز خان نے لشکر کی کمان خود سنبھالی اور سمرقند پر بھرپور حملہ کیا۔ اہلِ شہر نے باہر نکل کر اس کا مقابلہ کیا مگر باہر اس قدر ہجوم تھا کہ وہ ایک کو مارتے تو اس کی جگہ دس آجاتے۔ چنانچہ وہ مارتے مارتے اور کاٹتے کاٹتے تھک گئے۔

جب شام ہوئی تو شہر کے لوگوں میں بد دلی پھیل گئی۔ کچھ لوگ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ مغلوں سے صلح کی گفتگو کی جائے مگر ہوش مندوں نے اس کی مخالفت کی۔ انہیں اہلِ بخارا کا انجام معلوم تھا۔

پانچویں روز جب معرکۂ کارزار گرم تھا۔ مغل اور خوارزمی لشکری آپس میں گتھے ہوئے تھے کہ شیخ الاسلام، قاضیِ شہر اور چند دوسرے لوگ چھپتے چھپاتے چنگیز خان کے پاس پہنچے۔

چنگیز خان نے ان کی پذیرائی کی۔ اطاعت کی صورت میں عام معافی کا وعدہ کیا۔ پس اس رات نمازِ عشاء کے بعد شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔

مغل لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ مغلوں نے سب سے پہلے دفاعی مورچے توڑ دیے۔ پھر فصیلِ شہر مسمار کر دی اور لوٹ مار کرنے لگے۔

چنگیز خان نے صلح کا پیغام لے جانے والوں اور ان کے خاندان والوں کے علاوہ تمام شہریوں کو قتل کرا دیا اور حسبِ روایت وعدہ شکن ثابت ہوا۔

قلعدار الپ خان نے دیکھا کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں تو اس نے ترکش میں تیر پورے کیے۔ ایک ہاتھ میں تلوار لی۔ دوسری تلوار کمر میں لٹکائی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ دے کر تیر کی طرح قلعے کے دروازے سے نکلا۔

مغل جو اسے پہچانتے تھے۔ انہوں نے "لینا۔ پکڑنا" کی صدائیں بلند کیں۔ مغل سوار اس کی طرف بڑھے لیکن

الپ خان گھوڑا اڑاتا اور سامنے آنے والوں کو مارتا کاٹتا ایسا نکلا کہ مغل سوار اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ الپ خان نے سیدھا خراسان کا رخ کیا جہاں سلطانی لشکر موجود تھا۔

دوسرے دن قلعہ کی ایک دیوار بھی گرا دی گئی۔ تقریباً ایک ہزار مسلمانوں نے بھاگ کے خانۂ خدا میں پناہ لی مگر مغلوں نے انہیں معاف نہ کیا اور مسجد کو آگ لگا دی۔ جس سے تمام لوگ جل کر راکھ ہو گئے۔

قلعہ میں تیس ہزار سپاہی تھے جن میں زیادہ تعداد ترکوں کی اور باقی قنقلی تھے۔ وہ سب اپنے سردار برشاش خان سمیت بے دردی سے قتل کر دیے گئے۔

مغلوں نے اپنے خود ساختہ قانون کے تحت جانوروں اور اہلِ حرفہ کو ساتھ لیا اور بقیہ اہلِ شہر کو اس شرط پر جان کی امان دی کہ وہ سالانہ ۲ لاکھ دینار لگان دیں گے۔

لیو چیت سانگ نے سمرقند کو دیکھ کر لکھا ہے:

"اس شہر کے اطراف میں بیس بیس میل تک باغ، چمن اور گلستان ہیں۔ نہریں ہیں۔ بہتے ہوئے چشمے ہیں۔ حوض ہیں۔ تالاب ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ سمرقند بڑا ہی دلکش مقام ہے۔"

چنگیز خان اور خوارزم شاہ میں اب تک براہِ راست جنگ نہیں ہوئی تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ خوارزم شاہ شہر چھوڑ کے کسی طرح نکل گیا ہے تو اس نے جبی نویان اور سوبدائی کو اس کے پیچھے لگا دیا اور حکم دیا:

"خوارزم شاہ دنیا کے جس حصہ میں بھی جائے اس کا پیچھا کرو اور اسے زندہ یا مردہ میرے پاس روانہ کرو۔ جو شہر دروازے کھول دیں انہیں تباہ نہ کرنا"۔

شہروں کے متعلق اس نے یہ حکم تو دیدیا کہ:

"جو شہر دروازے کھول دیں انہیں تباہ نہ کرنا"۔

لیکن اس کی عملی شکل یہ تھی کہ خود اس نے "بخارا اور سمرقند" کو معافی کا اعلان کرنے کے باوجود تباہ کر دیا تھا۔

پھر اس کے سردار اس کے حکم کی کیا پروا کرتے!

اب کیفیت یہ تھی کہ خوارزم شاہ آگے آگے لشکر لیے بھاگ رہا تھا اور اس کے تعاقب میں چنگیز خان کے سردار اسے مختلف شہروں میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اگر خوارزم شاہ صحیح خطوط پر اپنی جنگی حکمت عملی ترتیب دیتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ چنگیز خان کو شکست نہ دے پاتا مگر اس پر تو چنگیز خان کی دہشت طاری ہو گئی تھی اور وہ اس سے دور ہی دور بھاگتا چلا جا رہا تھا۔

خوارزم شاہ سمرقند سے جنوب کی طرف بلخ پہنچا جو افغانستان کے کہساروں کے سرے پر واقع ہے۔ وہاں سے اس نے جنوب کا رخ کیا اور ویران سرزمینوں سے ہوتا ہوا نیشاپور پہنچا۔ اپنی دانست میں وہ مغلوں کو ۵۰۰ میل پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

اگر خوارزم شاہ اپنے جوانمرد بیٹے جلال الدین خوارزم شاہ کا مشورہ مان لیتا تو اسے اس طرح دربدر کی خاک کبھی نہ چھاننا پڑتی مگر اس کی ضد اور ہٹ دھرمی اسے مسلسل ذلیل کرا رہی تھی اور وہ خوفزدہ ہرن کی طرح مغلوں سے چھپتا پھر رہا تھا۔

جبی نویان اور سوبدائی نے دریائے جیحوں میں گھوڑے تیرا کر اسے پار کیا اور بلخ پہنچے۔ وہاں انہیں معلوم ہوا کہ خوارزم شاہ مغرب کی طرف چلا گیا ہے۔ انہوں نے بھی مغرب کا رخ کیا۔

خوارزم شاہ کی آمد کے تین ہفتے بعد وہ نیشاپور پہنچے مگر خوارزم شاہ مغلوں کی آمد کا سن کر شکار کے بہانے وہاں سے بھی جا چکا تھا۔

انہوں نے پھر شکار کا راستہ سونگھا اور قافلے کے اس راستے پر ہو لیے جو بحیرۂ خزر کے کنارے جاتا تھا۔ وہاں انہوں نے جدید طہران کے قریب تیس ہزار ایرانی فوج کو مقابلے کے بعد شکست دی۔ یہاں سے یہ دونوں مغل سالار الگ الگ ہو گئے۔

کچھ دن تک انہیں مفرور خوارزم شاہ کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ سوبدائی بہادر شمال کے پہاڑی علاقوں میں گھس گیا اور جبی نویان جنوب میں دشتِ نمک کے کنارے چل پڑا۔ یہ علاقہ خوارزم شاہ کی سلطنت کی حدود سے باہر تھا۔

اس دوران خوارزم شاہ نے اپنے حرم اور خزانہ کو کسی مقام نامعلوم کی طرف بھیج دیا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوا۔

بغداد میں وہی خلیفہ تھا جسے اس نے خلافت سے ہٹا دیا تھا اور اب وہ اسی کی پناہ میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا بدقسمتی سے اس دوران اس کے حرم اور خزانے پر مغلوں نے قبضہ کر لیا مگر خوارزم شاہ پھر بچ نکلا اور راستہ بدل کر ہمدان پہنچا۔

ہمدان کے قریب اچانک ہی مغل اس کے پیچھے نمودار ہوئے۔ انہوں نے خوارزم شاہ کے بہت سے ساتھیوں کا خاتمہ کر دیا۔ خوارزم شاہ پر بھی کئی تیر پھینکے گئے مگر اسے کوئی پہچانتا نہ تھا اس لیے وہ بچ کر بحیرۂ خزر کی طرف بڑھا۔ اس کی اس بزدلی سے اس کے بعض ترک دستے اس سے باقاعدہ نفرت کرنے لگے تھے۔

خوارزم شاہ نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس کے ساتھی اس سے باغی دکھائی دینے لگے ہیں اس لیے اس خیال سے کہ کہیں وہ رات میں اس کا خاتمہ نہ کر دیں اس نے اپنے خاص خیمے کے بجائے رات ایک اور خیمے میں گزاری۔ صبح کو جب اس نے اپنا اصل خیمہ دیکھا تو وہ تیروں سے چھلنی تھا۔

دوسری طرف مغلوں کا خاص لشکر جو چنگیز خان کی سربراہی میں مسلمان شہروں اور شہریوں کو برباد و خاکستر کرتا ہوا چلا جا رہا تھا اس نے سفاکی و ظلم و ستم کے نئے نئے باب رقم کیے۔

سمرقند اور ماوراء النہر میں اپنے قدم جمانے کے بعد چنگیز خان نے اپنے تین بیٹوں کو خوارزم شاہ کے تعاقب اور فتح پر مامور کیا۔ ان کے نام یہ تھے:

توشی خان

چغتائی خان

اکتائی خان

واضح رہے کہ چنگیز خان کے چار بیٹے تھے:

جوجی خان۔ چغتائی خان۔ اوغدائی خان۔ تولوئی خان۔

مگر تاریخ خوارزم شاہی میں چنگیز خان نے خوارزم شاہ پر حملے کے لیے جن بیٹوں کو مامور کیا تھا ان کے نام توشی اکتائی اور چغتائی لکھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوغدائی کو اکتائی اور تولوئی کو توشی کسی غلط فہمی کی بنا پر لکھا گیا ہے۔

خوارزمیوں کا دارالسلطنت شہر خوارزم دریائے جیحون کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ عرب اس کو جرجانیہ اور خوارزم کے مقامی باشندے اسے "اورگنج" کہتے تھے۔

اس وقت وہاں خوارزم شاہ کے بیٹوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا البتہ قنقلی قبیلہ کا ایک سردار خمار تگین موجود تھا، جو خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون کا رشتہ دار تھا۔

اس بے کسی اور افراتفری کے عالم میں اہلیانِ شہر نے خمار تگین ہی کو غنیمت جانا اور اسے اپنا سلطان بنا کر مغلوں کے

مقابلہ پر کمربستہ ہو گئے۔

ایک دن کچھ مغل سوار شہر کے مضافات میں دیکھے گئے جو مویشی ہانک کر لے جا رہے تھے۔ سرحدی دستوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ اٹھے۔ یہ سمجھے کہ مغل ڈر کر بھاگ رہے ہیں پس انہوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا جبکہ مغلوں کی یہ چال تھی۔ انہوں نے اپنے فوجی گھات میں بٹھا رکھے تھے۔

جب تعاقب کرنے والے ان کی زد پر پہنچے تو انہوں نے گھات سے نکل کر ان پر حملہ کر دیا اور جنگ چھڑ گئی۔ شہر والے گھیر لیے گئے مگر انہوں نے سخت مدافعت کی اور شام تک لڑتے رہے۔ اندھیرا ہونے پر وہ واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ کچھ مغل بھی بھیس بدل کر آ گئے۔

رات بھر تو انہیں شرارت کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کونے کھدروں میں دبکے رہے مگر صبح کو ان مغلوں نے قلعہ کے ایک دروازے پر حملہ کر دیا۔

فریدوں غوری نامی ایک سردار اس دروازے کا محافظ تھا۔ اس نے بڑی بہادری سے حملہ پسپا کر دیا اور بہت سے مغل مارے گئے۔

تیسرے دن چنگیز خان کے دونوں بیٹے چغتائی خان اور تولائی خان اپنے پورے لشکر سمیت وہاں پہنچے اور اونچے مقامات پر منجنیقیں لگا کر شہر والوں کو پیغام بھیجا:

مزید مزاحمت سے باز آ جاؤ

شہر کے دروازے کھول دو۔

دو جملوں کے اس پیغام پر کسی نے کان نہ دھرا۔ مغلوں کو یہ فکر دامنگیر تھی کہ خوارزم شہر کے نزدیک منجنیقوں کے لیے پتھر موجود نہ تھے۔ اس کے لیے انہیں بہت دور سے چھکڑوں میں بھر کے پتھر لانے پڑتے تب منجنیقیں کام کرتیں۔ دوسری طرف اہل شہر جان توڑ کے مزاحمت کر رہے تھے۔

مغلوں نے پتھروں کے نہ ہونے کا ایک توڑ یہ نکالا کہ شہر کے گرد شہتوت کے درختوں کے چمن کے چمن موجود تھے۔ انہوں نے وہ درخت کاٹے اور دریا میں ڈال دیے تاکہ بھاری ہو جائیں۔

پھر ان درختوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے انہوں نے پتھروں کے ساتھ شہر میں پھینکنا شروع کر دیے۔ شہر والے پھر بھی ہمت نہ ہارے اور مقابلہ کرتے رہے۔

مغلوں نے شہر پر آگ کے گولے پھینکنا شروع کر دیے۔ اس سے ایک دو جگہ آگ لگ گئی۔ انہوں نے سوچا اگر پورا شہر جل گیا تو انہیں مالِ غنیمت نہ ملے گا اس لیے انہوں نے آگ کے گولے پھینکنا بند کر دیے۔

مغلوں نے آخری تدبیر یہ کی کہ دریا میں پتھر ڈال کر ان کا رخ شہر کی طرف کر دیا تاکہ فصیلیں ٹوٹ جائیں اور اہل شہر

مزاحمت ختم کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بہت سے مغل نوجوانوں کو فصیل پر چڑھا کر اپنا جھنڈا وہاں لہرا دیا تاکہ ...
کے حوصلے پست ہو جائیں۔

اس پر بھی شہر والے باز نہ آئے۔ وہ مغلوں کو فصیل سے دھکیل کر خود بھی فصیل کے باہر آ گئے اور مغلوں کو پسپا
کرنا شروع کر دیا۔

یہ دراصل مغلوں کی چال تھی۔ وہ شہر والوں کو فصیل سے باہر لانا چاہتے تھے اور اس میں وہ کامیاب رہے تھے جب
خوارزمی فصیل سے کافی دور لڑتے بڑھتے آ پہنچے تو مغلوں نے انہیں گھیر لیا۔

اب انہیں ہوش آیا مگر وہ چاروں طرف سے گھیرے میں آ چکے تھے۔ ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ پھر
اس شہر خوبان اور اس کے باشندوں کا بھی وہی حال ہوا جو دوسرے شہروں کا ہوا تھا۔

جوانوں اور اہل حرفہ کو مغلوں اور عورتوں کو تقسیم کر لیا گیا۔ بچوں کو غلام بنا لیا گیا اور باقی تمام لوگوں کو خاک و خون
میں نہلا دیا گیا۔

اس کے بعد چنگیز خان نے دو مقامات پر فوج کشی کی:

۱۔ بلخ

۲۔ طالقان

دونوں جگہوں کے لوگوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا کہ ہر دو صورتوں میں ان کی موت تھی اس لیے ہر
شہری نے جوانمردی سے لڑتے ہوئے جان دی۔

مغلوں کو بھی یہاں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں بھی جوانوں اور اہل ہنر کو چھوڑ کے عورتوں کو مغلوں میں تقسیم
کیا گیا۔ بچے غلام بنا لیے گئے اور اہل شہر کا قتل عام کیا گیا۔

خوارزم شاہ مغلوں سے جان بچاتا بحیرۂ خزر کے کنارے آن پہنچا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے
ایک افسر سے پوچھا:

"کیا دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میں مغلوں سے بچ سکوں؟"

"عالی جاہ!"

افسر نے ادب سے مشورہ دیا: "آپ کشتی میں بیٹھ کے بحیرۂ خزر کے کسی دور دراز جزیرے میں تشریف

لے جائیے اور وہاں اس وقت تک قیام کیجیے جب تک شہزادہ جلال الدین نیا لشکر جمع کر کے آپ کی مدد کو نہیں آ جاتا۔"

خوارزم شاہ نے شاید زندگی میں پہلی بار کسی کے مشورے پر عمل کیا۔ وہ چند نامعلوم اور عجیب الخلقت لوگوں کے
ہمراہ جزیرۂ خزر کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچا۔

یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں زیادہ تر مچھیرے اور کم درجے کے تاجر پیشہ لوگ رہتے تھے۔ خوارزم شاہ یہاں
کافی عرصہ پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ بشرطیکہ اس کے دماغ سے شاہانہ کروفر اور بو باس نکل جاتی۔

اب خوارزم شاہ کے پاس نہ کوئی لونڈی غلام تھے اور نہ شاہانہ شان و شوکت مگر اس کی بے چین طبیعت نے اسے
نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ وہ شہر کے جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانے لگا اور بہت جلد یہ راز کھل گیا کہ وہ کون ہے اور
کیوں وہاں ٹھہرا ہوا ہے؟

بستی کا ایک شخص جسے خوارزم شاہ کے ہاتھوں شاید کبھی کوئی نقصان پہنچا تھا' اس نے بدلہ لیا اور مغلوں کو اس
کی مخبری کر دی۔

مغل اس وقت قزوین میں ایک ایرانی لشکر کو شکست دے چکے تھے اور اب پہاڑوں میں خوارزم شاہ کو تلاش
کر رہے تھے۔

مخبر نے جیسے ہی انہیں خوارزم شاہ کا پتہ ٹھکانہ بتایا وہ اسی وقت اپنے گھوڑے بھگاتے مچھیروں کی بستی
میں پہنچ گئے۔

مگر ۔۔۔ خدا نے شاید خوارزم شاہ کو معاف کر دیا تھا اور وہ مغلوں کے ہاتھوں اسے مزید ذلیل نہیں کرنا چاہتا تھا
پس جب مغل اس بستی میں پہنچے جہاں خوارزم شاہ مقیم تھا تو وہ اس وقت ایک کشتی میں بیٹھ کے کنارے سے روانہ ہو
چکا تھا۔

بستی والوں نے نشاندہی کی کہ:

'وہ سامنے کشتی میں خوارزم شاہ جا رہا ہے۔'

مغل سوار غراتے اور وحشت ناک آوازیں نکالتے اپنے گھوڑے ساحل کے کنارے ادھر سے ادھر اور ادھر سے
ادھر بھگاتے رہے۔ بعض مغلوں نے سمندر میں تیر اندازی بھی کی مگر کشتی تیروں کی زد سے باہر جا چکی تھی۔ پھر
دس بیس مغلوں کو ایسا طیش آیا کہ انہوں نے گھوڑے بحیرۂ خزر میں ڈال دیے اور کشتی کا تعاقب کرنے لگے
پانی میں گھوڑوں کا کشتی تک پہنچنا ناممکن تھا جبکہ ماہی گیر نے ایک سچے مسلمان کا حق ادا کیا۔ اس نے یہ دیکھ
کر کہ دشمن خوارزم شاہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں' کشتی کی رفتار بڑھا دی اور خوارزم شاہ کو مغلوں سے
بچا لے گیا۔

جب تک گھوڑوں اور ان کے سواروں میں طاقت رہی تب تک مغل سمندر میں تیرتے رہے پھر وہ غوطے کھانے لگے اور ایک ایک کر کے غرقاب ہو گئے۔

ساحل پر موجود مغلوں نے مچھیروں کی بستی کو نذر آتش کر دیا اس لیے کہ ان لوگوں نے خوارزم شاہ کی خبر ان کو پہلے کیوں نہ دی تھی؟

مغل اگرچہ خوارزم شاہ کو نہ پکڑ سکے مگر ان کے تعاقب کے خوف اور اپنی جان بچانے کی بے انتہا مشقت نے خوارزم شاہ کا کام تمام کر دیا۔

پریشانی اور مسلسل تھکن نے اسے بیمار کر دیا تھا۔ علاج کے لیے اس کے پاس تھا کچھ نہیں۔ جب اپنے دور کے عظیم سلطان خوارزم شاہ نے انتقال کیا تو کیفیت یہ تھی کہ اسے کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ اس کے ایک ہمدرد نے اپنی قمیض اتار کر اس کی لاش کو اس میں لپیٹا اور دفن کر دیا۔

خوارزم شاہ کی بے بسی کی موت مقامِ عبرت ہے۔ سچ ہے:

"اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے!"

میرا نام گلبدن بیگم ہے۔

میں شہنشاہ بابر کی بیٹی، شہنشاہ ہمایوں کی بہن اور اکبر اعظم کی پھوپھی ہوں۔

چنگیز خان میرا جدِ امجد تھا۔ وہ جتنا بہادر تھا اتنا ہی سفاک بھی تھا۔ اگرچہ اس نے مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت خوارزم کا خاتمہ کر دیا لیکن اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ مسلمان، مغلوں کے مقابلہ میں خدانخواستہ بزدل تھے۔ ہرگز نہیں۔ مسلمان بھی اتنے ہی بہادر تھے جتنے مغل شجاع تھے اس لیے خوارزم کی سلطنت کی تباہی کی ذمہ داری مسلمان لشکر پر نہیں ڈالی جا سکتی بلکہ اس کا اصل وجہ صرف اور صرف خوارزم شاہ کی غلط جنگی حکمتِ عملی تھی۔

خوارزم شاہ نے مغلوں کے مقابلہ پر آنے سے پہلے بہت سی فاش غلطیاں کی تھیں جن کا تدارک وہ جان دے کر بھی نہ کر سکا۔

ان میں سرِ فہرست غلطی خلیفۂ بغداد سے بلاوجہ کی مخالفت ہے۔

اس نے خلیفۂ بغداد کو معزول کر کے نہ صرف عام مسلمانوں کی دل آزاری کی بلکہ خلیفہ نے اس کے جواب میں چنگیز کو خوارزم شاہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی، اگرچہ اسے اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔

خوارزم شاہ کی دوسری بڑی غلطی سلطنت کے اصل ولی عہد جلال الدین کو ولی عہدی سے محروم کرنا تھا جس کا کوئی جواز نہ تھا۔

تیسری بڑی غلطی اس نے یہ کی کہ اپنے چار لاکھ کے لشکر کو تقسیم کر دیا۔ اس سے اس کی مرکزی طاقت ختم ہو گئی۔

چنگیز خان نے جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو سلطان خوارزم شاہ کی گرفتاری پر مامور کیا تھا مگر انہیں یہ نہ معلوم ہو سکا تھا کہ جس کو وہ تلاش کر رہے ہیں وہ اپنی ہی سلطنت اور اپنے ہی جزیرے کے کسی گوشے میں ہمیشہ کیلئے دفن ہو چکا ہے۔

انہوں نے سلطنت خوارزم کے خزانوں کو لوٹ کر بہت سا مال و زر جمع کیا۔ اس مال و زر کو سلطان کے حرم کے بیشتر افراد کے ساتھ انہوں نے چنگیز خان کی خدمت میں روانہ کر دیا اور قاصد کے ہاتھ یہ مختصر سا پیغام بھی ارسال کر دیا کہ:

"خوارزم شاہ کشتی میں بیٹھ کے مشرق کی طرف گیا ہے۔"

سوبدائی بہادر جو بحیرۂ خزر کے پاس برف پوش چراگاہوں میں سردیاں گزار رہا تھا، اس نے ارادہ کیا کہ شمال کی طرف یلغار کرے اور سمندر کا چکر لگا کر پھر خوارزم شاہ کو جا لے۔

اس نے ایک قاصد کو سمرقند بھیج کے چنگیز خان سے اس سفر کی اجازت طلب کی۔ چنگیز خان نے نہ صرف اسے اجازت دی بلکہ ارخانوں کی طاقت کو مضبوط کرنے کے لیے کئی ہزار ترکمانوں کی کمک بھی روانہ کر دی۔ جبکہ سوبدائی خود بھی کردوں کو بھرتی کر کے اپنی فوج کو مضبوط کر رہا تھا۔

سوبدائی لشکر کو مضبوط کر کے ان شہروں کی طرف روانہ ہوا جہاں سے خوارزم شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے وہ گزرا تو تھا مگر ان پر قبضہ نہ کر سکا تھا۔ چنانچہ اب اس نے ان شہروں کا محاصرہ کر کے ان پر قبضہ کیا۔ پھر ان کو قبرستان بنا کر اس نے شمال کا رخ کیا اور قفقاز میں داخل ہوا۔

قفقاز وہی علاقہ ہے جسے ہم کوہ قاف کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں پریاں اور دیو رہتے ہیں۔

دراصل یہ علاقہ گرجستان کہلاتا ہے۔ یہاں کی عورتیں بے انتہا خوبصورت ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اسے پرستان بھی کہا جاتا ہے۔

سوبدائی اور جبی نویان نے گرجستان پر حملہ کیا۔ مغلوں اور پہاڑی جنگجوؤں کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ اس جنگ کے دوران جبی نویان اس طویل وادی کی ایک جانب پوشیدہ ہو گیا جو طفلس کی طرف جاتی ہے اور سوبدائی نے اپنی پرانی چال کے مطابق پسپا ہونا شروع کر دیا۔

نادان گرجستانی اس کی چال کو نہ سمجھ سکے اور پسپا ہونے والوں کو دباتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مقام پر آ گئے جہاں سوبدائی نے اپنے آدمی چھپا رکھے تھے۔

ان چھپے ہوئے مغلوں نے اچانک پیچھے سے گرجستانیوں پر حملہ کر دیا۔ ان کی تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی مغلوں

نے ان سب کو کاٹ کے رکھ دیا۔

اب مغلوں نے قفقاز کے دروں میں پہاڑوں کو کاٹ کے راستہ بنایا اور سکندر اعظم کے آہنی دروازے سے گزرے۔

پھر جب وہ شمال کی ڈھلوان پر پہنچے تو ان سے مقابلے کے لیے تین قبائل صف آرا تھے:

۱۔ الان
۲۔ چرکیس
۳۔ قبچاق

ان کی تعداد مغلوں سے کہیں زیادہ تھی۔ واپسی کا بھی کوئی راستہ نہ تھا۔ اس وقت سوبدائی بہادر نے بڑی ہوشیاری سے ان کی صفوں کے درمیان حائل ہو کے قبچاق قبیلے کو الان اور چرکیس سے الگ کر دیا۔

مغلوں کے صرف چند دستوں نے قبچاق کو ایک طرف روکے رکھا اور باقیوں نے گرانڈیل اور تنومند الان اور چرکیس قبائل پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں بھاگ نکلے۔

پھر وہ قبچاقیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ الان اور چرکیس کی شکست دیکھ کر قبچاقی بھی بھاگ نکلے۔ مغلوں نے ان کا بحیرۂ خزر کے پار نمک سے بھرے ہوئے میدانوں تک تعاقب کیا اور انہیں شمال کے روسی شہزادوں کی زمینوں میں دھکیل دیا۔

اس کے بعد انہیں ایک نئے اور بڑے بہادر دشمن کا سامنا کرنا پڑا۔ تقریباً ۸۲ ہزار روسی جنگجو، جو کیف اور دوسرے دور دراز کے علاقوں سے آ کے وہاں جمع ہوئے تھے دریائے نیپر کے خانہ بدوشوں سے جنگ کرتے رہے تھے۔

یہ روسی شہزادوں کی الگ الگ فوجیں تھیں۔ ان کے الگ الگ سوار تھے اور وہ اپنے سرداروں کے ماتحت جنگ کرتی تھیں۔ سوبدائی کی طرح ان کی کمان کسی ایک سالار کے ہاتھ میں نہ تھی۔

مغلوں کی ان سے جنگ شروع ہوئی اور مسلسل نو دن تک جاری رہی۔ مغل ہر روز پسپا ہو کر تھوڑا سا پیچھے ہٹ جاتے تھے اور روسی فوجیں کچھ آگے بڑھ آتی تھیں۔

یہ بھی مغلوں کی ایک چال تھی۔ وہ روسیوں کو اس مقام تک لانا چاہتے تھے جس مقام کو انہوں نے جنگ کے لیے منتخب کیا تھا۔

چنانچہ اس منتخبہ مقام پر دو روز تک شدید جنگ ہوئی۔ اس دست بدست جنگ میں کیف کا شہزادہ، جو اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا مارا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے روسی مارے گئے۔ باقی شمال کی طرف بھاگ گئے۔

مغلوں نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔

سوبدائی بہادر اور جبی نویان اب پھر اپنی مرضی کے مالک تھے۔ وہ دور دور تک چکر لگاتے گئے۔ قرم کے علاقے میں داخل ہوئے اور جنیوا کی ایک فصیل بند تجارتی کوٹھی کو تسخیر کیا۔

اب وہ دریائے نیپر کو پار کر کے یورپ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ان کے پاس چنگیز خان کا ایک قاصد پہنچا۔

تعجب یہ ہے کہ چنگیز خان مشرق میں ان سے دو ہزار میل دور تھا لیکن اسے قاصدوں کے ذریعے سوبدائی اور جبی نویان کی نقل و حرکت کی خبریں مسلسل ملتی تھیں۔

خانِ اعظم کا حکم تھا:

"مشرق میں میرے پاس پہنچ کر آئندہ کے لیے احکامات حاصل کرو"۔

دونوں سردار فوراً ہی واپس ہوئے۔ راستے میں جبی نویان مر گیا۔ اس کے باوجود مغل فوج نے چلتے چلتے دریائے والگا کے کنارے آباد بلغاریوں پر حملہ کر کے انہیں تاراج کر ڈالا۔

یہ عجیب و غریب یلغار تھی۔

انسان کی شہسواری کی اس قدر طویل نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ عجیب کام وہی لوگ کر سکتے تھے جنہیں غیر معمولی قوتِ برداشت عطا ہوئی ہو اور انہیں اپنی طاقت پر بھی اعتماد ہو۔ ایسا کبھی نہیں سنا گیا کہ مشرق سے ایک گروہ نے خروج کیا ہو۔ وہ بحرِ خزر کے دروں تک دندناتا گیا ہو، اس نے راستے میں انسانوں کو نیست و نابود کیا ہو۔ پھر زندہ و سلامت مالِ غنیمت کے ساتھ اپنے مالک کے پاس واپس آ گیا ہو اور اس سارے قصے میں صرف ۲ سال لگے ہوں۔

ان دو مغل رستوں کے ساتھ ملک ختا (چین) کے علما اور ایغوری اور نسطوری عیسائی بھی تھے اور مسلمان تاجر بھی۔ ان کے ساتھ ایک چینی عامل اور ایک آرمینی پادری بھی تھا جو خطوں کو پڑھ کے سناتا تھا۔ ان لوگوں نے راستے کے تمام مقامات، دریاؤں، پہاڑوں، جھیلوں، انسانوں، جانوروں اور ٹیلوں وغیرہ کا تفصیلی حال قلم بند کیا تھا۔

چند سال بعد سوبدائی بہادر نے اس مقام سے جہاں سے وہ واپس جا رہا تھا، ایک بار پھر اپنا آگے کا سفر جاری رکھا۔

سلطان خوارزم شاہ کی موت اور اس کے دو بیٹوں کے مغلوں کے مقابلے میں شہید ہونے کے بعد مسلمان رعایا ایرانی شہزادوں اور سیّدوں کے جھنڈے تلے جمع ہو رہی تھی۔

چنگیز خان یہ سب دیکھ رہا تھا اور اسے علم تھا کہ اب زور آزمائی کا وقت آ رہا ہے۔ اس کا اندازہ تھا کہ شاید دمادلہ کا لشکر اس سے مقابلہ کو آگے بڑھنے والا ہے تاہم ابھی اس لشکر کا کوئی ایک سپہ سالار نہ تھا اور یہ لشکر بھی ابھی درجن بھر سے زیادہ سلطنتوں میں بکھرا پڑا تھا۔

یورش کے دوسرے سال مغل لشکر کی جملہ تعداد دوبارہ تومانوں یعنی ایک لاکھ ۲۰ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ ایغوریوں کا سردار ایدی قوت اور الحالیق کا عیسائی بادشاہ اس سے اجازت لے کر طیان شان کے پہاڑوں کے اس پار جا چکے تھے۔

نفا چار نویان جو ارخونوں میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھا نیشاپور کے محاصرے میں کام آ چکا تھا مقولی بہادر چین میں اس کی نیابت کر رہا تھا۔ ارخونوں کی تعداد خاصی گھٹ چکی تھی۔

جبی نویان مر چکا تھا۔

چنگیز خان نے سوبدائی کو مشورہ کے لیے دور مغرب سے طلب کیا تھا۔ وہ تعمیلِ حکم میں خانِ اعظم کے پاس بلخ پہنچا۔ کچھ روز صلاح مشورے ہوئے۔ پھر سوبدائی اپنے لشکر میں واپس چلا گیا۔

چنگیز خان کا مزاج بدل چکا تھا۔ خوارزم (اورگنج) کے محاصرے کے دوران اس کے بڑے بیٹے جوجی خان اور چغتائی خان میں سخت تکرار ہوئی تھی۔

اس کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ مغلوں نے بخارا کے محاصرے میں قیدی پکڑے تھے۔ ان کی مشکیں کس کر وہ انہیں سمرقند لے گئے۔ وہاں انہیں آگے آگے دھکیل کر مغلوں نے ڈھال کے طور پر استعمال کیا اور ان کے پیچھے خود فصیل پر حملہ کیا۔

ان قیدیوں سے فصیل کے گرد زبردستی خندق بھروائی گئی پھر فصیلوں کے نیچے سرنگیں کھدوائی گئیں اور اورگنج کے محلوں کو مغلوں نے روغنِ نفت سے آگ لگا کر سر کیا لیکن شہر کے اندر مسلمانوں نے گلی کوچوں میں مغلوں کا مقابلہ کیا حتیٰ کہ مکانوں کے درمیان لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔

مغل پھر بھی شہر میں داخل نہ ہو سکے۔

اب انہوں نے ان قیدیوں کو دریائے آمو پر بند باندھنے پر لگا دیا۔ یہ دریا اورگنج کے ساتھ بہتا تھا۔ بند باندھنے سے اس کا رخ بدل گیا اور دریا شہر کی طرف گھوم گیا۔ اس طرح مغل دریا کے زور پر شہر میں داخل ہوئے۔ یوں

اہلِ شہر کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

جو لوگ قتلِ عام کے بعد باقی بچے ان کو کھیتوں میں ہنکایا گیا۔ پھر انہیں تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

کاریگروں اور ہنرمندوں کو مشرق کی طرف بھیجا گیا کہ وہ فاتحوں کی غلامی کریں۔

عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔

باقی لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔

میں نے اپنے بزرگوں اور انہوں نے اپنے بزرگوں کے بزرگوں سے سنا ہے اور بیان کیا ہے کہ اور گنج کے حملہ میں پچاس ہزار مغلوں نے حصہ لیا اور ہر مغل نے اور گنج کے ۲۴ باشندوں کو قتل کیا۔ اس طرح وہاں بارہ لاکھ مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا۔

بہت سے مسلمان ویرانوں میں اور لاشوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے۔ مغلوں نے انہیں بھی زندہ نہیں رہنے دیا کیونکہ انہوں نے اور گنج سے روانہ ہونے سے پہلے دریا کا بند توڑ دیا۔ دریا کا پانی ویرانوں میں داخل ہو گیا اور وہاں چھپے ہوئے لوگ پانی کے ریلے کے ساتھ بہہ کر ختم ہو گئے۔

جوچی خان اور چغتائی خان میں اور گنج کے محاصرے کے دوران اس وقت تکرار ہوئی جب چغتائی خان نے دریا کا رخ شہر کی طرف موڑنے کے لیے اس پر بند باندھنے کا حکم دیا۔

"چغتائی خان!"

جوچی خان نے اس پر شدید احتجاج کیا:

"اور گنج کو دریا میں بہانے کی کوشش مت کرو۔"

چغتائی خان غرایا:

"تم مجھے حکم دینے والے کون ہوتے ہو؟"

"اس شہر پر حملہ کرنے والے لشکر کی کمان ہم دونوں کے ہاتھ میں ہے۔"

جوچی خان نے جواب دیا:

"اس لیے جتنا اختیار تمہیں ہے مجھے اس سے کچھ زیادہ ہی ہے۔"

چغتائی خان متحمل مزاج کا مالک تھا مگر نجانے کیوں اس وقت اسے غصہ آ گیا:

"یہ کچھ زیادہ اختیار سے تمہارا کیا مطلب ہے جوچی؟"

جوچی خان کو بھی غصہ آ گیا:

"چغتائی خان۔ میں تمہارے نام کے ساتھ خان لگاتا ہوں اور تم مجھے صرف جوچی کہہ رہے ہو۔ یہ جیسے میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔"

"تم مجھے اس لیے خان کہتے ہو۔۔۔۔"

چغتائی خان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا:

"کہ میں واقعی خان ہوں۔"

"اور میں۔۔۔۔؟"

چغتائی خان کی بات پر جوچی خان نے کلہاڑی پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا:

"کیا میں خان نہیں؟"

"میں کیا جانوں تم کون ہو؟"

چغتائی کا لہجہ بڑا سخت تھا:

"تمہیں اپنی اصلیت معلوم کرنا ہے تو جا کے خانِ اعظم سے پوچھو۔"

"چغتائی خان!"

جوچی خان چیخ اٹھا:

"میں تمہارے چار ٹکڑے کر دوں گا۔"

"چغتائی تم سے اچھی کلہاڑی چلانا جانتا ہے۔"

اس نے بھی کلہاڑی نکال لی:

"تمہارے آٹھ ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔"

چغتائی خان گھوڑا گھما کے کلہاڑی لہراتا ہوا جوچی خان کی طرف بڑھا جو پہلے ہی کلہاڑی تانے کھڑا تھا۔ قریب تھا کہ دو بھیڑیوں میں جنگ شروع ہو جاتی کہ ایک عمر رسیدہ مغل فوراً ان کے درمیان آ گیا۔

"یاد رکھو۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"وہ لشکر شکست کھا جاتا ہے جس کے سردار آپس میں لڑنے لگتے ہیں۔"

"میں اس سے لڑنا پسند نہیں کرتا۔۔۔۔"

چغتائی خان نے غصے سے کہا:

"لیکن جب میں نے اور گنج کی طرف دریا کا رخ موڑنے کا حکم دیا تو اس نے مخالفت شروع کر دی، حالانکہ خانِ اعظم کا واضح حکم ہے کہ اپنی پشت پر کوئی قلعہ، فصیل اور بند چھوڑ کے آگے قدم نہ بڑھاؤ۔"

"ہاں۔ یہ بات تو میں نے خانِ اعظم سے خود سنی ہے"۔

عمر رسیدہ مغل نے تائید کی:

"خانِ اعظم کا فرمان ہے کہ اگر کسی شہر کا قلعہ تباہ کیے بغیر آگے بڑھے تو وہ بعد میں پشت سے حملہ کر سکتا ہے"۔

پھر اس نے جوجی خان سے سوال کیا:

"کیوں جوجی خان! تم خانِ اعظم کے حکم کی مخالفت کیوں کر رہے ہو؟"

"اگر تم نے خانِ اعظم کا وہ حکم سنا ہے"۔

جوجی خان نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا:

"تو پھر خان بابا کا یہ حکم بھی سنا ہوگا جس میں انھوں نے صاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ وہ پہاڑ دل کے اس پار متمدن دنیا کو لوٹنے نہیں جا رہے بلکہ اسے شکست دیں گے تاکہ اس پر ان کی اولاد حکمرانی کر سکے"۔

عمر رسیدہ مغل کچھ دیر سر جھکا کے سوچتا رہا۔ پھر کہا:

"جوجی خان! تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔ خانِ اعظم یہ بات کئی بار کہہ چکے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد پہاڑوں کے اس پار کی دنیا پر حکومت کرے"۔

"اے بزرگ مغل! تو نے ٹھیک کہا"۔

جوجی خان خوش ہو گیا:

"اسی لیے تو میں کہہ رہا ہوں کہ ان شہروں کو نیست و نابود نہ کرو۔ اگر شہر اجڑ گئے اور شہری قتل کر دیے گئے تو کیا ہم ویرانوں پر بادشاہت کریں گے"۔

عمر رسیدہ مغل کا دماغ گھوم گیا۔ چغتائی خان نے جو کہا وہ بھی ٹھیک تھا اور جوجی خان جو کہہ رہا تھا وہ بھی چنگیز کا حکم تھا۔

آخر اس نے فیصلہ کیا اور بولا:

"اب تک جو ہوا ہے اس پر خاک ڈالو۔ آئندہ احتیاط سے کام لو۔ میں خود خانِ اعظم کے پاس جا رہا ہوں اور ان سے تازہ حکم لے کر جلد واپس آؤں گا"۔

عمر رسیدہ مغل نے درمیان میں پڑ کر دونوں سوتیلے بھائیوں کو خانہ جنگی سے تو روک دیا لیکن ان کے دلوں میں پڑی ہوئی گرہ کچھ اور پختہ ہو گئی۔

جوجی خان کی اپنے سوتیلے بھائیوں سے اکثر جھڑپ ہوا کرتی تھی۔ جوجی خان اپنے دوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں زیادہ بہادر تھا۔ اس کی تعریف چنگیز خان بھی کرتا تھا مگر جوجی خان اتنا ہی سرکش اور وحشی بھی تھا۔ چنگیز خان کی نئی بیوی کولان

کے سلسلے میں بھی جوجی خان اور اس کے بھائیوں میں تلواریں کھنچ گئیں۔

شہزادی کولان، جیسی شہزادی سالوچی کی طرح کوہ قاف کے کسی امیر کی بیٹی تھی۔ کوہ قاف کی خوبصورتی پوری دنیا میں مشہور ہے۔ شہزادی کولان اس علاقے کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ اس کی شادی ہونے والی تھی مگر مغلوں کی یلغار شروع ہو گئی۔

مغلوں نے اس کی ساری آبادی کو تہ تیغ کر دیا۔ کولان اور اس کا منگیتر بھاگ کر ایک غار میں جا چھپے۔ ایک مغل نے ان کو غار میں جاتے دیکھ لیا۔ اس نے جوجی خان اور چغتائی خان سے ان کی مخبری کی اور بتایا کہ:

"مرد کے ساتھ جو لڑکی ہے وہ اس قدر خوبصورت ہے کہ میں نے آج تک اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی"۔

چنانچہ دونوں بھائیوں نے غار کو گھیر لیا۔

غار اس قدر تاریک اور گہرا تھا کہ اس کا کچھ پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ تین روز تک وہ محاصرہ کیے رہے مگر غار میں سے کوئی برآمد نہ ہوا۔

پھر انہوں نے غار میں آگ لگا دی۔ اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

آخر وہ یہ سوچ کر کہ شاید انہیں خبر ہی غلط ملی ہے یا پھر وہ دونوں کسی اور غار میں جا چھپے ہیں، اپنے دستوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

ان کے جانے کے بعد کولان اپنے منگیتر کے ساتھ غار سے باہر آئی۔ بدقسمتی سے اسی وقت مغلوں کا ایک اور فوجی دستہ ادھر آ نکلا اور ان دونوں پر حملہ کر دیا۔

کولان اور اس کے منگیتر کے پاس مغلوں ہی کی طرح چھوٹی چھوٹی تلواریں تھیں۔ جب انہیں گھیرا گیا تو دونوں نے تلواریں سونت لیں اور مقابلے پر آ گئے۔

مقابلہ کیا ہوتا؟

تھوڑی ہی دیر بعد کولان کا منگیتر اپنی محبت پر قربان ہو گیا۔ کولان اس قدر خوبصورت تھی کہ مغل سردار اسے دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گیا۔

اس نے کولان کو لالچ دیا اور کہا:

"اگر تم تلوار پھینک دو تو میں تمہیں بیوی بنا لوں گا"۔

کولان نے صاف انکار کر دیا اور بولی:

"ہرگز نہیں۔ اگر کسی نے میرے جسم کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں اسے بھی مار دوں گی اور اپنی بھی جان لے لوں گی۔"

مغل سردار کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کولان نے کہا:

"مجھے خانِ اعظم کے روبرو پیش کر دو۔"

خانِ اعظم کے نام پر مغل سردار سہم گیا اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ اسے ایک دستہ فوج کے ساتھ خانِ اعظم کے پاس بھیج دے گا۔

جونہی چغتائی خان اور جوجی خان کو کولان کی گرفتاری کی خبر ملی تو دونوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے واپس آ گئے۔

ایک منزل واپسی کا سفر انہوں نے بے حد تیزی سے طے کیا۔ پھر جونہی ان دونوں کی نظر شہزادی کولان پر پڑی تو ان کے دل میں بھی گدگدی پیدا ہوئی۔

ایک بار پھر وہ ایک دوسرے کے خلاف تلواریں کھینچ کے کھڑے ہو گئے۔

"تم دونوں مجھے حاصل نہیں کر سکتے۔"

کولان نے انہیں جنگ پر آمادہ دیکھا تو بڑے حوصلے سے کہا:

"اس لیے تمہاری لڑائی بیکار ہے۔"

جوجی خان نے پوچھا:

"تجھ میں کیا خاص بات ہے جو ہم تجھے حاصل نہیں کر سکتے۔"

"تو بہت مغرور معلوم ہوتی ہے۔"

اب کے چغتائی خان بولا:

"ہم تیری گردن مروڑ دیں گے۔"

شہزادی نے ایک عزم سے کہا:

"اگر تمہیں یہ زعم ہے کہ تم مجھے حاصل کر سکتے ہو تو تلوار نکالو اور مجھ سے مقابلہ کرو۔"

"تو ہم سے مقابلہ کرے گی لڑکی!"

چغتائی نے قہقہہ لگایا:

"کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم جنگ میں بغیر ڈھال کے لڑتے ہیں۔ اگر تو ہم سے مقابلہ کرنا چاہتی ہے تو ہم تلوار رجسم استعمال نہیں کریں گے۔ تو تلوار چلا سکتی ہے۔ ہم تجھے خالی ہاتھ پکڑیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

شہزادی کولان بڑے استقلال سے بولی:

"اگر تم نے مجھے ہاتھوں سے پکڑ لیا تو میں ہار مان لوں گی مگر شرط یہ ہے کہ مجھے پکڑتے وقت میری تلوار کا کوئی زخم تمہارے جسم پر نہ پڑنے پائے۔ اگر میں نے تمہیں زخمی کر دیا تو تمہیں اپنی شکست قبول کر کے مجھے خانِ اعظم کے پاس بھجوانا ہو گا۔"

مقابلہ طے ہو گیا۔

شہزادی کولان کی شرط دونوں شہزادوں نے تسلیم کر لی اور طے پایا کہ بغیر اسلحہ کے پہلے چغتائی خان پھر جوجی خان شہزادی کا مقابلہ کرے گا۔

اس وقت شہزادی کولان نے پوچھا:

"مقابلہ زمین پر ہو گا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر؟"

چغتائی اور جوجی نے یک وقت جواب دیا:

"جس طرح تو پسند کرے۔"

شہزادی نے گھوڑا طلب کیا اور اس پر سوار ہو کے مقابلہ پر آ گئی۔ چغتائی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کے اس کے مقابلہ کو نکلا۔

شہزادی نے تلوار کھینچ کر اسے اپنے اوپر حملہ کا اشارہ کیا۔ چغتائی نے اس کے گرد دو چکر لگائے پھر الٹی طرف ہاتھ بڑھا کر سیدھی جانب سے اس کی کلائی پکڑنے کی کوشش کی۔

شہزادی شہسواری میں طاق معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اس تیزی سے گھوڑا گھمایا کہ چغتائی کا ہاتھ اس کی کلائی تک نہ پہنچ سکا۔

پھر شہزادی نے گھومتے ہوئے تلوار کا ایسا وار کیا کہ چغتائی کی کلائی زخمی ہو گئی اور اس نے غرا کر کمر سے لٹکی کلہاڑی بلند کی۔

"ہاں ہاں بہادر مغل سردار!"

شہزادی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا:

"چلاؤ مجھ پر کلہاڑی اور اپنی بہادری کا مظاہرہ کرو۔"

چغتائی کھسیانا ہو گیا اور میدان کے ایک طرف ہو گیا۔

اب جوجی خان مقابلہ پر آیا۔ وہ زیادہ پھرتیلا تھا۔ اس نے شہزادی کے گرد گھوڑا بھگاتے ہوئے تین بار اس کی کلائی

پکڑنے کی کوشش کی مگر شہزادی اس کی گرفت میں نہ آئی۔ پھر اس نے پلٹ کر جوجی خان پر وار کیے مگر وہ پھر تیلا مغل تینوں بار بچ گیا۔

چوتھی مرتبہ مقابلہ ذرا سخت تھا۔

جوجی خان بچ بچ کے مگر بہت تیزی سے حملہ آور ہوتا رہا اور شہزادی اس کا وار خالی دیتی رہی۔ پھر ایکبار اس نے شاید طیش میں آ کر شہزادی کی کلائی پکڑنا چاہی۔ شہزادی تو اس کی پکڑ میں نہ آسکی البتہ اس کے گھوڑے کی اٹھی ہوئی دم جوجی خان کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ گھوڑا ایک انچ بھی آگے پیچھے نہ ہو سکا۔

اسی وقت شہزادی نے ذرا سا گھوم کر جوجی خان پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کے شانے سے خون کا فوارہ ابل پڑا اور جوجی شرمندہ ہو کر مقابلے سے الگ ہو گیا۔

لشکر میں بہت سے بزرگ مغل بھی شامل تھے۔ ان میں سے ایک مغل نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ خوبصورت اور چالاک لڑکی خانِ اعظم ہی کے لائق ہے۔ اسے سخت پہرے میں خانِ اعظم کے پاس روانہ کر دیا جائے۔"

"سخت پہرے سے کیا مراد ہے بزرگ خان؟" چغتائی خان نے پوچھا۔

"لڑکی کے ہاتھ باندھ کے اسے گھوڑے کے ساتھ کس دیا جائے۔ پھر اسے پہرے میں بھیجا جائے۔" بزرگ خان نے جواب دیا۔

یہ سن کر شہزادی چیخ پڑی:

"تم لوگ مجھے قیدی بنانا چاہتے ہو!"

"قیدی تو تم اب بھی ہو۔"

بزرگ خان نے تحمل سے کہا:

"احتیاطاً تمہیں باندھ کے بھیجا جا رہا ہے تاکہ راستے میں کہیں بھاگ نہ جاؤ۔"

شہزادی نے کپڑوں کی کسی تہ میں چھپا ہوا چھوٹا سا خنجر نکالا اور اسے لہراتے ہوئے بولی:

"نہ میں قیدی تھی نہ ہوں اور نہ بنوں گی۔ تم نے اگر مجھے باندھنے کی کوشش کی تو میں اس خنجر سے اپنی زندگی ختم کر لوں گی۔"

جوجی خان نے اس کی سفارش کی:

"بزرگ خان۔ اسے باندھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف پہرے میں بھیجیے۔"

چغتائی خان نے بھی تائید کی:

"میرا بھی یہی خیال ہے یہ بھاگے گی نہیں۔"

شہزادی کولان کو سخت پہرے میں خانِ اعظم کے پاس روانہ کر دیا گیا۔

چنگیز خان سمور کی ٹوپی اور سمور ہی کا لباس پہنے اپنے خیمے کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں کچھ سردار بھی موجود تھے۔

شہزادی کولان کچھ ایسی شان سے گھوڑے پر سوار تھی کہ خانِ اعظم نے اسے دیکھتے ہی پسند کر لیا اور اسے بوالہوس نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا:

"یہ لڑکی کون ہے اور اسے یہاں کون لایا ہے؟"

"ٹھہرو.....؟"

شہزادی کے ساتھ آنے والوں میں سے کسی کے جواب دینے سے پہلے ہی خود شہزادی نے کڑک کر کہا:

"مجھے لڑکی کہنے والا یہ بوڑھا بھیڑیا کون ہے؟"

خانِ اعظم نے ایک جھرجھری سی لی اور اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ تمام مغل جو وہاں موجود تھے، اپنی اپنی جگہ کانپ اٹھے کہ معلوم نہیں اب اس لڑکی کا کیا حشر ہو گا!

لیکن ـــ سب کے اندازے غلط ہو گئے۔ چنگیز خان کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی چمک پیدا ہوئی۔

"او لڑکی!"

اس نے نرم لہجے میں پوچھا:

"تیرا نام کیا ہے اور تو کہاں کی رہنے والی ہے؟"

منہ زور شہزادی نے اکڑ کر جواب میں کہا:

"پہلے مجھے بتایا جائے کہ تم کون ہو اور تمہیں میرے ساتھ اس طرح گفتگو کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"

"لڑکی۔ سلیقے سے بات کر۔"

ایک سردار نے اسے فوراً ڈانٹا:

"یہ ہمارے آقا اور مغلوں کے خانِ اعظم چنگیز خان ہیں جن کے نام سے ساری دنیا تھراتی ہے۔"

"اچھا۔"

شہزادی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا:

"تو یہ ہے وہ خانِ اعظم جس کی بیوی بننے کے لیے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے"۔

پھر تیوریوں پر بل ڈال کے بولی:

"سنو خان! میرا نام کولان ہے اور میں کوہ قاف کی شہزادی ہوں۔ مگر تم مجھ سے کس طرح شادی کر سکتے ہو جبکہ تمہارے دو جوان سردار مجھ سے پہلے ہی شکست کھا چکے ہیں۔ تم تو بوڑھے ہو۔ تمہارے ہاتھوں میں تو تلوار اٹھانے کی بھی طاقت نہیں ہوگی"۔

"یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

چنگیز خان نے شہزادی کو لانے والوں سے دریافت کیا:

"کن جوانوں نے اس سے شکست کھائی ہے؟"

"اس لڑکی کو جوجی خان اور چغتائی خان دونوں ہی نے اپنے لیے پسند کیا تھا خانِ اعظم"۔

ایک مغل سوار نے اُسے بتایا:

"اس لڑکی نے یہ شرط رکھی کہ جو شخص اسے بغیر زخم کھائے پکڑے گا یہ اس سے شادی کرے گی۔ اس کے یہ کہنے پر چغتائی خان نے اپنی تلوار الگ کر دی اور بغیر کسی ہتھیار کے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر زخمی ہو گیا۔ پھر جوجی خان نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ اس لڑکی نے اسے بھی زخمی کر دیا۔ اس پر ہم سب نے فیصلہ کیا کہ یہ لڑکی خانِ اعظم کے ہی قابل ہے۔ اسی لیے اسے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے!"

"کیوں بوڑھے خان!"

شہزادی کولان نے مسکراتے ہوئے سوال کیا:

"کیا تمہارے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہے کہ تم بغیر زخم کھائے مجھے پکڑ لو"۔

شہزادی کی اس مسکراہٹ کے جواب میں خانِ اعظم نے اس قدر زوردار اور بھیانک قہقہہ لگایا کہ شہزادی بھی تھرا کر رہ گئی۔

"تم اپنے آپ کو شہزادی کہتی ہو"۔

اس بھیانک قہقہے کی گونج ختم ہونے پر چنگیز خان نے کہا:

"تمہاری صورت اور بات کرنے کا انداز بھی تمہارے شہزادی ہونے کا ثبوت ہے۔ پس ہم تمہیں مایوس نہیں

کریں گے"۔

پھر خانِ اعظم نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنے محافظِ خاص سے کہا:

"ہمارا گھوڑا لایا جائے۔ ہم شہزادی کا مقابلہ کریں گے"۔

"اگرچہ میں بوڑھوں کو پسند نہیں کرتی"۔

شہزادی کولان نے کہا:

"لیکن خان کو مقابلہ کا موقع ضرور دوں گی"۔

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی چھوٹی تلوار بلند کی۔ وہ اگرچہ تھکن سے چور تھی لیکن اس کی حمیت نے گوارا نہ کیا کہ وہ آرام کے لیے خانِ اعظم سے وقت مانگے۔

خانِ اعظم نے لوہے کی کڑیوں کا وہ جال بھی جسم سے الگ کر دیا جو اس کے سینے اور گردن کی حفاظت کرتا تھا پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں خالی ہاتھ ہوا میں لہرا کر کہا:

"شہزادی! تو حملے میں پہل کر۔ ایسا نہ ہو تجھے حملے کا ارمان ہی رہ جائے"۔

"میں نہتے آدمی پر حملہ نہیں کیا کرتی"۔

شہزادی کولان نے بڑی تمکنت سے کہا:

"تمہیں اجازت ہے کہ اپنی کوشش شروع کرو"۔

اس کا خیال تھا کہ خان اس کے گرد چکر لگا کر حملہ کرے گا مگر اس کے خیال کے برعکس چنگیز خان اپنے گھوڑے کو اس سے کچھ دور لے گیا۔ پھر گھوڑے کو ایڑ دے کر سیدھا شہزادی کولان کی طرف بڑھا۔

گھوڑا تیز رفتاری سے بھاگتا ہوا شہزادی کے قریب پہنچا تو چنگیز خان نے اس کی راسیں کھینچ کر اس طرح ایڑ دی جیسے وہ گھوڑے کو کوئی خندق پار کرنے کا اشارہ دے رہا ہو۔ گھوڑا پورے زور سے اچھلا اور شہزادی کولان کے گھوڑے پر چڑھ گیا۔

شہزادی گھبرا گئی۔ اس نے خود کو بچانے کے لیے گردن نیچی کر لی۔ اسی دم اُسے محسوس ہوا کہ کسی نے اس کی وہ کلائی مضبوطی سے پکڑ لی ہے جس میں تلوار تھی۔

اس نے ہاتھ چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر گرفت آہستہ آہستہ سخت ہوتی گئی، یہاں تک کہ اس کا پورا ہاتھ سن ہو گیا اور تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

چنگیز خان نے ایک زوردار قہقہہ بلند کیا:

"شہزادی! تم نے مغلوں کے آقا کو کیسا پایا؟"

شہزادی کولان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی گردن شرم سے جھک گئی۔

"ہم شہزادی کو ایک موقع اور دیں گے۔"

چنگیز خان نے کہا:

"اس مرتبہ ہمارا گھوڑا شہزادی کے گھوڑے پر نہیں چڑھے گا بلکہ ہم اس کے گرد چکر لگا کر اسے شکست دیں گے۔"

شہزادی کولان نے گردن اٹھائی۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک کے ساتھ ساتھ غصے کی چمک بھی تھی۔ اس نے اپنی تلوار ملنے والے میدان سے اٹھا کر پکڑ رکھی تھی۔

"ہوشیار شہزادی کولان" چنگیز خان نے آواز دی۔

پھر اس کا گھوڑا شہزادی کے پاس پہنچ کر اس کے گرد چکر لگانے لگا۔ شہزادی بڑی ہوشیاری کے ساتھ تلوار لیے ہوئے چنگیز خان کے ساتھ ساتھ گھوڑا گھماتی رہی۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ چنگیز خان کے گھوڑے کی رفتار دم بدم تیز ہوتی جا رہی ہے۔ پھر یہ رفتار اس قدر بڑھی کہ شہزادی صرف ایک بار چکر لگاتی تو چنگیز خان اس کے گرد دو بار چکر لگا چکا ہوتا۔ اس طرح کچھ ہی دیر بعد شہزادی کی آنکھیں چندھیا گئیں اور سر چکرانے لگا۔

اسی وقت چنگیز خان کا فولادی ہاتھ شہزادی کولان کے تلوار والے ہاتھ پر اس طرح پڑا جیسے کسی نے اس کے ہاتھ پر کوئی بھاری پتھر دے مارا ہو۔ شہزادی کچھ بھی نہ کر سکی اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے دور جا گری۔

"میں اپنی شکست تسلیم کرتی ہوں خانِ اعظم"۔ شہزادی کولان نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا۔ جواب میں چنگیز خان نے ایک خوفناک قہقہہ بلند کیا۔

پھر شہزادی کولان خانِ اعظم کی تیسری بیوی بن گئی۔ خانِ اعظم اپنی نئی دلہن کے ساتھ ایک ہفتے تک جشنِ عروسی مناتا رہا پھر لشکر لے کر آگے بڑھا۔

چنگیز خان کے لشکر نے اترار سے مسلمانوں یعنی خوارزم شاہ کے خلاف جنگ کا آغاز کیا۔ پھر بناکت اور خجند فتح ہوئے اور انہیں خاکستر کر دیا گیا یا زمین کے برابر کر دیا گیا۔

اس کے بعد بخارا، سمرقند اور خوارزم میں قیامت برپا ہوئی۔ بلخ اور طالقان چنگیز خان کی آتشِ غضب کا شکار ہوئے۔ خراسان، نسا، نیشاپور اور ہرات کو قبرستان بنا دیا گیا۔

ان تمام شہروں میں سے کوئی بھی پانچ لاکھ سے کم آبادی کا نہ تھا اور ان میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ بعض شہروں میں تو مغلوں نے کتوں اور بلیوں کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

ایک اندازے کے مطابق صرف شہروں میں اسی لاکھ آدمی چنگیز خان کے مختلف لشکروں کا شکار ہوئے اس میں

ان دیہاتوں کی آبادی شامل نہیں ہے جہاں سے مغل لشکر گزرتے تھے اور یہ سب کے سب مسلمان تھے۔

چنگیز خان اپنی فتوحات کو جلد سے جلد مکمل کر کے قراقرم واپس جانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دو بیٹوں جوجی خان اور چغتائی خان سے سخت ناراض تھا۔ اس کے خیال میں ان دونوں نے خوارزم کی فتح میں اس قدر تاخیر کی کہ خوارزم شاہ کا بیٹا جلال الدین بچ کے نکل گیا تھا۔

وہ کبھی کبھی سخت غصے میں آ جاتا اور کبھی کبھی بڑی سے بڑی غلطی بھی معاف کر دیتا مگر یہ سب اس کی موج پر منحصر تھا اس لیے اسے موجی بھی کہتے ہیں۔

چنگیز خان کی آنکھوں میں کچھ تکلیف پیدا ہو گئی۔ اس نے سمرقند کے ایک طبیب کی خدمات حاصل کیں۔ طبیب نے علاج کیا اور اس کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

طبیب اس کا بہت منہ چڑھا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دوسرے سردار اس سے جلنے لگے اور اسے نیچا دکھانے کی سوچنے لگے۔

سمرقند یا کسی اور جگہ سے ایک نہایت خوبصورت مغنیہ گرفتار ہو کر چنگیز خان کے سامنے پیش کی گئی۔ وہ طبیب بھی اس وقت دربار میں موجود تھا۔

"خانِ اعظم!"

طبیب نے عرض کی:

"یہ مغنیہ مجھے بخش دی جائے۔"

چنگیز خان نے اسے گھور کے دیکھا اس لیے کہ طبیب انتہائی بدشکل تھا۔ اس کی صورت دیکھ کے گھن آتی تھی۔

طبیب نے پھر اصرار کیا:

"خانِ اعظم! یہ مغنیہ مجھے عنایت کی جائے۔"

چنگیز خان نے نہ جانے کیا سوچ کر مغنیہ اسے بخش دی۔

"خانِ اعظم!"

دوسرے دن طبیب نے اس سے شکایت کی: "وہ مغنیہ میری طرف مائل نہیں ہوتی۔ اسے حکم دیا جائے کہ وہ

میری طرف مائل ہو۔"

چنگیز خان کو اس پر غصہ آ گیا۔

"اسے قتل کر دیا جائے۔" اس نے حکم دیا۔

دوسرے سرداروں نے اس کی سفارش کی تو خانِ اعظم نے جواب میں کہا:

"لوگ فرمائش کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ خود ان میں کیا اہلیت ہے۔ کہاں وہ مغنیہ اور کہاں یہ بدشکل آدمی۔ پھر بھی میں نے اس کی فرمائش پوری کر دی۔ اب یہ اس کا شکوہ لے کر آ گیا ہے۔"

بڑی مشکل سے طبیب کی جان بچی۔

مغلوں نے عرب ایرانی تمدن کی اس سرحد پر آبادی کا اسی فیصد حصہ تہ تیغ کر دیا۔ یہ باقاعدہ قتلِ عام تھا۔ قتل سے پہلے مقتول کو کئی طرح کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا تھا اگر ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس کے پاس دولت یا کوئی اور خزانہ ہے۔

وہ مالِ دولت کو شکنجے میں جکڑ دیتے اور طرح طرح کے عذاب دیتے لیکن مغلوں نے اپنی دہشت گردی کی یادگار میں سروں کے مینار نہیں بنائے۔ یہ کام چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بعد میں کیا تھا۔

چنگیز خان نے اسلامی تمدن کے اس زرخیز اور دولت سے مالا مال علاقے کو بیابان بنا دیا۔ اس نے اس ملک سے زراعت کا خاتمہ کر دیا اور اسے ایک مصنوعی دشت میں تبدیل کر دیا جو اس کے خیال کے مطابق مغلوں کے رہنے کے قابل تھا۔

۱۲۱۸ء سے ۱۲۲۲ء تک بڑی تیزی کے ساتھ مغل اس زمانے کی معلوم دنیا پر یلغار کرتے رہے۔ وہ پامیر عبور کر کے سمرقند کی زرخیز وادی میں داخل ہوئے۔ پھر ایران کے قلب میں جا پہنچے۔ وہاں سے کوہستانوں کے راستے بحیرۂ خزر کے کنارے تک آئے اور اس کا نام "چیلوں کا سمندر" رکھا۔

پہاڑوں کے مرغزاروں میں سے ہوتے ہوئے تبریز اور موصل تک پہنچے۔ ساتھ ہی ساتھ ہندوکش کی برفپوش چوٹیوں کے نیچے نیچے افغانستان کے جنگل کہستانوں سے ہوتے ہوئے دریائے سندھ کے کنارے جا نکلے۔

سلطان محمد خوارزم شاہ تو مغلوں کے خوف سے بھاگ بھاگ کر ختم ہو گیا مگر اس کے بیٹے جلال الدین خوارزم شاہ نے چنگیز خان کا خوب خوب مقابلہ کیا۔ اس کے پاس اتنا لشکر نہ تھا کہ وہ جم کے مغلوں کا مقابلہ کرتا۔ کسی جگہ ایسا ہوا بھی

لیکن عام طور پر جلال الدین اپنی مختصر فوج کے ساتھ متحرک رہتا اور مغلوں پر شب خون مار مار کر ان کا شدید نقصان کرتا تھا۔

چنگیز خان نے اسے گھیرنے کے لیے کئی لشکر روانہ کیے مگر وہ چھلاوے کی طرح ہر مرتبہ اس کی گرفت سے نکل جاتا تھا تاہم مغل اسے ہر طرف سے گھیرتے چلے آ رہے تھے آخر جلال الدین لڑتا بھڑتا اور پسپا ہوتا ہوا دریائے سندھ کے قریب آن پہنچا۔

اس نے اس عالم میں ایک آخری کوشش کر کے چنگیز خان کے ساتھ دستوں پر حملہ کیا اور کوشش کی کہ اپنے دستوں کو دریا کے کنارے سے ہٹا لے مگر مغلوں نے اس کا زبردست تعاقب کیا اور اس کی فوج کو منتشر کر دیا۔

مغل سردار بلا نویان اس پر برابر دباؤ ڈال رہا تھا۔ آخر کار جب جلال الدین خوارزم شاہ دریا کے اونچے کشادہ کنارے پر پہنچا تو اس کے صرف... سات ساتھی زندہ بچے تھے۔

یہ جان کر کہ خاتمہ کا وقت آ گیا ہے، جلال الدین خوارزم شاہ ایک گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنی زرہ اتار پھینکی اور تلوار، کمان اور ترکش تیروں سے بھر لے کر ایک اونچی چٹان سے دریا کے تیز دھارے میں کود پڑا اور پرلے کنارے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

چنگیز خان نے گھوڑے کو ایڑی دی اور میدان جنگ سے ہٹا ہوا دریا کے کنارے پہنچا۔ وہاں اس نے بیس فٹ بلند چٹان سے گھوڑے پر سوار شہزادے کو دریا میں کودتے دیکھا۔

تھوڑی دیر تک وہ خاموشی سے جلال الدین خوارزم شاہ کو دریائے سندھ کی موجوں سے لڑتے دیکھتا رہا پھر انگشت بدنداں ہو کر اس نے بے ساختہ شہزادہ جلال الدین کی تعریف کی:

"خوش قسمت ہے وہ باپ جس کا بیٹا اتنا بہادر ہے"۔

چنگیز خان جلال الدین خوارزم شاہ کی جرأت، شجاعت اور بہادری کا زبان و دل سے معترف تھا مگر وہ اپنے اس خطرناک دشمن کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

دوسرے دن اس نے اپنے معتمد سردار بلا نویان کو دس ہزار کا لشکر دے کر حکم دیا کہ جہاں دریا کا پاٹ کم ہو وہاں سے دریا پار کر کے جلال الدین کو زندہ یا مردہ لے کر آئے۔

بلا نویان نے دریا پار کر کے لاہور اور ملتان کو تاراج کیا مگر جلال الدین کو نہ پا سکا۔ شاید وہ دہلی جا کر والے کسی قافلے میں شامل ہو گیا تھا۔

بلا نویان نے واپس آ کے چنگیز خان کو بتایا:

"اس مقام کی گرمی سے آدمی مر جاتے ہیں اور یہاں کا پانی نہ تو تازہ ہے اور نہ صاف ہوتا ہے۔ جلال الدین خوارزم شاہ زندہ بچ گیا ہے"۔

جلال الدین نے اس کے بعد بھی مغلوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ جاری رکھی مگر اس کی حیثیت ایک آوارہ گرد بہادر کی تھی جس کا اپنا کوئی وطن نہ تھا۔

دریائے سندھ کے کنارے ہونے والی جنگ آخری تھی۔ جب یہ جنگ ختم ہوئی تو بوڑھے مغل کو اپنے وطن کی یاد ستانے لگی۔

اس نے کہا:

"میرے بیٹوں کو ایسے ملکوں میں رہنے کی تمنا ہو گی۔ مجھے تو نہیں ہے"۔

چین میں مقولی بہادر مر چکا تھا۔ گوبی میں مجلس مشاورت بے چین تھی اور جبت تکرار کر رہی تھی۔ ہیا (سیا) کی سلطنت میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

چنانچہ چنگیز خان نے پشاور کو تاراج کیا اور تیزی سے کوچ کر کے سمرقند آیا۔ وہ جو کام کرنے نکلا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔

چینی دانشور نے رائے دی:

"اب وقت آ گیا ہے کہ قتل و غارت کو ختم کیا جائے"۔

چنگیز خان نے حسب معمول حکم دیا:

"تمام جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا جائے"۔

اور تمام قیدی قتل کر دیے گئے!

مسلمان بادشاہوں کی محل سراؤں سے جو خواتین اور بیگمات پکڑ کر مغل اپنے ساتھ صحرائے گوبی لیے جا رہے تھے، انہیں اجازت دی گئی کہ:

"سڑک کے کنارے بیٹھ کر اپنے ملک کو آخری بار دیکھ لیں"۔

ان مظلوم عورتوں نے جہاں تک ہو سکا صبر کیا۔ پھر انہوں نے آنسو بھی بہائے اور چنگیز خان کو دکھے دل سے بددعا بھی دی:

"خدا کرے تجھے بھی اپنے وطن پہنچنا نصیب نہ ہو"۔

یہ دعا مظلوموں کے دل سے نکلی تھی جو فوراً قبول ہوئی اور چنگیز خان کو اپنے وطن واپس پہنچ کے زندگی کے باقی دن وطن گزارنا نصیب نہ ہوا۔

جب اس کا لشکر صنوبروں کے ایک گھنے جنگل میں پہنچا تو چنگیز خان نے وہیں آخری سانس لی اور منظر نا دنیا

اس کی سفاکی اور مظالم سے محفوظ ہو گئی۔

۱۲۲۷ء جو مغلوں کے جوتش کے حساب سے خنزیر کا سال کہلاتا ہے، اس سال میرا جدِ امجد اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا۔

ایک اندازہ ہے کہ خاقانِ اعظم چنگیز خان جب تراترم سے روانہ ہوا تھا تو اس کے ساتھ دو لاکھ مغلوں کا لشکر تھا پھر جب وہ خوارزم کے علاقے میں پہنچا تو اس کے لشکر کی تعداد چار لاکھ ہو چکی تھی۔ مگر جب وہ واپس ہوا تو نصف لشکر یعنی دو لاکھ مغلوں کا ان جنگوں میں خاتمہ ہو چکا تھا اور اس کا ایک داماد اور بڑا بیٹا جوجی خان بھی اس دوران مر گیا تھا۔

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے میرے سفاک جدِ امجد نے اپنی پوری یلغار کے دوران ایک کروڑ آدمیوں کا قتلِ عام کیا تھا!